إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ

"بے شک اس میں نصیحت ہے ہر اس شخص کے لئے جو دل رکھتا ہے یا جو متوجہ ہو کر کان لگائے"

ہر واقعہ بے مثال

جلد دوم

101

کتب سے بہترین انتخاب

ابو طلحہ محمد اظہار الحسن محمود

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ○ القرآن

"بے شک اس میں نصیحت ہے ہر اس شخص کے لئے جو دل رکھتا ہے یا جو سنے خوب متوجہ ہو کر۔"

ہر واقعہ بے مثال

جلد دوم

101

کتب سے بہترین انتخاب

ابو طلحہ محمد اظہار الحسن محمود

مکتبۃ الحسن
33 - حق سٹریٹ اردو بازار لاہور 042-37241355

ہر واقعہ بے مثال

مؤلف

ابوطلحہ محمد اظہار الحسن محمود

1439
2018

352 ص
7"x4"

ISBN - - - -

اہتمام
عبدالقدیر
0307-3339699

Published by:

مکتبۃ الحسن

۳۳ حق سٹریٹ اُردو بازار لاہور پاکستان

042-37241355, 0307-3339699

انتساب

ایسے عظیم المرتبت اور جلیل القدر لوگوں کے نام!!

جو اپنے علم و حلم سے

اپنے مال و جان سے

اپنی فکر و دانش سے

اپنی خداداد صلاحیتوں سے

اپنی بے باک فطرت سے

اپنی خودی اور استغناء سے

اپنے تقویٰ، پاکیزگی اور حسنِ کردار سے

اُمتِ مسلمہ، شعائرِ اسلام اور دین اسلام کے تحفظ اور

بقا کا سبب بنے ہوئے ہیں۔

ابوطلحہ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ
عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ
عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

فہرست

حرفِ آغاز

نحمدہٗ ونصلی ونسلم علی رسولہٖ الکریم اما بعد!

شوق ہو رہنما تو کوئی مشکل ہی نہیں
شوق مشکل ہے مگر راہنما ہوتا ہے

میرے لیے یہ بات انتہائی خوشی کی حامل ہے کہ میری کتاب ''ہر واقعہ بے مثال'' کی جلد اوّل قارئین نے بہت زیادہ پسند کی۔ اس پر میرا خوش ہونا بے جا ہے یا بجا؟ میں آپ کی رائے سے پہلے حضور نبی اکرم ﷺ کی راہنمائی کا طالب ہوں۔

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسولِ کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص بھلائی کا کوئی کام اللہ کی رضا کے لیے کرتا ہے لوگ اس کام کی وجہ سے اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے، یہ کیسا ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ذَالِكَ عَاجِلُ بُشْرَىٰ الْمُؤْمِنِ ''یہ بندہ مومن کے لیے نقد انعام اور بشارت ہے۔'' (سنن ابن ماجہ، باب ثناء الحسن، رقم: ۴۲۲۵)

مجھ جیسے فقیر کے لیے یہ بات بھی کسی اعزاز سے کم نہیں کہ ساؤتھ افریقہ سے ایک معزز ومحترم مولانا کا فون آیا کہ آپ کی کتاب ''ہر واقعہ بے مثال'' جلد اوّل میرے پاس ہے۔ بہت پسند آئی ہے۔ ریڈیو، ٹی وی پر بیان کے لیے کچھ واقعات کا انتخاب بھی میں اس سے کر لیتا ہوں۔ یہ ان کا حسنِ نظر تھا ورنہ میں کیا ہوں؟ بہر حال وہ پوچھتے ہیں کہ اس کتاب کی اور کوئی جلد بھی ہے؟ عرض کیا ابھی تو نہیں۔ بولے پھر اپنی باقی تصانیف مجھے ساؤتھ

افریقہ میں بھجوادیں۔ اپنا ایڈریس لکھوایا اور سلام و دعا کے بعد یہ رابطہ منقطع ہو گیا۔ میں کتب کی ترسیل کے بارے میں فکر مند ہو گیا۔ کچھ روز بعد پھر فون آیا اور بولے کہ شاید آپ کتابوں کے بل کی عدم ادائیگی کے باعث کتب نہیں بھجوا رہے۔ آپ مجھے اپنا اکاؤنٹ نمبر بھجوا دیجئے تاکہ میں آپ کے اکاؤنٹ میں رقم بھجوا دوں؟

زیادہ دلچسپ بات انہوں نے یہ فرمائی کہ پاکستان میں میرے کچھ دوست احباب ہیں۔ آپ ان سے رابطہ کر لیں میں انہیں فون پر کہہ دیتا ہوں وہ آپ کو ان کتابوں کا بل ادا کر دیں گے۔ میں نے برسبیل تذکرہ پوچھ لیا کہ وہ کون ہیں؟ تو جواب ملا: کراچی میں جناب مفتی محمد تقی عثمانی صاحب یا پھر ملتان میں جناب مولانا قاری محمد حنیف جالندھری صاحب۔ میں نے عرض کیا: میں تو بہت معمولی سا آدمی ہوں۔ حضرت مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم تو اہلِ پاکستان کے لئے کیا عالم اسلام کی مایہ ناز شخصیت ہیں اور حضرت جالندھری صاحب دامت برکاتہم بھی وطن عزیز کی معروف شخصیت ہیں۔ یہ اونچی سطح کے لوگ ہیں آپ رہنے دیجیے ان سے مت کہیے۔ اس بات چیت کے بعد چند ہی دنوں میں کتابوں کی ترسیل ہو گئی۔

سچ یہ ہے کہ مجھے ان کتابوں کے بل کی قطعاً حرص نہ تھی میں تو اس سعادت اور اعزاز پر خوش ہو رہا تھا کہ میری کتابوں کو اللہ نے ساؤتھ افریقہ میں پہنچا دیا اور مقبولیت عطا فرمائی۔ یہ سب میرے اللہ کا کرم ہے۔

قارئین کرام! میں نے "ہر واقعہ بے مثال" جلد اول پر جتنی محنت کی تھی اس سے کہیں زیادہ محنت جلد دوم کے لیے ہوئی ہے۔ اس لئے اس کتاب کے سلسلہ میں آپ اپنی آراء سے ضرور نوازیے۔

مجھے اپنے کریم رب سے پوری اُمید ہے کہ وہ میرے اس انتخاب کو بھی حرفِ لازوال بنا دے گا اور اسے بہترین مستقبل عطا کر کے لوگوں کی اُمیدوں کا مرکز بنا دے

گا۔ بے شک سارے کام اسی کے فضل و کرم سے اپنے کمال کو پہنچتے ہیں۔ پس سارا شکر اور تمام تر حمد اسی ذاتِ کبریا کے لیے ہے۔

الحمد للہ الذی بنعمتہٖ تتم الصالحات

خیر اندیش
ابو طلحہ
مرکزی جامع مسجد بلاک نمبر ۱
جوہر آباد ضلع خوشاب
0300-6077954

جنوری 2015 / ربیع الثانی ۱۴۳۶ ہجری

حضور! اتنی دعا کافی ہے

غزوہ بدر اسلام کی پہلی فتح ہے۔ اس غزوہ میں رسول اللہ ﷺ کے لیے عریش یعنی چادریں تان کر سائبان سا بنا دیا گیا تھا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اسی عریش میں آپ کے ساتھ رہے اور آپ کی حفاظت کا حق خوب ادا کیا۔ رات بھر تلوار ہاتھ میں لے کر عریش کے چاروں طرف نگہبانی کرتے رہے۔ جس صبح کو لڑائی شروع ہونے والی تھی اس کی اخیر شب میں رسول اللہ ﷺ نے نہایت بے قراری کے ساتھ یوں دعا مانگنا شروع کی:

خداوندا! اپنا وعدہ پورا فرما۔ اگر یہ تیرے فرمانبردار بندے اس جگہ شکست پا جائیں گے تو پھر روئے زمین پر تیری عبادت کبھی نہ ہوگی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے اپنے حبیب ﷺ کی یہ بے قراری نہ دیکھی گئی اور بالآخر عریش کے اندر آ کر آپ کی ردائے مبارک کا گوشہ ہاتھ میں لے کر کہنے لگے:

كَفَتْكَ مُنَاشَدَتُكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ!

"یارسول اللہ! بس اتنی دعا کافی ہے۔"

ان کے یہ کہنے پر آپ ﷺ نے سر اُٹھایا تو جبرائیل امین وحی الٰہی لیے ہوئے کھڑے تھے.....

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ (سورۃ القمر ۵۴:۴۵)

یعنی ان کافروں کو عنقریب ہزیمت دی جائے گی اور یہ پیٹھ پھیر کا بھاگیں گے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فراستِ ایمانی تو دیکھو جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر چلے اور ان کے قلب مبارک پر انعکاس ہوگیا اور وہ کہہ اُٹھے بس اتنی دعا کافی ہے اور ان کا کہنا ٹھیک ثابت ہوا۔ (۱)

سیرت ابن ہشام میں ہے: اللہ کے نبی ﷺ اس موقع پر دعا کرتے ہوئے ان

الفاظ میں دعا فرما رہے تھے: "اے اللہ! اگر یہ میری چھوٹی سی جماعت آج مٹ گئی تو روئے زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہیں رہے گا۔" جب آپ کی دعا بہت لمبی ہوگئی تب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: "بس کیجیے حضور! آپ کی دعا کافی ہوگئی۔ اللہ ضرور اپنا وعدہ پورا کرے گا۔ تب آپ نے دعا ختم فرمائی اور فرمایا" ابوبکر! تمہیں بشارت ہو، اللہ کی مدد آ گئی۔ وہ دیکھو جبرائیل اپنے گھوڑے کی باگ ہاتھ میں تھامے آ رہے ہیں۔ ان کے سامنے کے دانتوں پر غبار بھی نظر آ رہا ہے۔ (۲)

---

(۱) سیرت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم، مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ، ص ۳۶، کتب خانہ مجیدیہ ملتان
(۲) سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم لابن ہشام، عبدالملک بن ہشام، ص ۶۲۷، شرکۃ و مکتبۃ حلبی بمصر

عکاشہ تم سے سبقت لے گیا

سیدنا عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں۔ غزوہ بدر میں وہ لڑ رہے تھے کہ ان کے ہاتھ میں جو تلوار تھی وہ ٹوٹ گئی۔ وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک لکڑی عطا فرمائی...... ارشاد ہوا:

قَاتِلْ بِهٰذَا يَا عُكَّاشَةُ!

"اے عکاشہ! تم اس کے ساتھ لڑو۔"

جب انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ لکڑی اپنے ہاتھ میں لی تو لوہے کی مضبوط اور چمک دار لمبی بہترین تلوار بن گئی۔ اس تلوار کے ساتھ وہ میدانِ جہاد میں جا کے خوب لڑے یہاں تک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرما دی۔

اس تلوار کا نام عون تھا۔ وہ انہیں بہت عزیز تھی۔ ہر وقت اسے پاس رکھتے تھے۔

حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ ایک بار رسالت م آب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ نے ارشاد فرمایا "میری اُمت میں سے ستر ہزار ایسے افراد جنت میں داخل ہوں گے جن کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔"

انہوں نے شدتِ طلب میں عرض کیا "آقا! میرے لیے دعا فرمادیں کہ اللہ مجھے ان میں شامل کر دے۔" آپ کی زبان اطہر سے یہ لفظ نکلے اِنَّكَ مِنْهُمْ "بے شک تو بھی ان میں سے ہوگا۔"

اب ایک اور انصاری صحابی کے جی میں آیا کہ میں بھی دعا کرا لوں تو انہوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی:

"اے اللہ کے رسول! میرے لیے دعا فرمائیں۔ اللہ مجھے بھی ان میں شامل کر دے۔"

رسالت م آب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ وَبَرَدَتِ الدَّعْوَةُ

"عکاشہ رضی اللہ عنہ تم سے سبقت لے گیا اور دعا اب پوری ہو چکی۔"

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابن ہشام، ص ۶۳۷، مکتبہ حلمی مصر

بادِ صبا چلتی ہے تو بھائی کی خوشبو لے آتی ہے

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ آپ سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ مکہ مکرمہ میں استقامت کے پیکر بن کے رہے۔ بعد ازاں ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ اور حضرت معٓن بن عدی انصاری رضی اللہ عنہ کے درمیان رشتہ اخوت قائم فرمایا۔

دورِ صدیقی میں جھوٹے مدعی نبوت، مسیلمہ کذاب کے ساتھ جو تاریخی معرکہ یمامہ کے میدان میں ہوا اس روز سپہ سالار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے۔ انصار کا جھنڈا حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں اور مہاجرین کا جھنڈا سیدنا زید بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں تھا۔

نہار بن عنفوہ نام کا ایک شخص جو کہ پہلے تھوڑا عرصہ ایک منافق کے روپ میں مدینہ منورہ رہ چکا تھا۔ پھر آ کر مسیلمہ کذاب کے ساتھ مل گیا اور لوگوں کو یہ کہہ کر گمراہ کرنے لگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (نعوذ باللہ) مسیلمہ کذاب کو اپنی نبوت میں شریک کر لیا تھا۔

یہی شخص جنگ یمامہ میں آ کر مجاہدین ختم نبوت، صحابہ و تابعین وغیرہم کو للکارنے لگا ”کون ہے جو میرے مقابلے میں آئے؟“ کفر کے اس نمائندے کو گرانے کے لیے اسلام کا شیر جو سب سے پہلے میدان میں اترا وہ حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ آپ نے جلد ہی اسے ٹھکانے لگا دیا۔ بلند جذبے کے ساتھ خود بھی لڑتے رہے اور اپنے ساتھیوں کو بھی حوصلہ فراہم کرتے رہے۔ بالآخر اسی میدان میں جام شہادت نوش کر کے اپنے رب سے جا ملے۔

ان کی وفات سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بہت گہرا صدمہ پہنچا۔ آپ اکثر ان کو یاد کیا کرتے تھے۔ ایک روز آپ متمم بن نویرہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے۔ ان کے بھائی کا بھی

انتقال ہو چکا تھا۔ پوچھا تمہیں اپنے بھائی کا کس قدر غم ہے؟ وہ بولے "میں تو اس کے صدمے میں رو رو کر آنکھوں کی بینائی لٹا چکا ہوں۔ آنسو ہیں کہ تھمتے ہی نہیں۔" انہوں نے اپنے بھائی کی یاد میں طویل مرثیہ بھی کہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی غمگین لہجے میں بولے: کاش میں اشعار کہنے پر قادر ہوتا اس پر ایسے مرثیہ خواں ہوتا جیسے تم اپنے بھائی پر ہوئے۔ متمم رضی اللہ عنہ نے آپ کو حوصلہ دلاتے ہوئے کہا "اگر میرا بھائی یوں جام شہادت نوش کرتا تو میں اس کی جدائی میں ایک آنسو بھی نہ بہاتا۔ اس بات سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بہت حوصلہ ہوا لیکن زید جیسا شخص ایسا نہیں تھا کہ اسے بھلایا جا سکے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

إِنَّ الصَّبَا لَتَهُبُّ فَتَأْتِيْنِيْ بِرِيْحِ زَيْدٍ

"بے شک یہ بادِ صبا جب بھی چلتی ہے میرے بھائی زید کی خوشبو اڑا لاتی ہے۔"

(واضح ہو کہ شریعت میں بین اور نوحہ کو پسند نہیں کیا لیکن آنسو بہانے پر کوئی روک ٹوک نہیں۔ اس لیے کہ جب صدمہ پہنچتا ہے اور دل کٹتا ہے تو آنسو روکنا بس میں نہیں رہتا۔)

تاریخ الاسلام للذہبی، تحقیق تدمری، ترجمۃ زید بن الخطاب رضی اللہ عنہ ۳/۶۰ (کل ۵۲ جلد یں)

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی وفات پر خوب صورت تعزیت

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب ہمارے پیارے آقا حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچاؤں میں سے دو نے اسلام قبول کیا تھا۔ ایک سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ جو مکی دور میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کچھ دن پہلے مسلمان ہوئے تھے جن کے ایمان لانے سے ان کی شہادت (غزوہ اُحد) تک مسلمانوں کو ایک خاص قوت اور سہارا حاصل رہا۔

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے وقت ۸ ہجری میں دولتِ اسلام سے ممتاز ہوئے تھے۔ بعض سیرت نگاروں کے بقول پہلے سے اسلام لا چکے تھے اور اپنے اسلام کو مخفی رکھا ہوا تھا۔ اس موقع پر اعلانیہ داخل اسلام ہوئے۔

آپ نہایت خوب صورت اور باوقار شخص تھے۔ عام الفیل سے تین سال قبل پیدا ہوئے۔ بچپن میں گم ہو گئے تھے تو آپ کی والدہ نُتیلہ بنت جناب نے منت مانی کہ بیٹا مل گیا تو میں بیت اللہ کو غلاف پہناؤں گی۔ چنانچہ کچھ روز میں آپ مل گئے۔ تب آپ کی والدہ نے بیت اللہ شریف کو ریشمی غلاف پہنایا۔

جنگِ بدر میں کفار کی جانب سے شامل ہوئے تھے اور گرفتار ہو گئے۔ یہ قیدیوں میں تھے۔ اس رات اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: آقا آپ کیوں بے آرام ہیں؟ فرمایا: چچا عباس رضی اللہ عنہ کے درد سے کراہنے کے باعث۔ ایک صحابی جلدی سے اُٹھے اور جا کر ان کی رسیاں ڈھیلی کر دیں۔ تب اُن کا درد کم ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آرام آیا۔ بعدازاں فدیہ کے ساتھ رہائی پائی اور مکہ مکرمہ چلے گئے۔

فتح مکہ کے بعد سے مدینہ طیبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اچھی زندگی بسر کی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوسرے سال ۸۸ سال کی عمر میں انتقال ہوا اور جنت البقیع میں عزت و تکریم کے ساتھ دفن کیے گئے۔

آپ کی وفات، آپ کے جلیل القدر فرزند، رئیس المفسرین، سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے لیے بہت بڑا صدمہ تھا۔ آپ فرماتے ہیں جب لوگ مجھ سے تعزیت کر رہے تھے اس موقع پر ایک دیہاتی شخص آیا اور اس نے ان الفاظ میں تعزیت کی:

اِصْبِرْ نَكُنْ بِكَ صَابِرِيْنَ فَإِنَّمَا
صَبْرُ الرَّعِيَّةِ بَعْدَ صَبْرِ الرَّأْسِ

"اے ابن عباس رضی اللہ عنہ! آپ صبر کا دامن نہ چھوڑیے ہم بھی آپ کے ہمراہ صبر کریں گے۔ کیونکہ رعایا کا صبر تو سردار کے صبر کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔"

خَيْرٌ مِّنَ الْعَبَّاسِ أَجْرُكَ بَعْدَهُ
وَاللّٰهُ خَيْرٌ مِّنْكَ لِلْعَبَّاسِ

"سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے وصال پر صبر کرنے سے جو اجر آپ کو ملے گا وہ عباس رضی اللہ عنہ سے بہتر ہوگا اور عباس رضی اللہ عنہ کو اللہ مل گیا وہ آپ سے بہتر ہی بہتر ہے۔"

مطلب یہ کہ جب گھر کا بڑا صبر کرتا ہے تو چھوٹے بھی از خود صبر کرتے ہیں۔ اس کے دیکھا دیکھی صبر کی فضا بن جاتی ہے۔ نیز آپ اپنے والد سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت کرتے اور ان کا خیال رکھتے تھے۔ آپ سے کہیں زیادہ مہربان ذات، اللہ رب العالمین کی ہے جس کے ہاں وہ چلے گئے ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو تعزیت کے ان کلمات سے بہت سکون حاصل ہوا۔ آپ فرماتے ہیں کہ تعزیت کرنے والے تو بہت تھے لیکن ان الفاظ میں اور اس خوبصورت انداز میں کسی اور نے تعزیت نہیں کی۔

(سمط النجوم العوالی، عبدالملک بن حسین الملکی، ۱/۳۱۶، دار الکتب العلمیہ بیروت/ احیاء علوم الدین، ابو حامد محمد الغزالی، ۴/۱۳۱، کتاب الصبر والشکر، دار المعرفۃ بیروت)

انبیاء ہی اس درخت کے سائے میں ٹھہرتے ہیں

رسول اللہ ﷺ جب پچیس سال کے ہوئے مکہ میں اس وقت آپ امین کے نام سے جانے جاتے تھے۔ یہ نام اس لیے مشہور تھا کہ نیک عادتیں آپ کی ذات میں حدِ کمال کو پہنچی ہوئی تھیں۔ ایک روز آپ سے حضرت ابوطالب نے گزارش کی:

اے میرے بھتیجے! میں ایسا شخص ہوں کہ میرے پاس مال و زر نہیں۔ زمانہ ہم پر شدت اور سخت گیری کر رہا ہے۔ پے در پے کئی مہنگے سے گزرتے چلے آ رہے ہیں اور حالت یہ ہے کہ نہ ہمارے پاس مال و دولت ہے اور نہ سامان تجارت۔ یہ تیری قوم کا قافلہ ہے کہ ملک شام میں اس کے سفر کا وقت آ گیا ہے اور خدیجہ بنت خویلد تیری قوم کے لوگوں کو اپنے ساتھ بھیجتی ہے۔ اگر تو بھی اپنے آپ کو پیش کرے تو بہتر ہے۔

خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یہ خبر ملی تو آنحضرت ﷺ کو پیغام بھیجا۔ جو اُجرت اوروں کو دیتی تھیں آپ کے لیے اس سے زیادہ معاوضہ قرار دیا۔ آنحضرت ﷺ اس قرارداد کے مطابق سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام میسرہ کے ساتھ چلے۔ شام کے شہر بصریٰ میں پہنچے اور وہاں کے بازار میں ایک درخت کے نیچے ٹھہرے۔ ایک راہب جس کا نام نسطورا تھا یہ مقام اس کی عبادت گاہ کے قریب ہی واقع تھا۔ میسرہ کو یہ راہب پہلے سے جانتا تھا اس کے پاس آ کے پوچھا:

''اے میسرہ اس درخت کے نیچے کون ٹھہرا ہے؟''

میسرہ نے کہا ''ایک قریشی جو حرم کعبہ والوں میں سے ہے۔''

راہب نے کہا ''اس درخت کے نیچے آج تک سوائے پیغمبر کے کوئی نہیں ٹھہرا۔''

یہ کہہ کے میسرہ سے پوچھنے لگا: ''کیا ان کی دونوں آنکھوں میں سرخی ہے؟''

میسرہ نے جواب دیا ''ہاں اور یہ سرخی کبھی ان سے جدا نہیں ہوئی۔''

راہب نے کہا ''تب وہی آخری پیغمبر ہے۔ اے کاش میں وہ زمانہ پاتا جب ان کے ظہور کا وقت آتا۔''

اسی سفر میں یہ بات پیش آئی کہ رسول اللہ ﷺ جو مال لے کے مکہ مکرمہ سے چلے تھے وہ بصریٰ کے بازار میں فروخت کر کے وہاں سے نیا مال خریدنے لگے۔ اس دوران ایک شخص کے ساتھ کسی چیز میں بھاؤ طے ہو رہا تھا کہ اس نے کہا "لات وعزیٰ کی قسم کھاؤ"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میں نے کبھی ان کی قسم نہیں کھائی۔ میں پاس سے گزرتا ہوں تو ان کی جانب سے منہ پھیر لیتا ہوں۔"

میسرہ کو راہب نے تنہائی میں کہا "خدا کی قسم یہ پیغمبر ہے اور جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس کی قسم! کہ یہ وہی ہے۔ جس کی صفت ہمارے علماء اپنی کتابوں میں پاتے ہیں۔"

یہ سب باتیں میسرہ نے ذہن نشین کر لیں۔ آخرکار تمام قافلے والے واپس چلے۔ میسرہ کی نگاہ (سفر کے دوران) رسول اللہ ﷺ پر تھی۔ جب دوپہر ہوتی اور گرمی پڑتی تو دیکھتا کہ آنحضرت تو اونٹ پر سوار ہیں اور دو فرشتے آپ پر سایہ کیے ہوئے ہیں۔ راویوں کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میسرہ کے دل میں آنحضرت ﷺ کی ایسی محبت ڈال دی کہ وہ آپ کا گویا غلام بن گیا۔

واپسی میں جب مقام مرالظہران پہنچے تو آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

"آپ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس جائیے اور مجھ سے پہلے پہنچ جائیے۔ آپ کے باعث مال میں اللہ تعالیٰ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جو نفع پہنچایا ہے اس سے مطلع فرمائیے۔"

رسول اللہ ﷺ آگے چلے یہاں تک کہ ظہر کے وقت مکہ پہنچے۔ ادھر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنے بالاخانہ میں چند عورتوں کے ساتھ بیٹھی تھیں۔ جن میں ایک نفیسہ بنت منیہ بھی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کو آتے دیکھا کہ آپ اپنے اونٹ پر سوار ہیں اور دو فرشتہ سایہ کر رہے ہیں۔ ان عورتوں کو یہ حالت دکھائی دی تو نہایت تعجب ہوا۔ پھر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور مال میں جو نفع ہوا تھا اس کا حال بیان کیا۔ آپ اس بات سے بہت خوش ہوئیں۔

طبقات ابن سعد، حصہ اول ۱۶۵، دارالاشاعت کراچی

ختمِ نبوت کے پہلے مجاہد
جنہیں آگ میں ڈالا گیا

حضرت ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ جن کا اسم گرامی عبد اللہ بن ثوب ہے اور یہ اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے وہ جلیل القدر بزرگ ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے آگ کو بے اثر فرما دیا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے آتش نمرود کو گلزار بنا دیا تھا۔ یہ یمن میں پیدا ہوئے تھے اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اسلام لا چکے تھے لیکن سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کا موقع نہیں ملا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے آخری دور میں یمن میں نبوت کا جھوٹا دعوے دار اسود عنسی پیدا ہوا، جو لوگوں کو اپنی جھوٹی نبوت پر ایمان لانے کے لیے مجبور کیا کرتا تھا۔

اس ظالم نے حضرت ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیج کر اپنے پاس بلایا اور اپنی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ حضرت ابو مسلم رضی اللہ عنہ نے انکار کیا۔

اس نے پوچھا: ''کیا تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان رکھتے ہو؟''

حضرت ابو مسلم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ہاں''

اس پر اسود عنسی نے ایک خوفناک آگ دہکائی اور حضرت ابو مسلم رضی اللہ عنہ کو اس آگ میں ڈال دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آگ کو گلزار بنا دیا اور وہ اس سے صحیح سلامت نکل آئے۔ یہ واقعہ اتنا عجیب تھا کہ اسود عنسی اور اس کے رفقاء پر ہیبت طاری ہو گئی اور اسود کے ساتھیوں نے اسے مشورہ دیا کہ اِن کو جلا وطن کر دو ورنہ خطرہ ہے کہ ان کی وجہ سے تمہارے پیروکاروں کے ایمان میں تزلزل نہ آ جائے۔ چنانچہ انہیں یمن سے جلا وطن کر دیا گیا۔

یمن سے نکل کر اب ان کے لئے ایک ہی جائے پناہ تھی یعنی مدینہ منورہ۔ چنانچہ یہ

سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے چلے لیکن جب مدینہ منورہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ آفتاب رسالت ﷺ روپوش ہو چکا ہے یعنی آنحضرت ﷺ وصال فرما چکے ہیں اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ کے خلیفہ بن چکے تھے۔ انہوں نے اپنی اونٹنی مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے دروازے کے پاس بٹھائی اور اندر آ کر ایک ستون کے پیچھے نماز پڑھنی شروع کر دی۔ وہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ انہوں نے ایک اجنبی مسافر کو یوں نماز پڑھتے دیکھا تو ان کے پاس آ کر بیٹھ گئے اور جب وہ نماز سے فارغ ہو گئے تو ان سے پوچھا: ''آپ کہاں سے آئے ہیں؟''

''یمن سے!'' حضرت ابومسلم رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً پوچھا ''اللہ کے دشمن (اسود عنسی) نے ہمارے ایک دوست کو آگ میں ڈالا تھا اور آگ نے ان پر کوئی اثر نہیں کیا۔ بعد میں ان صاحب کے ساتھ اسود نے کیا معاملہ کیا؟''

حضرت ابومسلم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ہاں ان کا نام عبداللہ بن ثوب ہے۔''

اتنی دیر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فراست اپنا کام کر چکی تھی...... فرمایا:

''میں آپ کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا آپ ہی وہ صاحب ہیں؟''

حضرت ابومسلم خولانی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ''جی ہاں!''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرطِ مسرت سے ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور انہیں لے کر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے۔ انہیں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور اپنے درمیان بٹھا کر فرمایا ''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے موت سے پہلے اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اس شخص کی زیارت کرا دی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جیسا معاملہ فرمایا۔''

حلیۃ الاولیاء لابی نعیم رحمۃ اللہ علیہ ج ۲ ص ۱۲۹ / تہذیب تاریخ ابن عساکر ج ۷ ص ۳۱۵

پہلے شہید ختم نبوت

ایک جلیل القدر صحابی حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کو جھوٹے مدعی نبوت، مسیلمہ کذاب کے لوگ پکڑ کر لے گئے۔ مسیلمہ کذاب نے حضرت حبیب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ''کیا آپ حضرت محمد ﷺ کو اللہ کا رسول مانتے ہیں؟'' جواب دیا ''ہاں مانتا ہوں!'' مسیلمہ نے دوسرا سوال کیا کہ ''کیا تم مجھے رسول مانتے ہو؟'' جواب میں اس صحابیٔ رسول نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ فِی اُذُنَیَّ صَمًّا عَنْ سَمَاعِ مَا تَقُوْلُ

''میرے کان تیری اس بات (یعنی دعویٔ نبوت) کو سننے سے بہری ہیں۔''

مسیلمہ نے اس صحابیٔ رسول کا ایک بازو کاٹنے کا حکم دیا۔ بازو کٹ گیا۔ مسیلمہ نے اپنا سوال دہرایا مگر جواب وہی ملا۔ پھر دوسرا ہاتھ کاٹا گیا۔ وہ ظالم ایک ایک عضو کاٹتا رہا اور پوچھتا رہا۔ مگر ہر سوال پر جواب حسب سابق ہی تھا۔ حتیٰ کہ حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے انہیں شہید کر دیا گیا مگر ختم نبوت کے اس سب سے پہلے شہید نے جناب رسالت مآب ﷺ کی رسالت کے بعد کسی اور کے لیے رسالت و نبوت کا جملہ سننے کے لیے اپنے کانوں کو آمادہ نہیں پایا۔

تذکرہ مجاہدین ختم نبوت، مولانا اللہ وسایا دامت برکاتہم، ص ۳۱

جو سید ہو اُسے آگ نہیں جلاتی!

میں چونکا اور افتخار شاہ صاحب سے پوچھا آپ سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کچھ جانتے ہیں تو انہوں نے کہا ہاں۔ میں نے شاہ صاحب سے کہا ان کا کوئی واقعہ اگر آپ کے ذہن میں ہو تو بتائیں۔ انہوں نے کہا ایک مرتبہ شاہ جی ریاست پٹیالہ میں تقریر کرنے آئے۔ اس وقت میری عمر تقریباً ۱۸ برس تھی۔ میں شاہ جی کی تقریر بڑے شوق سے سنتا تھا۔ مجھے اگر معلوم ہو جاتا کہ شاہ جی کی تقریر فلاں جگہ ہے تو میں وہاں ضرور جاتا، چاہے مجھے پیدل ہی کیوں نہ جانا پڑے۔ میں نے شاہ جی کے جلسے میں شرکت کے لیے بیس بیس میل پیدل سفر کیا ہے۔

ایک بار ریاست پٹیالہ میں آپ کی تقریر شروع ہوئی۔ جلسہ میں ہندوؤں اور سکھوں کی بھی کثرت تھی۔ مجمع میں ایک سردار بل بیر سنگھ ایس پی سپرنٹنڈنٹ جو کہ باوردی تھے شرکت کے لیے آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے سوچا کہ چلیں ہم بھی دیکھتے ہیں کہ شاہ جی کون ہیں ایسے ہی لوگ شاہ جی، شاہ جی کہتے ہیں۔ آج بھرے مجمع میں ایسا سوال کروں گا کہ لوگ شاہ جی کہنا بھول جائیں گے۔ سو اس نے ویسا ہی کیا اور اسٹیج پر چڑھ کر شاہ صاحب سے سوال کیا شاہ جی میں نے سنا ہے کہ آپ سید ہیں؟ شاہ صاحب نے فرمایا: بھائی میں تو سیدوں کی جوتیاں سیدھی کرنے والا ہوں۔ ایس پی سپرنٹنڈنٹ سردار بل بیر سنگھ نے کہا کہ شاہ جی میں نے سنا ہے کہ جو سید ہو اُسے آگ نہیں جلاتی تو مجمع میں شور برپا ہو گیا۔ قاضی احسان احمد رحمۃ اللہ علیہ بھی شاہ صاحب کے ہمراہ تھے۔ انہوں نے سردار بل بیر سنگھ سے کہا کہ مجمع میں کرامت دکھانے کی اجازت نہیں ہے۔ شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا احسان احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ مولانا! آپ خاموش رہیں اگر یہ سوال کوئی مسلمان کرتا تو اور بات تھی۔ یہ ایک غیر مسلم نے سوال کیا ہے اور کیا بھی مجھ سے ہے۔ اس کا جواب میں ہی دوں

گا۔ چنانچہ شاہ صاحب نے سردار بل بیر سنگھ سپر نٹنڈنٹ کے آگے اپنے دونوں ہاتھ کر دیے۔اس نے اپنے ایک محافظ سے کہا کہ آگ لے کر آؤ۔وہ آگ لے کر آیا اس نے آگ کے دہکتے انگارے شاہ صاحب کے ہاتھ پر رکھ دیے۔شاہ صاحب انگارے دونوں ہاتھوں میں لیے کھڑے رہے۔سارا مجمع حیران رہ گیا اور آپ نے اس وقت تک ہاتھ نہیں جھاڑے جب تک سردار بل بیر سنگھ نے نہیں کہا۔تقریباً پانچ منٹ بعد سردار بل بیر سنگھ نے کہا کہ اب انگارے پھینک دیں اور مجھے اپنے ہاتھ دکھائیں۔شاہ صاحب نے دونوں ہاتھ سردار بل بیر سنگھ کے سامنے کر دیے۔وہ ہاتھوں کو چوم کر شاہ صاحب کے گلے لگ گیا اور کہا کہ شاہ جی میرے سینے میں بھی آگ لگی ہوئی ہے۔خدا کے لیے اسے بھی ٹھنڈا کر دیں اور مجھے کلمہ پڑھا دیں۔شاہ صاحب نے اسی وقت اس کو کلمہ پڑھایا اور سردار بل بیر سنگھ سپر نٹنڈنٹ اسی وقت مسلمان ہو گیا۔

ہفت روزہ ''ختم نبوت'' کراچی، جلد ۵، شمارہ ۳۸، از قلم: رانا محمد انور

ایک لقمہ خود کھایا ایک کتے کو کھلایا

حضرت نعیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھ سے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں جب نواسۂ رسول، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو دیکھتا ہوں تو آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں۔ اس لیے کہ میں نے بچشمِ خود دیکھا ہے کہ ایک روز آپ دوڑتے ہوئے آئے اور آ کر اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں بیٹھ گئے (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے اپنی ڈاڑھی پکڑ کر دکھایا کہ) اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک ہاتھ سے پکڑنے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دہن مبارک کھول کر ان کے منہ میں لعاب ڈالنے لگے اور فرماتے جارہے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّهٗ فَاَحِبَّهٗ

"اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت فرما۔"

یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمائی۔

ابن عساکر نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ ایک بار مدینہ منورہ کے کسی (چہار دیواری سے گھرے ہوئے) باغ کی طرف سے گزر رہے تھے کہ ایک نوعمر حبشی غلام کو بیٹھے دیکھا اس کے ہاتھ میں ایک روٹی تھی اور اس کے سامنے کتا بیٹھا تھا۔ وہ لڑکا ایک لقمہ خود کھاتا اور ایک لقمہ کتے کو کھلاتا۔ اس طرح پوری روٹی تقسیم کر کے آدھی اس کو کھلا دی۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے پوچھا تم نے اپنی روٹی میں کتے کو شریک کیوں بنالیا؟ کہنے لگا میری آنکھیں اس کی (یعنی کتے کی) آنکھیں دیکھ کر شرم محسوس کرتی تھیں کہ میں زیادہ کھا جاؤں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے پوچھا تم کس کے غلام ہو؟ کہا میں آبان بن عثمان رضی اللہ عنہ کا غلام ہوں۔ پوچھا: یہ احاطہ کس کا ہے؟ کہا ابان کا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تم کو قسم دیتا

ہوں کہ جب تک واپس نہ آ جاؤں تم یہیں بیٹھے رہنا۔ چنانچہ آپ گئے اور اس غلام کو خرید لیا اور احاطہ بھی خرید لیا اور غلام کے پاس آ کر فرمایا میں نے تم کو خرید لیا۔ اس نے اٹھ کر کہا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بعد میں آپ کے احکام سننے والا اور فرمانبردار ہوں۔ پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا اب تو میری طرف سے آزاد ہے اور یہ احاطہ میں نے تجھے ہبہ کر دیا۔

ریحان عترت، سید نفیس الحسینی رحمۃ اللہ علیہ، ص ۱۲

عداس کی خوش نصیبی چمک اُٹھی

حضور ﷺ آ کر انگوروں کی بیل کی ایک چھتری کے سائے میں بیٹھ گئے اس وقت ربیعہ کے دو بیٹے حضور ﷺ کی طرف دیکھ رہے تھے اور یہ بھی دیکھ رہے تھے جو کچھ طائف کے آوارہ لڑکوں نے آپ کے ساتھ سلوک کیا تھا۔ حضور ﷺ کی جب سانس بحال ہوگئی تو آپ نے بڑی رقت آمیز دعا مانگی اور تھوڑی سانس لینے کے لیے وہاں بیٹھ گئے۔

جب ربیعہ کے دو بیٹوں اور شیبہ نے یہ تکلیف دیکھی جو حضور ﷺ کو پہنچی تھی تو انہوں نے اپنے ایک عیسائی غلام کو بلایا جس کا نام عداس تھا۔ اس سے کہا تم انگور کا ایک خوشہ اس تھالی میں رکھ کر ان کے پاس لے جاؤ۔ اس نے انگور کا ایک خوشہ لا کر رسول اللہ ﷺ کے آگے رکھ دیا۔ حضور ﷺ نے جب اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا تو ''بسم اللہ'' پڑھ کر آپ نے کھایا۔ عداس غلام آپ کے منہ کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر کہنے لگا کہ اللہ کی قسم یہ کلام اس شہر والے نہیں پڑھتے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ تم کس شہر کے رہنے والے ہو؟ اور تمہارا دین کیا ہے؟ اس نے بتایا کہ میں نصرانی ہوں اور نینوی کا رہنے والا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اچھا ایک نیک شخص حضرت یونس بن متی کی بستی کے ہو؟ وہ تو میرے بھائی تھے۔ وہ نبی تھے اور میں بھی اللہ کا نبی ہوں۔ اس کے بعد عداس تو گویا حضور ﷺ کے اوپر گر پڑا اور آپ ﷺ کے سر مبارک، ہاتھوں اور پیروں کو بوسے دینے لگا۔

ربیعہ کے بیٹے ایک دوسرے سے کہنے لگے ''لو اس نے تیرے غلام کو بھی خراب کر دیا ہے۔'' عداس جب اپنے ان مالکوں کے پاس واپس آیا تو انہوں نے اس سے پوچھا اے عداس تجھے کیا ہوگیا کہ تو ان کے ہاتھ پاؤں چومنے لگا۔ اس غلام نے جواب دیا اے میرے سردار! روئے زمین پر ان سے بہتر کوئی شخص نہیں ہے۔ انہوں نے مجھے ایک ایسے معاملے کی خبر دی ہے جسے سوائے نبی کے کوئی نہیں جانتا۔

دلائل النبوۃ مترجم اردو، ۱/۷۷، دارالاشاعت کراچی

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی

حضرت خواجہ صاحب سے عقیدت

جب حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ (۱۸۸۵-۱۹۴۹ء) کی تفسیر عثمانی، (حاشیہ قرآن مجید بر ترجمہ شیخ الہند حضرت محمود الحسن قدس سرہ (م ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۰ء)) مدینہ پریس بجنور (ہندوستان) سے طبع ہو کر قارئین کے ہاتھوں میں آئی تو قیوم زماں، حضرت مولانا ابو السعد احمد خان قدس سرہ نے بھی اس کا مطالعہ فرمایا۔ آپ نے بعد از مطالعہ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ کی خدمت میں ایک مکتوب گرامی تحریر فرمایا جس میں لکھا:

''آپ نے یہ تفسیر لکھ کر اہلِ اسلام پر ایک احسانِ عظیم فرمایا ہے۔ میں تہجد کی نماز پڑھ کر روزانہ آپ کی درازئ عمر کی دعا کرتا ہوں کہ یہ علمی فیضان آپ کی ذات سے برابر جاری رہے۔''

قیوم زماں، حضرت مولانا ابو السعد احمد خان قدس سرہ کے وصال مبارک (۱۳۶۰ھ) کے بعد نائب قیوم زماں، حضرت مولانا محمد عبداللہ لدھیانوی قدس سرہ (م ۱۳۷۵ھ) مخدوم زماں، خواجہ خواجگان سیدنا و مرشدنا حضرت مولانا ابو الخلیل خان محمد رحمۃ اللہ علیہ، حضرت جان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (باگڑ والے) اور ڈاکٹر محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ، دیوبند تشریف لے گئے تو حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے جو اُن دنوں صاحب فراش تھے۔ انہوں نے کمالِ محبت سے مذکورہ بالا چاروں معزز مہمانوں کو اپنے دولت خانہ کے اندر بلوایا اور آغازِ کلام یوں فرمایا:

''میرے خصوصی معالج مجھے زیادہ گفتگو سے منع کرتے ہیں لیکن میری لطافت اور فکری صلاحیتیں حالتِ مرض میں عام لوگوں کے برعکس زیادہ ابھرتی ہیں اور جلا پاتی ہیں''

آپ نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا "بعض لوگ ظاہری علوم پڑھتے ہیں اور کسی شیخ طریقت کی صحبت سے مستفید نہیں ہوتے جس کے باعث وہ خشک مُلا رہ جاتے ہیں۔ امورِ شرعیہ میں ایسے لوگوں کی تائید و توثیق کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ کچھ لوگ علم سے بے بہرہ ہوتے ہیں ان کی تائید و تصدیق بھی درخورِ اعتنا نہیں۔"

پھر آپ نے نائب قیوم زماں حضرت مولانا محمد عبداللہ لدھیانوی قدس سرہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"آپ کے شیخ راسخ فی العلم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں علوم شرعیہ سے کما حقہ نوازا تھا اور انہوں نے شیخ کامل کی صحبت میں تمام منازلِ عرفاں کو بھی طے کیا تھا۔ میری تفسیر کے مطالعہ کے بعد جو گرامی نامہ انہوں نے مجھے لکھا ہے اسے میں نے حرزِ جاں سمجھ کر محفوظ کر رکھا ہے اور اپنے اعزہ و اقارب کو وصیت کی ہے کہ میری وفات کے بعد اسے میری قبر میں رکھ دیا جائے تاکہ میرے لیے نجاتِ اُخروی کا وسیلہ بن سکے۔"

تذکرہ و تاریخ خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ، کندیاں، محمد نذیر رانجھا، ص ۱۸۷، ۱۸۸

دورِ نبوی کا ایک عجیب واقعہ

سامان کی فہرست نے راز فاش کر دیا

ایک عجیب واقعہ جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں پیش آیا کہ تیم بن اوس داری اور عدی بن بداء جو اُس وقت دونوں نصرانی تھے بغرض تجارت مدینہ سے شام گئے اور ان کے ساتھ بُدَیل مولیٰ عمرو بن العاص بھی تھے جو مسلمان تھے۔ بدیل وہاں جا کر بیمار ہو گئے اس لیے انہوں نے اسی بیماری کی حالت میں اپنے کل مال کی جو ان کے پاس تھا ایک فہرست لکھی اور اس کو اپنے مال واسباب میں رکھ دیا اور اپنے دونوں نصرانی ساتھیوں سے اُس کا ذکر نہ کیا۔ جب اُن کا مرض سخت ہو گیا اور مرنے لگے تو انہوں نے اپنا مال تیم اور عدی کے سپرد کیا اور یہ وصیت کی کہ جب تم مدینہ واپس جاؤ تو میرا یہ سامان میرے وارثوں کو پہنچا دینا۔ پھر بدیل کا انتقال ہو گیا اور وہیں دفن ہو گئے۔

بعد ازاں وہ دونوں نصرانی اپنے کام سے فارغ ہو کر مدینہ واپس آ گئے۔ اس مال میں ایک چاندی کا پیالہ بھی تھا جس پر سونے کا خول چڑھا ہوا تھا اور اس میں تین سو مثقال چاندی تھی۔ ان نصرانیوں نے وہ پیالہ تو مال میں سے غائب کر لیا اور باقی سب مال بدیل کے وارثوں کو لا کر دے دیا۔ وارثوں نے جب اس مال کی دیکھ بھال کی تو اس میں سے ایک فہرست برآمد ہوئی جس میں ہر چیز کی تفصیل تھی۔ جب اس فہرست کے مطابق انہوں نے مال کی جانچ پڑتال کی تو اس میں سے ان کو وہ چاندی کا پیالہ نہ ملا۔ وہ لوگ تیم اور عدی کے پاس گئے اور ان سے پوچھا کہ کیا بدیل نے بیماری کی حالت میں اپنا کچھ مال فروخت کر دیا تھا۔ انہوں نے کہا نہیں۔ وارثوں نے کہا کہ ہم کو اس سامان میں ایک فہرست ملی ہے جس میں اس کے سب مال واسباب کی تفصیل ہے۔ اس فہرست کے مطابق ہم کو ایک چاندی کا پیالہ نہیں ملتا جس پر سونے کا خول چڑھا ہوا تھا اور اس میں تین سو مثقال چاندی تھی۔ انہوں نے کہا کہ ہم کو کچھ معلوم نہیں۔ جو چیز اس نے ہمارے سپرد کی تھی وہ ہم نے تمہارے سپرد کر دی۔

وارثوں نے یہ معاملہ آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش کیا۔ مگر وہ دونوں اپنے انکار پر قائم رہے۔ چونکہ مدعی فریق یعنی ورثاء میت کے پاس خیانت کے کوئی گواہ نہ تھے اس لیے طے یہ پایا کہ تمیم اور عدی قسم اٹھائیں کہ ہم نے اس مال میں کوئی خیانت نہیں کی۔ کیونکہ وہ دونوں نصرانی اس مقدمہ میں مدعیٰ علیہ تھے اس لیے ان سے قسمیں لی گئیں انہوں نے جھوٹی قسمیں کھالیں اور قصہ ختم ہوگیا۔

کچھ دنوں بعد کہیں سے وہ پیالہ پکڑا گیا جس کے پاس پیالہ ملا اس سے دریافت کیا گیا کہ تیرے پاس یہ پیالہ کہاں سے آیا۔ اس نے کہا کہ یہ پیالہ میں نے تمیم اور عدی سے خریدا ہے۔ اب دوبارہ یہ مقدمہ آنحضرت ﷺ کی بارگاہ میں پیش ہوا۔ اس وقت یہ دونوں نصرانی خریداری کے مدعی بن گئے اور یہ کہنے لگے کہ ہم نے یہ پیالہ اس کے مالک سے یعنی اس میت سے خرید لیا تھا لیکن چونکہ اس کے پاس خریداری کے گواہ نہ تھے اور ورثاء خریداری کے منکر تھے اس لیے اب آپ نے ان کی بجائے وارثوں سے قسمیں لیں۔ اس پر بدیل کے دو قریبی وارث کھڑے ہوئے اور عصر کے بعد انہوں نے یہ قسم کھائی کہ وہ دونوں شخص جھوٹے اور خائن ہیں اور ہماری شہادت ان کی شہادت سے زیادہ معتبر ہے۔ تب اس پیالہ کی وہ قیمت جس پر انہوں نے وہ فروخت کیا تھا (یعنی ایک ہزار درہم) لے کر وارثوں کو دلائی گئی اور قصہ ختم ہوگیا۔

اس واقعہ کے بعد جب سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے تو کہا کرتے تھے کہ بے شک اللہ اور اس کا رسول سچا ہے۔ میں نے پیالہ لیا تھا اب میں اپنے اس گناہ سے توبہ کرتا ہوں اور اللہ سے معافی مانگتا ہوں۔

اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: اے مسلمانو! تمہارے درمیان اس وقت کی گواہی جب کہ تم میں سے کسی کو موت آ پہنچے یعنی وصیت کا وقت آ پہنچے اور مال ورثاء کے سپرد کرنے کی ضرورت ہو تو گواہی کا نصاب ایسے دو شخص ہیں جو ثقہ اور معتبر ہوں اور تم میں سے ہوں یعنی مسلمان ہوں۔

تفسیر معارف القرآن، مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ۲/ ۵۹۸، سورہ مائدہ آیت ۱۰۸-۱۰۶، مکتبۃ المعارف شہداد پور، سندھ

ایک بدوی کے سامنے اسلام کا تعارف

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم کو ممانعت کر دی گئی تھی کہ رسول اللہ ﷺ سے (بلا خاص ضرورت کے) کچھ پوچھیں۔ اس وقت ہمیں اس بات سے خوشی ہوتی تھی کہ کوئی سمجھ دار بدوی حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ سے کچھ پوچھے اور ہم سنیں۔

انہی دنوں ایک بدوی خدمتِ نبوی میں حاضر ہوا اور عرض کی: اے محمد ﷺ! آپ کا قاصد ہمارے پاس پہنچا تھا۔ اس نے ہم سے بیان کیا کہ آپ کا کہنا ہے اللہ نے آپ کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے؟

حضور ﷺ نے فرمایا: اس نے تم سے ٹھیک کہا۔

اس کے بعد اس بدوی نے کہا: آپ بتلائیے کہ آسمان کس نے بنایا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے

اس نے کہا: زمین کس نے بنائی؟

آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے

اس نے کہا: زمین پر یہ پہاڑ کس نے کھڑے کیے ہیں اور ان پہاڑوں میں اور جو کچھ بنا ہے وہ کس نے بنایا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے۔

اس کے بعد سائل نے آپ ﷺ سے پوچھا: بس قسم ہے اس ذات کی جس نے آسمان بنایا، زمین بنائی اور اس پر پہاڑ نصب کیے، کیا اللہ ہی نے آپ کو بھیجا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک مجھے اللہ ہی نے بھیجا ہے۔

پھر اس نے کہا: آپ کے اس قاصد نے ہم سے یہ بھی بیان کیا کہ ہم پر دن رات

میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اس نے تم سے ٹھیک کہا۔

اُس نے کہا قسم ہے آپ کے بھیجنے والے کی۔ کیا اللہ نے ہی آپ کو ان نمازوں کا حکم کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! یہ اللہ ہی کا حکم ہے۔

پھر بدوی نے کہا: آپ کے قاصد نے بیان کیا ہے کہ ہمارے مالوں میں زکوٰۃ بھی مقرر کی گئی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ بھی اُس نے تم سے سچ کہا۔ اعرابی نے کہا: تو قسم ہے آپ کے بھیجنے والے کی...... کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! یہ بھی اللہ ہی کا حکم ہے۔

پھر اس اعرابی نے کہا کہ: آپ کے قاصد نے بیان کیا تھا کہ سال میں ماہِ رمضان کے روزے بھی ہم پر فرض ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ بھی اس نے سچ کہا۔ اعرابی نے عرض کیا: تو قسم ہے آپ کے بھیجنے والے کی۔ کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! یہ بھی اللہ ہی کا حکم ہے۔

اس کے بعد اعرابی نے کہا: آپ کے قاصد نے ہم سے یہ بھی بیان کیا کہ ہم میں سے جو حج کے لیے مکہ پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو اُس پر بیت اللہ کا حج فرض ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ بھی اس نے سچ کہا۔

(راوی کا بیان ہے کہ) یہ سوال و جواب ختم کر کے وہ اعرابی چل دیا اور کہا ''اس ذات کی قسم! جس نے آپ (ﷺ) کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ میں ان میں نہ کوئی زیادتی کروں گا اور نہ کوئی کمی۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اگر یہ اپنی بات میں سچا ہے تو ضرور جنت میں جائے گا۔''

معارف الحدیث، ج ۱، ص ۸۵-۸۴، دارالاشاعت کراچی

اُردن میں وہ درخت جہاں حضور ﷺ ٹھہرے تھے

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت فیوضہم فرماتے ہیں:

میں اُردن کے دو سفروں کی روداد اپنے سفر نامے ''اُحد سے قادسیہ تک'' میں لکھ چکا ہوں جو 'جہانِ دیدہ'' میں شائع ہوا ہے۔ اس کے بعد بھی بار بار وہاں جانا ہوتا رہا ہے لیکن شوال ۱۴۳۱ھ میں میرا اُردن کا جو سفر ہوا اس میں دو معلومات نئی حاصل ہوئیں۔ وہ اس تحریر کے ذریعے مختصراً قارئین کی نذر کرنا چاہتا ہوں۔

حکومتِ اُردن کی سرپرستی میں ایک ادارہ قائم ہے جس کے سربراہ شہزادہ غازی بن محمد (ملک عبداللہ، شاہِ اردن کے عم زاد اور مشیر خاص) بڑے علمی ذوق کے حامل ہیں اور میری عربی اور انگریزی تالیفات کے واسطے سے مجھ سے غائبانہ متعارف ہی نہیں ہیں بلکہ بڑی محبت رکھتے ہیں اور ان سے خط وکتابت کا رشتہ بھی قائم ہے۔ مختلف موضوعات پر گفتگو کے دوران انہوں نے بتایا کہ اردن میں وہ جگہ دریافت ہوئی ہے جہاں حضور نبی کریم ﷺ اپنی نوعمری کے زمانے میں اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ تشریف لائے تھے اور وہاں بحیرا راہب سے آپ کی ملاقات ہوئی تھی۔ وہاں وہ درخت ابھی تک موجود ہے جس کے سائے میں آپ ﷺ نے قیام فرمایا تھا اور اگر آپ میرے ساتھ وہاں جانا چاہئیں تو میں آپ کو وہاں لے جاؤں؟

میرے لیے یہ بڑی سعادت کی بات تھی۔ میں نے بڑے اشتیاق کے ساتھ یہ دعوت قبول کرلی۔ چنانچہ کانفرنس ختم ہوتے ہی شہزادہ غازی ہمیں ایک فوجی ایئرپورٹ لے گئے۔ وہاں ایک بڑا ہیلی کاپٹر تیار تھا جس میں قریباً دس آدمیوں کے بیٹھنے کا انتظام تھا۔ شہزادہ کے ساتھ ان کے گھر کے کچھ بچے بھی تھے اور میرے علاوہ نئے شیخ الازہر،

احمد الطیب، مصر کے مفتی علی جمعہ اور شہزادے کے ذاتی محافظین بھی ہیلی کاپٹر میں سوار ہوئے۔ ہیلی کاپٹر عمان سے شمال مشرق کی طرف سفر کرتا ہوا تقریباً پچاس منٹ میں منزل مقصود تک پہنچا۔ یہ پورا راستہ لق و دق صحرا پر مشتمل تھا جس میں کہیں کہیں چھوٹے چھوٹے خشک ٹیلے اور زمین سے چپکی ہوئی چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں ضرور دکھائی دے جاتی تھیں اور وہ بھی گرمی سے جھلسی ہوئی۔

پچاس منٹ کے سفر کے بعد ہیلی کاپٹر اسی صحرا میں اُترا تو اُفق سے اُفق تک پھیلے ہوئے ریگستان کے عین درمیان، ایک ہرا بھرا درخت نظر آیا جو اس لق و دق صحرا میں نمایاں دکھائی دے رہا تھا۔ یہی وہ درخت تھا جس کے بارے میں یہ اندازہ کیا جا رہا ہے کہ اس کے سائے میں آنحضرت ﷺ تشریف فرما ہوئے تھے۔

پہلے اس واقعے کا خلاصہ عرض کر دینا مناسب ہے جو حدیث اور سیرت کی مختلف کتابوں میں مختلف طریقے سے بیان ہوا ہے۔ جامع ترمذی میں مضبوط سند کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ کائنات ﷺ کے اعلانِ نبوت سے پہلے آپ کے چچا ابوطالب قریش کے کچھ بزرگوں کے ساتھ شام کے سفر پر روانہ ہوئے اور حضور ﷺ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ (محمد بن اسحاق رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے خود ہی ان کے ساتھ جانے کی خواہش ظاہر فرمائی تھی۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے السیرۃ النبویہ ج ا ص ۱۴۰ میں اس وقت آپ کی عمر بارہ سال بتائی ہے۔) جب شام کے علاقے میں پہنچے تو وہاں ایک عیسائی راہب (کی خانقاہ) کے پاس انہوں نے پڑاؤ ڈالا۔ (محمد بن اسحاق رحمہ اللہ وغیرہ کی روایت میں اس راہب کا نام بحیرا بیان کیا گیا ہے)۔

اس بات پر تمام روایات متفق ہیں کہ قریش کے لوگ اپنے شام کے سفروں میں پہلے بھی اس راہب کے پاس سے گزرا کرتے تھے لیکن وہ پہلے کبھی نہ تو اپنی خانقاہ سے نکلتا تھا اور نہ کبھی ان کی طرف کوئی توجہ دیتا تھا مگر اس مرتبہ جب انہوں نے پڑاؤ ڈالا تو یہ

راہب ان کے پاس آ کر حضور نبی کریم ﷺ کا دست مبارک پکڑ کر کہنے لگا ”یہ سارے جہانوں کے سردار ہیں۔ یہ رب العالمین کے پیغمبر ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گا“ قریش کے لوگوں نے پوچھا تمہیں کیا پتہ؟ راہب نے کہا کہ جب تم لوگ گھاٹی سے سامنے آئے تو ہر درخت اور ہر پتھر نے ان کو سجدہ کیا اور درخت اور پتھر نبی کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتے اور میں انہیں مہر نبوت کے ذریعے پہچان رہا ہوں جو ان کے مونڈھے کی ہڈی سے نیچے سیب کی طرح موجود ہے۔ پھر اس نے قافلے کے لیے کھانا تیار کیا۔ ترمذی کی روایت میں ہے کہ وہ کھانا وہیں درخت کے پاس لے کر آیا۔ اس وقت حضور ﷺ اونٹوں کو چرانے گئے ہوئے تھے۔ جب واپس تشریف لائے تو قافلے کے دوسرے لوگ درخت کے سائے میں بیٹھ چکے تھے اور اب سائے میں بیٹھنے کی کوئی جگہ باقی نہیں رہی تھی لیکن جب حضور ﷺ تشریف لائے تو درخت کی شاخوں نے جھک کر آپ پر سایہ کر دیا۔ اس پر راہب نے لوگوں کو متوجہ کر کے کہا کہ دیکھو درخت ان پر جھک کر سایہ کر رہا ہے۔ اس کے بعد اس نے پوچھا کہ ان کے سرپرست کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ ابو طالب ہیں۔ راہب نے ابو طالب سے پرزور مطالبہ کیا کہ آپ انہیں لے کر آگے نہ جائیں۔ کیونکہ روم کے لوگ انہیں پہچان لیں گے اور اندیشہ ہے کہ انہیں شہید کر دیں گے۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ واپس بھیج دیا۔ (۱)

ترمذی کی اس روایت کے بارے میں محدثین کا کہنا یہ ہے کہ اس کے تمام رجال ثقہ ہیں۔ البتہ اس روایت کے آخر میں جو یہ مذکور ہے کہ جب راہب نے حضور ﷺ کو واپس بھیجنے کا مشورہ دیا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی اس قافلے میں موجود تھے۔ انہوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ انہیں واپس کر دیا۔ محدثین نے فرمایا ہے کہ یہ بات یقینی طور پر غلط ہے۔ اس لیے کہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اس وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ یا تو پیدا ہی

رئیس ہوئے ہوں گے یا اتنے چھوٹے ہوں گے کہ ان کے ساتھ آپ کو بھیجنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسلام کے بعد خریدا تھا اور یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ اس بنا پر کچھ حضرات نے تو اس روایت کو صحیح ماننے سے ہی انکار کیا ہے لیکن محقق محدثین مثلاً حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ اس کی وجہ سے پوری روایت کو غلط کہنا درست نہیں۔ کیونکہ اس کی سند مضبوط ہے۔ البتہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس آخری حصے میں کسی راوی سے وہم ہو گیا ہے۔ (۲)

بسا اوقات صحیح روایتوں میں اس قسم کی جزوی غلطیاں ہوتی رہتی ہیں جن کا روایت کے مرکزی مفہوم پر کوئی اثر نہیں پڑتا اس لیے پوری روایت کو غلط نہیں کہا جا سکتا۔ چنانچہ یہی روایت مسند بزار میں آئی ہے جس میں واقعہ اسی طرح بیان کیا گیا ہے جیسے ترمذی کی روایت میں مذکور ہے لیکن اس میں یہ جملہ موجود نہیں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس روانہ کر دیا۔ (۳)

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی متعدد روایتوں میں یہ واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے کہ جب یہ قافلہ بحیرا راہب کی خانقاہ کے قریب پہنچا تو بحیرا نے دیکھا کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بادل سایہ کیے ہوئے ہے اور درخت کی شاخیں بھی آپ پر جھک گئی ہیں۔ یہ دیکھ کر بحیرا کو جستجو پیدا ہوئی اور اس نے قافلے والوں کو دعوت دی کہ میں نے آپ کے لیے کھانا تیار کیا ہے اس لیے آپ سب لوگ میرے پاس کھانے کے لیے تشریف لائیں۔ سب آ گئے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لائے۔ بحیرا نے لوگوں سے پوچھا کہ کیا آپ تمام ساتھی آ گئے ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ سب آ گئے ہیں بس ایک کمسن لڑکا ہے جو کجاوے میں رہ گیا ہے۔ بحیرا نے اصرار کر کے آپ کو بلایا اور آپ سے بہت سے سوالات کیے اور آپ کے مبارک کندھے پہ مہرِ نبوت دیکھی۔

پھر ابوطالب سے پوچھا کہ اس لڑکے کا آپ سے کیا رشتہ ہے؟ ابوطالب نے کہا کہ یہ میرے بیٹے ہیں۔ بحیرا نے (سابقہ آسمانی کتابوں کی روشنی میں) کہا کہ یہ آپ کے بیٹے نہیں، ان کے والد زندہ نہیں ہو سکتے۔ تب ابوطالب نے بتایا کہ یہ میرے بھتیجے ہیں اور ان کے والد فوت ہو چکے ہیں۔ اس پر بحیرا نے انہیں مشورہ دیا کہ آپ انہیں واپس لے جائیں اور یہودیوں سے ان کی حفاظت کریں۔ چنانچہ ابوطالب خود آپ کو واپس لے آئے۔ (۴)

بہر حال! واقعے کی جزوی تفصیلات میں تو روایتیں مختلف ہیں لیکن اتنی بات پر تمام روایتوں کا اتفاق ہے کہ حضور ﷺ نے اس سفر میں بحیرہ راہب کی خانقاہ کے قریب ایک درخت کے نیچے قیام فرمایا تھا اور درخت کی شاخیں آپ پر جھک گئی تھیں اور اس کے علاوہ بھی بحیرا نے آپ میں نبوت کی علامتیں دیکھی تھیں۔ جس کی بنا پر اس نے قافلے والوں کی دعوت کی اور حضور اقدس ﷺ کو خاتم الانبیاء کے طور پر پہچان کر ابوطالب کو مشورہ دیا تھا کہ انہیں واپس بھیج دیں۔ واقعہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے آخری پیغمبر کے طور پر تشریف لانے کی خبر تورات اور انجیل میں واضح طور پر دی گئی تھی۔ جن میں سے بعض آج بھی متعدد تحریفات کے باوجود بائبل میں موجود ہیں۔ جن کا مصداق حضور اکرم ﷺ کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''اظہار الحق'' میں ان کا مفصل ذکر فرمایا ہے۔ جس کا اردو ترجمہ راقم کی شرح و تحقیق کے ساتھ ''بائبل سے قرآن تک'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔ نیز ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان پیشین گوئیوں کے علاوہ حضور اقدس ﷺ کی کچھ علامتیں مختلف پیغمبروں نے زبانی بتا رکھی ہوں گی جو سینہ بہ سینہ روایتوں کی شکل میں بھی اہل کتاب کے پاس موجود تھیں۔ یہ بات بھی ثابت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے اہل کتاب نبی آخر الزماں ﷺ کی آمد کے انتظار

میں تھے۔ چنانچہ وہ بت پرستوں سے مقابلے کے وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے کہ انہیں جلدی بھیج دیجیے جیسا کہ قرآن کریم نے سورۃ بقرہ کی آیت ۸۹ میں بیان فرمایا ہے۔ ان حالات میں بحیرا نے حضور اقدس ﷺ میں وہ علامات محسوس کر کے یہ یقین کر لیا کہ آپ ہی نبی آخر الزماں ہیں۔ اس لیے یہ مشورہ دیا۔

اب یہ جگہ کون سی تھی جہاں یہ درخت واقع تھا؟ اس بارے میں شہزادہ غازی کا کہنا یہ ہے کہ انہیں بادشاہ کی طرف سے یہ کام سونپا گیا تھا کہ وہ اردن میں پائے جانے والی ان تاریخی یادگاروں کی تحقیق کریں جن کا تعلق حضور اکرم ﷺ یا آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہو۔ چنانچہ انہوں نے اس سلسلہ میں ان وثائق کی چھان بین شروع کی جو حکومت کے پاس محفوظ تھے۔ ان وثائق میں جو غالباً خلافت عثمانیہ کے دور سے محفوظ چلے آتے تھے انہیں اس درخت کا ذکر ملا جس کے نیچے حضور اقدس ﷺ نے قیام فرمایا تھا اور یہ کہ وہ درخت ابھی تک زندہ ہے۔

وثائق کی رہنمائی سے انہوں نے اس کی تلاش شروع کی تو پتہ لگا کچھ عرصہ پہلے تیل کی ایک پائپ لائن کا سروے کرتے ہوئے وہ شاہراہ دریافت ہوئی جو کسی بازنطینی بادشاہ نے اس غرض سے بنائی تھیں کہ حجاز کے تاجر اس کے ذریعہ اطمینان سے شام کا سفر کر سکیں۔ اس دریافت سے انہیں مزید مدد ملی اور انہوں نے اسی شاہراہ کو بنیاد بنا کر علاقے کا سروے کیا تو یہ عجیب و غریب درخت دریافت ہوا جو سینکڑوں مربع کلومیٹر میں پھیلے ہوئے صحرا کے درمیان تنہا درخت تھا۔ جو زندہ اور توانا کھڑا ہوا تھا۔ اسی درخت سے کچھ فاصلے پر انہیں ایک عمارت کے کھنڈر بھی نظر آئے جس کے بارے میں یہ امکان تھا یہ شاید بحیرا راہب کی خانقاہ ہوگی۔ انہوں نے آس پاس رہنے والوں بدوؤں سے تحقیق کی تو انہوں نے بتایا کہ ہمارے خاندانوں میں یہ بات تواتر کی حد تک مشہور ہے کہ اس درخت کے نیچے حضور اکرم ﷺ نے قیام فرمایا تھا۔

ان تمام شواہد کی روشنی میں حکومت اردن نے اس جگہ کی حفاظت کے لیے اس کے گرد احاطہ بنا دیا ہے۔ جب یہ درخت پہلی بار شہزادہ غازی کو دریافت ہوا اس وقت وہ زندہ ضرور تھا اور اس کی ایک زندہ درخت کی طرح پوری ہیئت بھی برقرار تھی لیکن شاخیں کچھ سوکھی ہوئی تھیں۔ اس کے بعد اسے پانی دینے کا اہتمام کیا گیا جس کے بعد وہ بالکل تروتازہ اور سرسبز ہو گیا۔

یہ بات وہاں جا کر بالکل واضح طور پر نظر آتی ہے کہ یہ کوئی غیر معمولی درخت ہے۔ اس لیے کہ سینکڑوں مربع کلو میٹر دور تک نہ کسی درخت کا نام ونشان ہے اور نہ وہاں تک پانی پہنچنے کا کوئی راستہ نظر آتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ بات کوئی بعید یا تعجب خیز نہیں ہے کہ اس درخت سے چونکہ حضور نبی کریم ﷺ کا ایک معجزہ ظاہر ہوا تھا اور اس کی بنا پر بحیرا راہب کو آپ میں خاتم الانبیاء کی علامتیں نظر آئی تھیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے معجزاتی طور پہ باقی رکھا ہوا ہو۔ بالخصوص جبکہ اس درخت سے تقریباً سو کلو میٹر کے فاصلے پر ایک عمارت کے کھنڈر بھی موجود ہیں جن کا رخ اسی درخت کی طرف ہے۔

جہاں تک اس کے محل وقوع کا تعلق ہے سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے کہ بحیرا سے ملاقات کا واقعہ شام کے شہر بصریٰ میں پیش آیا تھا اور حافظ ابن کثیر ؒ نے ابن عساکر سے نقل کیا ہے کہ بحیرا راہب ایک بستی میں رہتا تھا جس کا نام ''کفر'' تھا اور وہ بستی بصریٰ شہر سے چھ میل دور تھی۔ (۵)

اگر یہ بات درست مانی جائے کہ بحیرا کی بستی بصریٰ سے چھ میل دور تھی تو بظاہر اس کا محل وقوع وہ نہیں ہونا چاہیے جو اس درخت کا ہے۔ کیونکہ بصریٰ شہر یہاں سے کافی فاصلے پر شام کی سرحد کے اندر واقع ہے۔ علاقے کے نقشے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ سے قریب ترین بستی ''ارزق'' ہے اور اس کے بعد شام (سوریا) کی سرحد آتی ہے جس کے بعد پہلا شہر بصریٰ ہے۔ بصریٰ یہاں سے کتنا دور ہے؟ اس کی مجھے تحقیق نہیں ہو سکی لیکن

اتنی بات واضح ہے کہ یہ فاصلہ چھ میل سے زیادہ ہے۔ البتہ بصریٰ چونکہ اس وقت بہت بڑا شہر تھا اس لیے یہ امکان موجود ہے کہ ''بصریٰ'' کا لفظ صرف اس شہر کے لیے نہیں بلکہ اس کے مضافات میں ایک بڑے علاقے کے لیے بولا جاتا تھا جس میں ارزق اور یہ جگہ بھی شامل ہو۔ ان وجوہ سے مکمل یقین تو نہیں ہو سکتا لیکن یہ قوی احتمال ضرور قائم ہوتا ہے کہ یہ وہی درخت ہوگا۔

یہ پستہ کا درخت ہے اب بھی اس پر پستہ آتا ہے اور میں نے کھایا بھی ہے۔ درخت کی چھاؤں بھی بڑی خوشگوار ہے۔ چشم تصور نے یہاں جس محبوب دل نواز (ﷺ) کو جلوہ افروز دیکھا اس نے اس چھاؤں میں وہ مٹھاس پیدا کر دی تھی جو کسی اور سائے میں حاصل نہیں ہو سکتی۔ (۶)

---

(۱) جامع ترمذی، ابواب المناقب، باب بدء النبی ﷺ، حدیث نمبر ۳۶۲۰

(۲) تحفۃ الاحوذی، ج ۱۰، ص ۹۳

(۳) مسند البزار، مسند ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ، ج ۱، ص ۲۶۷، حدیث نمبر ۳۰۹۶

(۴) سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۱۸۲، ۱۸۳

(۵) السیرۃ النبویہ لابن کثیر، ج ۱، ص ۱۴۰

(۶) ماہنامہ نورعلی نور فیصل آباد، تحقیق مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم، جمادی الثانی ۱۴۳۵ھ، ص ۱۵۔ سفر درسفر، مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم، صفحہ ۲۶۶، مکتبہ معارف القرآن کراچی

اتباعِ سنت کی عظیم الشان قوت

اتباعِ سنت میں اللہ رب العزت نے حیرت ناک قوت رکھی ہے۔ خلیفہ دوم سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور کا واقعہ ہے اس وقت اسلامی لشکر کئی ممالک کو فتح کرتا ہوا سیلاب کی طرح آگے بڑھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ ایران وعراق سے آگے نکل کر وسط ایشیا کے کسی علاقے میں پہنچ چکا تھا۔ وہاں اسلامی لشکر نے ایک شہر اور قلعے کا محاصرہ کر رکھا تھا لیکن وہ قلعہ فتح نہیں ہو رہا تھا۔ وہ قوم اتنی مضبوط اور جنگجو تھی کہ قابو میں نہیں آ رہی تھی۔ اس قلعہ کو فتح کرنے کے جتنے طریقے ہو سکتے تھے وہ سارے آزمائے گئے لیکن قلعہ فتح ہونے کی کوئی صورت نہ بن سکی۔

مجبور ہو کر انہوں نے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھ کر بھیجا اور صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ انہوں نے اس کا جو حل تجویز فرمایا اس سے سنت کی طاقت کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ نے اس کے لیے کوئی مادی حل تجویز نہیں کیا بلکہ جوابی خط میں لکھا کہ سب مجاہدین کو جمع کرو اور پھر خود بھی اپنا جائزہ لو اور ان سے بھی کہو کہ وہ اپنا جائزہ لیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی سنت تم سب سے چھوٹ رہی ہے۔ جائزہ لو کہ وہ کون سی سنت ہے جس پر تم سب نے عمل چھوڑ رکھا ہے۔ جب وہ سمجھ میں آ جائے تو سب اس پر عمل کریں اور پھر اللہ تعالیٰ سے فتح کی دعا کر کے حملہ کر دیں۔ انشاء اللہ فتح ہو گی۔

جب سپہ سالار کے پاس یہ خط پہنچا تو اس نے سب مجاہدین کو جمع کیا اور یہ خط پڑھ کر سنایا۔ سب نے مل کر غور کیا کہ ہم سے کون سی سنت چھوٹ رہی ہے۔ بظاہر ساری سنتوں پر عمل ہو رہا تھا۔ کافی غور کے بعد یہ سامنے آیا کہ ہم سفر کی حالت میں تھے اس لیے بہت دنوں سے ہم نے مسواک نہیں کیا۔ چنانچہ کمانڈر نے سارے لشکر کو حکم دیا کہ جاؤ مسواک لے کر آؤ اور سنتِ مسواک پر عمل کرو۔ لشکر کے تمام افراد جنگل میں پھیل گئے۔ وہاں سے

مسواک بنا کر لائے اور کرنے لگے۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس زمانے میں مسلمانوں کا کفار پر اتنا رعب بیٹھا ہوا تھا کہ عورتیں اپنے بچوں کو مسلمانوں سے ڈراتی تھیں۔ مثلاً جب کوئی بچہ شرارت کرتا تو والدہ کہتی دیکھو باز آ جاؤ ورنہ مسلمان کو بلالوں گی اور انہوں نے اس بات کو مشہور کر دیا تھا کہ مسلمان، آدمیوں کو کچا کھا جاتے ہیں۔ جب مسلمانوں نے مسواک کرنا شروع کیا تو اوپر قلعہ پر کھڑے ہوئے کفار حیرت سے دیکھنے لگے کہ نجانے کیا قصہ ہوا کہ کمانڈر کا ایک حکم ملنے پر یہ سب کے سب اپنے دانتوں کو تیز کر رہے ہیں۔ پھر خیال آیا کہ ہم نے جو سن رکھا ہے کہ مسلمان لوگوں کو کچا کھا جاتے ہیں تو شاید یہ ہمیں کچا کھانے کی تیاری ہے۔ جمعہ کا دن تھا صبح کا وقت تھا۔ مسواک سے فارغ ہونے کے بعد سپہ سالار نے حکم دیا کہ اب حملہ کرو۔ کفار اس خیال سے کہ یہ اب ہمیں کچا کھا جائیں گے، ڈر گئے اور بھاگ کھڑے ہوئے اور جمعہ کی نماز سے پہلے قلعہ فتح ہو گیا۔ نیز اسلامی لشکر نے جمعہ کی نماز قلعہ کے اندر جا کر پڑھی۔

سنت کا مقام اور فتنہ انکار حدیث، مفتی محمد رفیع عثمانی دامت برکاتہم، ص ۸ تا ۱۰

ملک الموت کو دو مرتبہ رحم آیا

مشہور قصہ ہے کہ ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت سے پوچھا کہ تم نے بے شمار روحیں نکالی ہیں۔ دن رات کا یہی مشغلہ ہے۔ یہ بتاؤ کہ کبھی کسی کی روح نکالتے ہوئے رحم بھی آیا؟ فرشتے نے عرض کیا کہ صرف دو آدمیوں پر رحم آیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کون ہیں جن پر تم کو بھی رحم آ گیا؟ فرشتے نے کہا کہ ایک مرتبہ ایک سمندری جہاز جس میں عورتیں، بچے سب سوار تھے، سمندر میں سفر کر رہا تھا۔ طوفان آ گیا اور جہاز ڈوب گیا۔ کچھ لوگ غرق ہو گئے اور کچھ لوگ تختوں پر تیرتے ہوئے اپنی جان بچانے میں کامیاب ہوئے۔ انہی جہاز والوں میں ایک حاملہ عورت تھی، کشتی کا ایک بڑا تختہ اس کے ہاتھ آ گیا تھا۔ اندھیرے اور طوفانی رات اور سمندر کے بیچوں بیچ وہ عورت تختے سے چمٹی رہی۔ اسی حالت میں اس نے بچے کو جنم دیا اور بچے کو اپنے سینے سے لپٹا لیا۔ بچے کے کھانے پینے کا سامان تھا نہ حفاظت کا کوئی بندوبست۔ اس حالت میں اے بزرگ و برتر ذات! آپ کا حکم یہ تھا کہ اس عورت کی روح قبض کر لی جائے۔ اے اللہ! میں نے روح تو قبض کر لی لیکن آج تک رحم آتا ہے اور یہی سوچتا ہوں نہ جانے اس بچے کا کیا ہوا ہوگا؟

اللہ جل شانہ نے پوچھا تجھے دوسری مرتبہ کس پر رحم آیا؟

ملک الموت نے عرض کیا کہ شداد نامی آپ کا ایک نافرمان بندہ تھا جسے آپ نے بادشاہت اور مال و دولت کی فراوانی عطا فرمائی تھی۔ اس نے کہا کہ میں دنیا میں جنت بناؤں گا پھر اس نے جنت بنانا شروع کی اور اربوں کھربوں دینار خرچ کرتا رہا اور اس نے طے کر لیا کہ جنت پوری تیار ہو جانے کے بعد ہی اس میں داخل ہوگا۔ برسوں انتظار کے بعد جب جنت میں داخلے کا وقت آیا ابھی اس کا ایک قدم اس کی جنت کے اندر اور دوسرا باہر تھا کہ آپ کا حکم ہوا کہ اس کی روح کو قبض کر لو۔ میں نے روح کو قبض کر لیا مگر

آج تک رحم آتا ہے کہ اتنے برسوں کی محنت اور مال خرچ کر کے بھی اسے اپنی جنت دیکھنی نصیب نہ ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ملک الموت! تجھے ایک ہی آدمی پر دو مرتبہ رحم آیا ہے۔ تجھے معلوم نہیں کہ یہ شداد وہی بچہ تھا جس کی ماں کی روح تو نے اندھیری اور طوفانی رات میں قبض کی تھی۔ ہم نے اپنی رحمتِ واسعہ اور شانِ ربوبیت سے اس بچے کو بچا لیا اور پال پوس کر پروان چڑھایا۔ اسے ذہانت وفطانت دی، صحت، طاقت اور عزت عطا کی۔ یہاں تک کہ بادشاہ بنا دیا اور جب بادشاہ بنا تو ہمارے مقابلے میں جنت کی تعمیر شروع کر دی۔

جنت کا آسان راستہ، مفتی محمد رفیع عثمانی دامت برکاتہم ص ۹

ایک عبرت ناک قصہ

ایک عبرت ناک قصہ سناتا ہوں۔ حضرت علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب کا انتقال ہو گیا اور میں اللہ کے فضل سے حافظ قرآن تھا۔ میرا یہ معمول تھا کہ میں روزانہ والد صاحب کی قبر پر جاتا اور تلاوت قرآن کریم کر کے ایصال ثواب کرتا۔

ایک مرتبہ رمضان شریف کا مہینہ تھا، ستائیسویں شب تھی، سحری کھا کر فجر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد حسب معمول میں فجر کے بعد والد صاحب کی قبر پر جا کر تلاوت کرنے لگا تو اچانک برابر والی قبر سے مجھے ہائے ہائے کرنے کی آواز آنے لگی۔ جب پہلی مرتبہ یہ آواز آئی تو میں خوف زدہ ہو گیا۔ میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا تو اندھیرے کی وجہ سے مجھے کوئی نظر نہیں آیا۔ جب میں نے آواز کی طرف کان لگائے اور غور کیا تو پتہ چلا کہ یہ آواز کسی قریب والی قبر سے آ رہی ہے اور ایسا لگا کہ میت کو قبر میں بہت خوفناک عذاب ہو رہا ہے اور اس عذاب کی تکلیف سے میت ہائے ہائے کر رہی ہے۔ بس پھر کیا تھا میں پڑھنا پڑھانا تو بھول گیا اور خوف کی وجہ سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور میں اسی قبر کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ گیا۔ پھر جوں جوں دن کی روشنی پھیلنے لگی تو آواز بھی مدھم ہونے لگی۔ پھر اچھی طرح دن نکلنے کے بعد آواز بالکل بند ہو گئی۔

جب لوگوں نے آنا جانا شروع کیا تو ایک آدمی سے میں نے پوچھا کہ یہ قبر کس کی ہے؟ اس نے ایک ایسے شخص کا نام لیا جس کو میں بھی جانتا تھا۔ کیونکہ وہ شخص ہمارے محلے کا تھا اور بہت پکا نمازی تھا۔ پانچ وقت کی نماز باجماعت صف اول میں ادا کرتا تھا اور انتہائی کم گو اور نہایت شریف آدمی تھا۔ کسی کے معاملے میں دخل نہیں دیتا تھا۔ جب بھی کسی سے ملتا تو اچھے اخلاق سے ملتا ورنہ زیادہ تر وہ ذکر و تسبیح میں مشغول رہتا۔ جب میں اس کو

پہچان گیا تو مجھ پر یہ بات بہت گراں گزری کہ اتنا نیک آدمی اور اس پر یہ عذاب!!
میں نے سوچا کہ اس کی تحقیق کرنی چاہیے کہ اس نے ایسا کون سا گناہ کیا ہے جس کی وجہ سے اس کو یہ عذاب ہو رہا ہے؟ چنانچہ میں محلے میں گیا اور اس کے ہم عصر لوگوں سے پوچھا کہ فلاں شخص بڑا نیک اور عابد و زاہد آدمی تھا لیکن میں نے اس کو عذاب کے اندر مبتلا دیکھا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ویسے تو وہ بڑا نیک اور عبادت گزار تھا۔ اس کی اولاد بھی نہیں تھی۔ ہاں اس کا کاروبار بہت وسیع تھا۔ جب وہ بوڑھا ہو گیا اور اس کے اندر کاروبار کرنے کی طاقت نہ رہی اور کوئی دوسرا اس کے کاروبار کو چلانے والا نہیں تھا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا اور خود بھی سوچا کہ میں اب ذریعہ معاش کے لیے کیا طریقہ اختیار کروں؟ اس کے نفس نے اس کو یہ تدبیر سمجھائی کہ تو اپنا سارا کاروبار ختم کر اور جو کچھ پیسے آئیں اس کو سود پر دے دے۔ اس نے سارا حلال کاروبار ختم کیا اور جو رقم آئی اس کو سود پر لگا دیا۔

چنانچہ کاروبار سے فارغ ہو گیا تھا اس لیے ہر وقت مسجد میں رہتا۔ اشراق، چاشت، تہجد، اوابین وغیرہ تمام نوافل پڑھتا اور پانچوں نمازیں امام کے پیچھے باجماعت صفِ اوّل میں تکبیر اولیٰ کے ساتھ پڑھتا اور رات دن ذکر و تسبیح میں مشغول رہتا۔ ادھر لوگوں سے اسے ہر مہینے سود کی معقول رقم مل جاتی تھی جس کے ذریعہ وہ مہینے بھر کا سارا گزارا چلاتا۔

بس یہ سن کر میں سمجھ گیا کہ اس کو جو شدید عذاب ہو رہا تھا۔ وہ اسی سود خوری کے گناہ کا وبال تھا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حرام کھانے اور حرام پہننے سے بچائے۔ آمین

حرام کھانے کی نحوست، مفتی عبد الرؤف سکھروی دامت برکاتہم، ص ۹۶

شاہ جی عبداللہ کی شاندار دعوت

دیوبند میں ایک شاہ جی عبداللہ تھے۔ درویش، اللہ والے اور صاحب نسبت بزرگ۔ انہوں نے اپنے گزارے کے لیے یہ معمول بنا رکھا تھا کہ روزانہ فجر کی نماز پڑھ کر سیدھے جنگل جاتے اور وہاں سے قدرتی گھاس کاٹ کر، اس کی ایک گٹھڑی بنا کر اپنے سر پر رکھ کر منڈی میں جاتے تاکہ اس کو بیچ کر حلال روزی حاصل کریں۔ چونکہ صاحب نسبت بزرگ اور اللہ والے تھے اس لیے جو لوگ گھاس خریدنے والے ہوتے تھے وہ شاہ جی کے انتظار میں رہتے کہ کب شاہ جی گھاس لائیں اور ہم ان سے گھاس خرید لیں۔

شاہ جی ایک خاص مقدار کی گھاس لاتے اور اس کو چار آنے میں بیچتے۔ چونکہ خریدار زیادہ ہوتے تھے اس لیے جیسے ہی وہ شاہ جی کو آتا دیکھتے فوراً ان سے خریدنے کے لیے دوڑ لگاتے اور شاہ جی کا اصول یہ تھا کہ جو شخص سب سے پہلے اس گٹھڑی پر ہاتھ لگا دیتا وہ گٹھڑی اس کو بیچ دیتے اور اس سے چار آنے وصول کر لیتے۔ نہ چار آنے سے کم لیتے اور نہ زیادہ۔

چار آنے کا حُسنِ انتظام

ان چار آنے کو خرچ کرنے میں ان کا حُسنِ انتظام یہ تھا کہ ایک آنہ غرباء، فقراء اور مساکین پر صدقہ کر دیتے، ایک آنہ اپنی ضرورت کے لیے رکھ لیتے۔ ایک آنہ اپنی بیٹی کو دے دیتے اور ایک آنہ دارالعلوم دیوبند کے اکابرین اور بزرگوں کی دعوت کے لیے جمع کر لیتے۔ (یہ تقریباً ڈیڑھ صدی پہلے کی بات ہے جبکہ آنہ بھی اپنی قدر رکھتا تھا) اس طرح اس چار آنے میں ان کے سارے کام ہو جاتے۔ دنیا کا گزر بسر بھی ہو رہا ہے اللہ کے راستے میں صدقہ بھی ہو رہا ہے، صلہ رحمی بھی ہو رہی ہے۔ کیونکہ بیٹی پر خرچ کرنے میں اس کے ساتھ ہمدردی اور صلہ رحمی ہے۔ علماء کرام اور بزرگانِ دین کی خدمت بھی ہو رہی

ہے۔ ان کی دعوت کے لیے بھی پیسے جمع کر رہے ہیں۔ یہ ان کا روزانہ کا معمول تھا۔

اکابرِ دیوبند کی دعوت

حضرت شاہ جی عبداللہ اپنی آمدنی میں سے ایک آنہ جو علماء دیوبند کی دعوت کے لیے رکھتے تھے جب دو چار روپے جمع ہو جاتے تو اس وقت کے اکابرین دیوبند یعنی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے بزرگوں کی دعوت کرتے۔ کبھی تو اپنے یہاں کھانا پکا کر ان سب کو بلا کر کھلاتے اور کبھی دارالعلوم میں جا کر وہ رقم ان حضرات کو دے دیتے اور ان سے عرض کرتے کہ مجھے کھانا بھی اچھا پکانا نہیں آتا اور پکانے کی فرصت بھی نہیں ہے۔ آپ حضرات اس رقم سے اپنی پسند کا کھانا پکا کر کھالیں۔ بس یہ میری طرف سے دعوت ہے۔

اُن کی دعوت کھانے کا اہتمام

ان اکابر میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ہر فن مولیٰ تھے۔ کھانا پکانا بھی جانتے تھے، سینا پرونا بھی جانتے تھے اور بہت سے کام کر لیتے تھے۔ چنانچہ دوسرے حضرات، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کرتے کہ آپ کھانا پکائیں۔ چنانچہ آپ پہلے غسل کرتے، دھلا ہوا لباس پہنتے پھر بازار جا کر ان پیسوں سے سامان لا کر کھانا پکاتے۔ جب کھانا پک کر تیار ہو جاتا تو باقی حضرات بھی غسل و وضو کا اہتمام کرتے پھر حضرت شاہ جی عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت تناول فرماتے۔

اس پاکیزہ دعوت کے نیک اثرات

یہ حضرات اکابر فرماتے تھے کہ حضرت شاہ جی عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کی اس دعوت کا ہمارے اوپر یہ اثر ہوتا کہ ایک ایک مہینے تک ہمارا دل روشن ہو جاتا اور ہمارے دل میں

آخرت کی تیاری کے جذبات ابھر آتے اور راتوں کو ہم مصلے پر کھڑے ہو کر اللہ کی یاد میں گزارتے اور دل کی کیفیت بدل جاتی۔ قلب منور ہو جاتا اور اللہ اللہ کرنے کو جی چاہتا۔ کھانے سے پہلے کی کیفیت اور کھانے کے بعد کی کیفیت میں نمایاں طور پر فرق محسوس ہوتا اور ایک دن کی دعوت کا ایک مہینے تک اثر رہتا۔

حلال روزی کی برکات، مفتی عبدالرؤف سکھروی مدظلہ العالی، ص ۱۰۴، ۱۰۷

وہ بڑھیا مدینے کی مالدار عورت بن گئی

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ حج کو نکلے۔ ابھی راستے ہی میں تھے کہ توشہ ختم ہو گیا اور بھوک و پیاس کی شدت نے نڈھال کر دیا۔ دور ایک خیمہ دکھائی دیا۔ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ خیمے میں صرف ایک بڑھیا ہے۔ اس سے پوچھا کہ "آپ کے ہاں کھانے پینے کی کوئی چیز ہے؟" بڑھیا نے کہا "ہاں ہے" تو ان حضرات نے بڑھیا کے ہاں پڑاؤ ڈال دیا۔ اس کے پاس صرف ایک کمزور سی بکری تھی۔ کہنے لگی "اس بکری کا دودھ نکال کر پی لو۔" ان حضرات نے دودھ نکالا اور پی لیا۔ "پھر پوچھا" کوئی کھانے کی چیز بھی ہے؟" وہ بولی "یہی بکری ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر کہتی ہوں کہ جب تک میں لکڑیاں جمع کروں اس وقت تک تم میں سے ایک شخص اس بکری کو ذبح کر لے اور پھر اسے بھون کر کھا لو۔" چنانچہ ان حضرات نے ایسا ہی کیا اور دن ٹھنڈا ہونے تک وہیں ٹھہرے رہے۔ چلتے وقت بڑھیا سے کہا "ہم قریشی لوگ ہیں حج کے لیے مکہ جا رہے ہیں۔ بعافیت لوٹ آئیں تو ہمارے ہاں آنا ہم تمہیں اس بھلائی کا بہترین بدلہ دیں گے۔" یہ کہا اور چلے گئے۔

اس کا شوہر آیا تو اس نے اسے سارا قصہ سنایا۔ وہ سن کر ناراض ہوا اور کہنے لگا کہ جن کو جانتی ہے نہ پہچانتی ان کے لیے بکری ذبح کر ڈالی اور کہتی ہے کہ قریشی لوگ تھے۔ کچھ عرصے بعد میاں بیوی کی نوبت فاقے کو پہنچی تو مجبور ہو کر مدینہ منورہ کا رخ کیا اور یہاں اونٹ کی مینگنیاں چننے لگے۔ (گوبر کی پاتھیوں کی طرح یہ بھی اس وقت ہلکے درجے میں کچھ کارآمد چیز تھی) بڑھیا مینگنیاں چنتی ہوئی ایک گلی سے گزری۔ مینگنیاں جمع کرنے کا ٹوکرا ساتھ تھا۔ ادھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے مکان کے دروازے پر تشریف فرما تھے۔ دیکھتے ہی پہچان لیا اور آواز دے کر کہا "بڑی بی! آپ مجھے جانتی ہیں؟" وہ کہنے لگی

"نہیں"۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں فلاں مقام پر فلاں سن میں فلاں روز آپ کا مہمان بنا تھا۔" وہ کہنے لگی "میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں نہیں پہچان سکی۔" حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا "تم نہیں پہچان سکی تو کوئی بات نہیں میں نے تو تم کو پہچان لیا۔" اس کے بعد اپنے غلام کو حکم دیا کہ صدقے کی بکریوں میں سے ایک ہزار بکریاں ان کے حوالے کر دو۔ اور ایک ہزار دینار نقد عطا فرمائے۔

اس کے بعد اپنے غلام کے ساتھ اسے اپنے بھائی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے بھی دیکھتے ہی فوراً پہچان لیا۔ غلام سے دریافت کیا کہ بھائی حسن رضی اللہ عنہ نے کیا دیا ہے؟ اس نے بتایا تو سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اسی قدر (یعنی ہزار بکریاں اور ہزار دینار نقدی) عطا فرمائے۔ پھر غلام کے ساتھ اسے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیج دیا۔ انہوں نے بھی دیکھتے ہی اُسے پہچان لیا۔ غلام نے بتایا کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اتنا اتنا دیا ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے دو ہزار بکری اور دو ہزار دینار کا حکم صادر فرمایا۔ اس طرح وہ بڑھیا تمام اہل مدینہ سے زیادہ مالدار بن کر لوٹی۔

الامام الحسین رضی اللہ عنہ، عبدالواحد خیاری اندلسی، ترجمہ: نور محمد انیس، مکتبہ نفائس القرآن، ص ۸۴

یوں لڑا جاتا ہے

رستم اب تک لڑائی برابر ٹالتا جاتا تھا لیکن حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی گفتگو نے اس کو اس قدر غیرت دلائی کہ اسی وقت کمر بندی کا حکم دیدیا۔ نہر جو بیچ میں حائل تھی حکم دیا صبح ہوتے ہی پاٹ کر سڑک بنادی جائے۔ صبح تک یہ کام انجام کو پہنچا اور دو پہر سے پہلے پہلے فوج نہر کے اس پار آ گئی۔ خود سامان جنگ سے آراستہ ہوا۔ دوہری زرہیں پہنیں سر پر خود رکھا۔ ہتھیار لگائے پھر اسپ خاصہ طلب کیا اور سوار ہو کر جوش میں کہا کہ ”کل عرب کو چکنا چور کر دوں گا“ کسی سپاہی نے کہا ”ہاں اگر خدا نے چاہا“ بولا کہ ”خدا نے نہ چاہا تب بھی۔“

فوج کو نہایت ترتیب سے آراستہ کیا۔ آگے پیچھے صفیں قائم کیں۔ قلب کے پیچھے ہاتھیوں کا قلعہ باندھا، ہودجوں میں ہتھیار بند سپاہی بٹھائے، میمنہ و میسرہ کے پیچھے قلعہ کے طور پر ہاتھیوں کے پرے جمائے خبر رسانی کے لیے موقع جنگ سے پایۂ تخت تک کچھ کچھ فاصلے پر آدمی بٹھادیے۔ جو واقعہ پیش آتا تھا موقع جنگ کا آدمی چلا کر کہتا تھا اور درجہ بدرجہ مدائن تک خبر پہنچ جاتی تھی۔

قادسیہ میں ایک قدیم شاہی محل تھا جو عین میدان کے کنارے پر واقع تھا۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو چونکہ عرق النساء کی شکایت تھی اور چلنے پھرنے سے معذور تھے اس لیے فوج کے ساتھ شریک نہ ہو سکے۔ بالا خانے پر میدان کی طرف رخ کر کے تکیہ کے سہارے سے بیٹھے اور خالد بن عرفطہ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے بجائے سپہ سالار مقرر کیا۔ تاہم فوج کو لڑاتے خود تھے یعنی جس وقت جو حکم دینا مناسب ہوتا تھا پرچوں پر لکھوا کر، گولیاں بنا کر خالد کی طرف پھینکتے جاتے تھے اور خالد انہی ہدایتوں کے مطابق، موقع بموقع لڑائی کا اسلوب بدلتے جاتے تھے۔ تمدن کے ابتدائی زمانے میں فن جنگ کا اس قدر ترقی کرنا لائق تعجب اور عرب کی تیزیٔ طبع اور لیاقت جنگ کی دلیل ہے۔

فوجیں آراستہ ہو چکیں تو عرب کے مشہور شعراء اور خطیب صفوں سے نکلے اور اپنی آتش فشانی سے تمام فوج میں آگ لگا دی۔ شعرا میں شماخ، اوس بن مغراء، عبدۃ بن الطیب، عمرو بن معدی کرب اور خطیبوں میں قیس بن ہبیرہ، غالب ابن الہذیل الاسدی، بسر بن ابی رہم الجہنی، عاصم بن عمرو، ربیع معدی، ربعی بن عامر میدان میں کھڑے تقریریں کر رہے تھے اور فوج کا یہ حال تھا کہ گویا ان پر کوئی جادو کر رہا ہے۔

اس کے ساتھ قاریوں نے میدان میں نکل کر نہایت خوش الحانی اور جوش سے سورۃ توبہ سے جہاد کی آیتیں پڑھنی شروع کیں۔ جس کی تاثیر سے دل دہل گئے اور آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے قاعدے کے موافق تین نعرے مارے اور چوتھے پر لڑائی شروع ہوئی۔

سب سے پہلے ایک ایرانی، دیبا کی قبا زیب بدن کیے زریں کمر بند لگائے ہاتھوں میں سونے کے کڑے پہنے میدان میں آیا۔ ادھر سے عمرو بن معدی کرب رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے میں نکلے۔ اس نے تیر کمان میں جوڑا اور ایسا تاک کر مارا کہ یہ بال بال بچ گئے۔ انہوں نے گھوڑے کو دابا اور قریب پہنچ کر کمر میں ہاتھ ڈال کر اُٹھایا اور زمین پر دے پٹخا اور تلوار سے گردن اُڑا کر فوج کی طرف مخاطب ہوئے کہ یوں لڑا کرتے ہیں" لوگوں نے کہا" ہر شخص ابن معدی کرب کیونکر ہو سکتا ہے؟"

الفاروق رضی اللہ عنہ، مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ص ۹۷، المصباح لاہور

حضور ﷺ کے بعد بس ایک بار مسکرائیں!

حضور ﷺ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات ۳ رمضان المبارک ۱۱ھ منگل کی رات میں ہوئی۔ اُس زمانہ میں عورتوں کے جنازے کو بھی اسی طرح لے جاتے تھے جیسا کہ آج کل مردوں کے جنازے لے جاتے ہیں۔ کوئی خاص پردہ نہ ہوتا تھا۔ حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا کو اس کی بڑی فکر تھی کہ میرا جنازہ (اعلیٰ درجہ کے) پردہ کے بغیر جائے گا اور لوگ دیکھیں گے۔ آپ نے بہت شرم محسوس کی۔ افسوس ہے ان پر جو دعویٰ محبت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا کریں اور علانیہ بے پردہ پھریں اور آپ کی پیروی سے دور رہیں۔ حیائے شرعی بہت بڑی نعمت ہے۔ جس قدر ایمان کامل ہوگا اسی قدر حیا و غیرت کامل ہوگی۔

مرنے سے کئی روز پہلے آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے اس کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے حبشہ میں دیکھا ہے کہ عورت کے جنازہ پر درخت کی زم شاخیں باندھ کر ایک نیم دائرہ صورت بناتے ہیں جس سے نعش نظر نہیں آتی اور جیسا آج کل رواج ہے جس کو گہوارہ کہتے ہیں بنا کر دکھلایا۔ اُسے دیکھ کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بہت خوش ہو کر مسکرانے لگیں (آپ، آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد صرف ایک دفعہ اسی بات پر مسکرائیں۔) اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میری وفات کے بعد تم ہی مجھ کو غسل و کفن دینا اور کسی کو نہ آنے دینا اور جیسا تم نے دکھلایا ہے میرے جنازے پر ضرور اسی طرح کا پردہ بنا دینا۔

اللطائف الاحمدیہ فی المناقب الفاطمیہ، مولانا سید احمد حسن سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ، ص ۱۱ مطبوعہ کانپور

پہلا اسلامی بحری بیڑا اور فتح روم

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر تنقید و اعتراض کے تیر برسانے والوں کو یہ حقیقت معلوم نہیں کہ اسلامی بحری بیڑے کی بنیاد قائم کرنے کا سہرا انہی کے سر ہے۔ ان کی فطرت عالمگیر تھی۔ ان کی عالی ہمت کا تقاضا یہ تھا کہ ایشیا سے نکل کر یورپ اور افریقہ تک اشاعت اسلام کی راہیں ہموار کی جائیں۔ آپ کی دور اندیشی اور فراست کا فیصلہ یہ تھا کہ اگر اسلام کو غالب کرنا اور روم کی شوکت وسطوتِ پارینہ کو پاؤں تلے کچلنا ہے تو اس کے لیے اسلامی بحری بیڑا کو وجود میں لانا ازبس ضروری ہے۔ چنانچہ آپ نے عہد فاروقی ہی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بحری بیڑے کی تیاری کی اجازت طلب کی۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی خیر خواہی کے جذبہ کے پیش نظر اس کی اجازت نہ دی۔

امام طبری نے بہ سند جید بیان کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بحری جنگ کی بہ اصرار درخواست کی اور اس کی ترغیب دیتے ہوئے کہا ''امیر المومنین مملکتِ روم کی سرحد، حمص سے جو اسلامی مملکت ہے، اس قدر قریب ہے کہ حمص کی ایک بستی کے لوگ، روم کے کتوں کے بھونکنے اور ان کے مرغوں کی اذان کی آواز سنتے ہیں۔ روم کا ساحل حمص کے ساحل سے ملا ہوا ہے۔ ان حالات میں مملکتِ اسلام کا امن و سکون ہمیشہ خطرہ میں رہے گا۔ اس لیے اسلامی مفاد اور تحفظِ مملکت کے پیش نظر رومی مقبوضات پر بحری حملہ ناگزیر ہے۔ اس کی اجازت دی جائے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے، جنہیں بحری سفر کا تجربہ تھا سمندری سفر کے حالات اور اس کی کیفیت اور منافع و مفاد معلوم کرنا چاہے۔ انہوں نے لکھا ''میری رائے میں ایک عظیم مخلوق (سمندر) پر ایک نہتی سی مخلوق (کشتی) اس طرح سوار ہوتی ہے کہ اوپر آسمان اور نیچے پانی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ لوگ اس میں اس طرح سوار

ہوتے ہیں جیسے ایک کیڑا لکڑی پر سوار ہوتا ہے۔ اگر لکڑی ذرا بھی پلٹ جائے تو کیڑا ڈوب جائے اور اگر خیر و سلامتی سے کنارے لگ جائے تو کیڑا حیران ہو کر رہ جائے۔''

یہ جواب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پڑھ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا:

لَا، وَالَّذِيْ بَعَثَ مُحَمَّدًا بِالْحَقِّ لَا أَحْمِلُ عَلَيْهِ مُسْلِمًا أَبَدًا۔

''نہیں! اس ذات کی قسم جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ میں کسی مسلمان کو سمندر میں کبھی سوار نہ کروں گا۔''

دوسری روایت میں ہے:

''میں ایسے خطرناک سمندر پر لشکر اسلامی کو کیسے سوار کر سکتا ہوں۔ واللہ! مجھے ایک مسلمان کی جان رومیوں کی ساری دولت سے زیادہ محبوب ہے۔ آئندہ مجھ سے اس قسم کی درخواست نہ کرنا میں پہلے بھی تم کو لکھ چکا ہوں۔''

اس جواب سے خلیفہ اسلام کی اپنی رعیت سے جس محبت کا اظہار ہو رہا ہے محتاجِ تشریح نہیں۔ اسی لیے وہ رعایا کے محبوب تھے۔ دوسری طرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بلند ترین نظریہ بھی قابل ملاحظہ ہے کہ آپ کے نزدیک کفر کی شکست و موت اور اسلام کی بقا و ترقی کے لیے بحری جہاد ناگزیر تھا۔ لہٰذا بار بار یہ اصرار و بتکرار اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بحری غزوات کی اجازت طلب کرتے ہیں اور یہ کہ جب کفار کو بحری سفر سے ڈر نہیں لگتا اور رومیوں نے بہت بڑا جنگی بیڑا تیار کر لیا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان اس سے مرعوب ہو کر ان کے مقابلہ کے لیے بحری بیڑا تیار نہ کریں اور کافروں کو سمندر پار تک اپنی تجارت اور اپنے باطل مذہب کے پھیلانے کی اجازت دے دیں۔ چنانچہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنا مطالبہ ان کے سامنے پیش کیا اور جب تک امام عالی مقام سے اپنا مطالبہ منوا نہیں لیا برابر اس کو پیش کرتے رہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بحری جہاد کی ضرورت سے بے خبر نہ تھے۔ مگر مسلمانوں کی جان

ان کو بھی ویسی ہی عزیز و محبوب تھی جیسی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو۔ اس لیے اس شرط کے ساتھ اجازت دی گئی کہ نہ تو لوگوں کو اپنی رائے سے منتخب کیا جائے نہ ان میں قرعہ اندازی کی جائے بلکہ انہیں اختیار دیا جائے کہ جو کوئی خوشی سے (ثواب کی خاطر) بحری جہاد کے لیے تیار ہو اُسے لیا جائے اور اس کی ہر طرح سے امداد و معاونت کی جائے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا اور عبداللہ بن قیس الحارثی رضی اللہ عنہ کو امیر البحر بنا دیا۔ انہوں نے سردی اور گرمی میں پچاس بحری لڑائیاں لڑیں جن میں ایک آدمی بھی غرق نہ ہوا اور نہ ہی کسی کو کوئی مصیبت پیش آئی۔ وہ دعا کرتے رہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کے لشکر کو خیر و عافیت سے رکھے اور ان میں سے کسی کو بھی مصیبت میں مبتلا نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور ایسا ہی ہوا۔ (۱)

اللہ اللہ! جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے خیر خواہ اور خیر اندیش امیر المومنین ہوں اور حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ جیسے مخلص اور نیک مقبولِ بارگاہِ الٰہی امیر البحر ہوں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی موسلا دھار بارش کیوں نہ برسے۔ خیر و برکت اور رحمت و نصرت کی حد ہو گئی کہ بحر روم کو شب و روز جولانگاہ بنا رکھا ہے۔ پچاس لڑائیاں لڑی ہیں مگر نہ تو پوری فوج میں سے ایک آدمی کام آیا (مارا گیا) نہ ہی پورے لشکر کا کوئی فرد زخمی ہوا۔ بہر حال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سب شرطیں منظور کر کے عظیم الشان بحری بیڑا تیار کیا اور ۲۸ھ میں پہلا اسلامی بحری بیڑا پہلی دفعہ بحر روم میں اُترا۔

اس طرح افریقہ اور یورپ کی سرزمین پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہمت اور بلند حوصلگی کے طفیل اسلامی جھنڈا سمندر میں لہرانے لگا اور دین کی تبلیغ و اشاعت کے امکانات دور دراز علاقوں تک پیدا ہو گئے۔ (۲)

---

(۱) طبری، ج ۳، ص ۳۱۷

(۲) برأت عثمان رضی اللہ عنہ، مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، مکتبہ صدیقیہ حضرو، ص ۹۱ تا ۹۶

دو صحابہ کی قبروں کی منتقلی کا عدیم النظیر واقعہ

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہ کے مزارات کے ساتھ اسی صدی (جو اب گزشتہ صدی ہو چکی) میں ایک عجیب وغریب اور ایمان افروز واقعہ رونما ہوا جو آج کل بہت کم لوگوں کو معلوم ہے۔ یہ واقعہ میں نے پہلی بار جناب مولانا ظفر اللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا تھا۔ پھر بغداد میں وزارت اوقاف کے ڈائریکٹر تعلقاتِ عامہ جناب خیر اللہ حدیثی صاحب نے بھی اجمالاً اس کا ذکر کیا۔

یہ ۱۹۲۹ء کا واقعہ ہے۔ اس وقت عراق میں بادشاہت تھی۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہ کی قبریں اس وقت یہاں (جامع مسجد سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے احاطے میں) نہیں تھیں۔ بلکہ یہاں سے کافی فاصلہ پر دریائے دجلہ اور مسجد سلمان رضی اللہ عنہ کے درمیان میں ایک جگہ واقع تھیں۔

۱۹۲۹ء میں بادشاہِ وقت نے خواب میں دیکھا کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہ اس سے فرما رہے ہیں کہ ہماری قبروں میں پانی آ رہا ہے اس کا مناسب انتظام کرو۔ بادشاہِ وقت نے حکم دیا کہ دریائے دجلہ اور قبروں کے درمیان کسی جگہ کھدائی کر کے دیکھا جائے کہ دجلہ کا پانی اندرونی طور پر قبروں کی طرف آ رہا ہے یا نہیں؟ کھدائی کی گئی لیکن پانی رِسنے کے کوئی آثار نظر نہیں آئے۔ چنانچہ بادشاہ نے اس واقعہ کو ایک خواب سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔

لیکن اس کے بعد پھر غالباً ایک سے زیادہ مرتبہ وہی خواب دکھائی دیا جس سے بادشاہ کو بڑی تشویش ہوئی اور اس نے علماء کو جمع کر کے ان کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا۔ ایسا یاد پڑتا ہے کہ اس وقت عراق کے کسی عالم نے بھی بیان کیا کہ انہوں نے بھی بعینہٖ یہی خواب دیکھا ہے۔ اس وقت مشورہ اور بحث وتمحیص کے بعد یہ رائے قرار پائی کہ دونوں بزرگوں کی قبریں کھول کر دیکھا جائے اگر پانی آ رہا ہو تو ان کے جسموں کو دوسری جگہ منتقل کیا جائے۔ اس وقت کے علماء نے بھی اس رائے سے اتفاق کیا۔

چونکہ قرونِ اولیٰ کے دو عظیم بزرگوں یعنی اصحاب رسول اللہ ﷺ کی قبروں کو کھولنے کا یہ تاریخ میں پہلا واقعہ تھا۔ اس لیے حکومت عراق نے اس کا بڑا زبردست اہتمام کیا۔ اس کے لیے ایک تاریخ مقرر کر دی تاکہ لوگ اس عمل میں شریک ہو سکیں۔ اتفاق سے وہ تاریخ ایامِ حج کے قریب تھی جب اس ارادہ کی اطلاع حجاز پہنچی تو وہاں حج پر آئے ہوئے لوگوں نے حکومت عراق سے درخواست کی کہ اس تاریخ کو قدرے مؤخر کر دیا جائے تاکہ حج سے فارغ ہو کر جو لوگ عراق آنا چاہیں وہ آسکیں۔ چنانچہ حکومت عراق نے حج کے بعد ایک تاریخ مقرر کر دی۔

مقررہ تاریخ پر نہ صرف اندرون عراق بلکہ دوسرے ملکوں سے بھی خلقت کا اس قدر ازدہام ہو گیا کہ حکومت نے سب کو یہ عمل دکھانے کے لیے بڑی بڑی سکرینیں دور دور تک لگائیں تاکہ جو لوگ براہ راست قبروں کے پاس یہ عمل نہ دیکھ سکیں وہ ان اسکرینوں پر اس کا عکس دیکھ لیں۔

اس طرح یہ مبارک قبریں کھولی گئیں اور ہزارہا افراد کے سمندر نے یہ حیرت انگیز منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ تقریباً تیرہ صدیاں گزرنے کے باوجود دونوں بزرگوں کی نعش ہائے مبارک صحیح سالم اور تر و تازہ تھیں۔ بلکہ ایک غیر مسلم ماہر امراضِ چشم وہاں موجود تھا۔ اس نے نعش مبارک کو دیکھ کر بتایا کہ ان میں ابھی تک وہ چمک بھی موجود ہے جو کسی مردے کی آنکھوں میں انتقال کے کچھ دیر بعد موجود نہیں رہ سکتی۔ چنانچہ وہ شخص یہ منظر دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔

نعش مبارک کو منتقل کرنے کے لیے پہلے سے مسجد حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے قریب جگہ تیار کر لی گئی تھی۔ وہاں تک لے جانے کے لیے نعش مبارک کو جنازہ پر رکھا گیا اس میں لمبے لمبے بانس باندھے گئے اور ہزارہا افراد کو کندھا دینے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس طرح اب دونوں بزرگوں کی قبریں اس موجودہ جگہ پر بنی ہوئی ہیں۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ، ڈاکٹر مولانا عمران اشرف عثمانی، بیت العلوم کراچی، ص ۱۷

ایک باکمال شخصیت کی زندگی کے چند اہم گوشے

سیدنا ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ

قبولِ اسلام:

قبل از اسلام حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ، عام اہلِ عرب کی طرح بت پرست تھے۔ بڑے اہتمام سے شراب پیتے تھے اور اس کے لیے ان کے ندیموں کی باقاعدہ ایک مجلس تھی۔

ابھی زمانہ شباب کا آغاز تھا۔ بہ مشکل بیس سال کی عمر ہوگی کہ آفتابِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم طلوع ہوا۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اُمِ سُلَیم رضی اللہ عنہا (حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ) کو نکاح کا پیغام بھیجا انہوں نے اسلام قبول کرنے کی شرط لگا دی جس کا اثر یہ ہوا کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ دینِ حنیف قبول کرنے پر آمادہ ہوگئے اور نکاح طے پا گیا۔

یہ وہ وقت تھا جب مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اسلام کے پُرجوش شیدائی، شہرِ یثرب میں دینِ اسلام کی تبلیغ کر رہے تھے۔ مدینہ کا جو مختصر قافلہ بیعت کے لیے روانہ ہوا تھا اس میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ اس بیعت میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو یہ شرف بھی حاصل ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو انصار کا نقیب تجویز فرمایا۔

اسلامی مواخاۃ:

بیعت عقبہ ثانیہ کے چند مہینے کے بعد خود حاملِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی جانب ہجرت کا ارادہ فرمایا اور یہاں آکر مہاجرین و انصار میں اسلامی برادری قائم فرمائی۔ مہاجرین میں سے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن جراح قریشی کو حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا گیا تھا جن کو ایمان کی پختگی کی بدولت دربارِ رسالت سے امین الامۃ (امت

کے سب سے بڑے امانت دار) کا خطاب عطا ہوا تھا اور جناب رسول اللہ ﷺ نے ان کو جنت کی بشارت سنائی تھی۔

غزوات میں شمولیت:

غزوۂ بدر اسلام کی تاریخ کا پہلا غزوہ ہے۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اس میں جوش و خروش سے حصہ لیا تھا۔ بدر کے بعد غزوۂ اُحد ہوا وہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی جانبازی کی خاص یادگار ہے۔ معرکہ اس شدت کا تھا کہ بڑے بڑے بہادروں کے قدم اُکھڑ رہے تھے لیکن حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے آگے ڈھال کی صورت سینہ تانے کھڑے رہے تاکہ آپ ﷺ کی طرف اگر کوئی تیر آئے تو میں اس کا نشانہ بن جاؤں اور حضور ﷺ محفوظ رہیں۔

اس روز آپ نہایت جوش میں یہ شعر پڑھ رہے تھے:

نَفْسِيْ لِنَفْسِكَ الفِدَآء

وَوَجْهِيْ لِوَجْهِكَ الوِقَآء

''میری جان آپ کی جان پر قربان اور میرا چہرہ آپ کے چہرے پر فدا ہو۔''

آپ ترکش میں سے تیر نکال کر ایسا جوڑ کر مارتے کہ مشرکوں کے جسم میں پیوست ہو جاتا۔ جب آنحضرت ﷺ یہ تماشا دیکھنے کے لیے سر اُٹھاتے تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ حفاظت کے لیے سامنے آجاتے اور کہتے ''نَحْرِیْ دُوْنَ نَحْرِکَ'' میرا سینہ آپ کے سینے سے پہلے حاضر ہے۔ آنحضرت ﷺ اس جاں نثاری اور سرفروشی سے خوش ہو کر فرماتے پوری فوج میں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی آواز، سو آدمی سے بہتر ہے۔

❁ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے غزوہ اُحد میں نہایت پامردی سے مشرکین کا مقابلہ کیا۔ آپ بڑے تیرانداز تھے۔ تیر پھینک پھینک کر اس دن دو تین کمانیں آپ کے ہاتھ سے

ٹوٹیں۔ اس وقت آپ کے سامنے دو باتیں اہم تھیں۔ ایک مسلمان کی شکست کا خیال دوسرے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کا مسئلہ۔ رسول اللہ ﷺ کی حفاظت جس ہاتھ سے کر رہے تھے وہ شل ہو گیا مگر انہوں نے اُف تک نہ کی۔

❁ غزوۂ خیبر میں حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا اونٹ آنحضرت ﷺ کے اونٹ کے بالکل برابر تھا۔ اس غزوہ میں بھی وہ اس حیثیت سے نمایاں رہے۔

❁ غزوۂ حنین میں حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے شجاعت کے خوب جوہر دکھائے۔ ۲۱،۲۰ کافروں کو قتل کیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا جو شخص جس آدمی کو مارے اس کے سارے اسباب کا مالک سمجھا جائے گا۔ چنانچہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے بیس اکیس آدمیوں کا سامان حصہ میں حاصل کیا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے غزوات میں یہ آخری غزوہ تھا جو کہ ۸ ھ میں واقع ہوا تھا۔

آپ کی خوبصورت گھریلو زندگی:

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے خانگی حالات میں دو چیزیں بہت نمایاں ہیں۔ نکاح اور اولاد۔ ان کا نکاح حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا سے ہوا تھا۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ مالک بن نضر (حضرت انس رضی اللہ عنہ کے والد) ہجرت نبوی ﷺ سے قبل اپنی بیوی اُم سُلَیم رضی اللہ عنہا سے ان کے اسلام قبول کرنے پر ناراض ہو کر شام چلے گئے تھے۔ جب وہاں ان کا انتقال ہو گیا تو ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے اُم سُلَیم رضی اللہ عنہا کو پیغامِ نکاح بھیج دیا۔ انہوں نے کہا میں تمہارا پیام رد نہیں کرتی لیکن تم کافر ہو اور میں مسلمان۔ میرا نکاح تمہارے ساتھ جائز نہیں اگر تم اسلام قبول کر لو تو مجھے نکاح میں عذر نہ ہو گا اور تمہارا اسلام ہی میرا حق مہر ہو گا۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے اور ان کا قبولِ اسلام ان کا حق مہر قرار پایا۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کسی عورت کا مہر اُم سُلَیم رضی اللہ عنہا سے افضل نہیں دیکھا سنا۔

✿ حضرت اُم سُلیم رضی اللہ عنہا سے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی کئی اولادیں ہوئیں لیکن سوائے عبداللہ رضی اللہ عنہ کے کوئی زندہ نہ رہا۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے ایک بیٹے کا نام ابوعمیر رضی اللہ عنہ تھا۔ اس نے بچپن میں ایک لال (سرخ رنگ کا خوش آواز پرندہ) پال رکھا تھا۔ اتفاق سے لال مرگیا۔ اس کو نہایت غم ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے تو اس کو غمگین پاکر پوچھا آج یہ سست کیوں ہے؟ بتایا گیا کہ اس کا پرندہ اُڑ گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ہنسانے کے لیے ایک لطیف سا جملہ فرمایا:

يَا اَبَا عُمَيْرِ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ

"اے ابوعمیر! تمہارے پرندے نے کیا کیا؟"

آپ کی زندگی کا ایک نہایت اہم واقعہ یہ بھی ہے کہ......

آپ کا ایک لڑکا چند روز سے بیمار تھا۔ ایک روز آپ گھر سے باہر کسی کام سے گئے واپس آئے تو پوچھا وہ کیسا ہے؟ بتایا گیا آرام وسکون میں ہے۔ وہ سمجھے شاید سو رہا ہے۔ کھانا کھایا اور سو گئے۔ اس رات میاں بیوی ملے بھی، صبح معلوم ہوا کہ وہ بیماری کی اذیت سے نجات پاکر اپنے رب کو سدھار گیا ہے۔ اس لیے آپ کی زوجہ نے کہا تھا کہ سکون میں ہے۔ آپ نے ساری بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی۔ آپ نے دعا فرمائی کہ اللہ آپ کی اس رات میں برکت عطا فرمائے۔

اس دعا کی برکت سے عبداللہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گھٹی دی۔ یہ اپنے زمانہ کے تمام ہم عمروں پر فضیلت رکھتے تھے۔ ان ہی سے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی نسل چلی۔ ان کے دو بیٹے تھے۔ اسحاق رضی اللہ عنہ اور عبداللہ رضی اللہ عنہ، عبداللہ کے صاحبزادے یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ تھے اور یہ سب اپنے عہد میں مَرجع اِنام اور علمِ حدیث کے امام تھے۔

✿ ایک دن حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے نفلی روزہ رکھا تھا۔ اتفاق سے اسی دن برف پڑی۔ وہ اُٹھے اور اولے چن چن کر کھانے لگے۔ لوگوں نے کہا آپ تو روزے سے

ہیں۔ آپ نے جواب دیا: حصولِ برکت کے لئے کھا رہا ہوں۔ (بعد میں اس نفلی روزے کی قضا کی۔)

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو شعر وسخن کا بھی ذوق تھا۔ میدانِ جنگ میں بھی خوب اشعار پڑھتے تھے۔ یہ شعر انہی کا ہے:

أَنَا أَبُو طَلْحَةَ وَاسْمِي زَيْدٌ
وَكُلَّ يَوْمٍ فِي سَلَاحِي صَيْدٌ

پاکیزہ اخلاق واوصاف:

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا سب سے بڑا اخلاقی جوہر حُبِّ رسول تھا۔ ایسی حالت میں جبکہ تمام مسلمان جنگ کی شدت سے مجبور ہو کر میدان میں منتشر ہو گئے تھے اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس معدودے چند صحابہ رہ گئے تھے۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا اپنی ذات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کرنے کے لیے آگے بڑھنا اور آپ کے سامنے کھڑے ہو کر کفار کے وار سہنا، حاملِ نبوت پر جو تیر آئے ان کو اپنے سینے پر روکنا اور آخر اسی حالت میں اپنا ہاتھ شل کروالینا حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ لازوال نشان ہے جو اَبد تک نہیں مٹ سکتا۔

❁ اسی محبت کا اثر تھا کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خصوصیت سے تمام معرکوں میں ساتھ رہتے تھے اور ان کا اونٹ، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ کے برابر چلتا تھا۔ غزوہ خیبر سے واپسی کے وقت حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ پر سوار تھیں۔ مدینہ کے قریب پہنچ کر ناقہ ٹھوکر لے کر گری۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صفیہ رضی اللہ عنہا دونوں زمین پر آ رہے۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سواری سے فوراً کود پڑے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ کر کہا:

يَارَسُوْلَ اللهِ! جَعَلَنِيَ اللهُ فِدَاكَ

"اللہ مجھے آپ پر قربان کرے! آپ کو چوٹ تو نہیں آئی؟"

حضور ﷺ نے فرمایا "مجھے چوٹ نہیں لگی، تم ذرا عورت کی خبر لو۔"

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ منہ پر رومال ڈال کر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے اور ان کو کجاوہ درست کر کے بٹھایا۔

❁ ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں دشمنوں کا کچھ خوف معلوم ہوا۔ رسول اللہ ﷺ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے جس کا نام مندوب تھا پر سوار ہو کر جس طرف سے اندیشہ تھا ادھر روانہ ہوئے۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ پیچھے پیچھے چلے لیکن ابھی پہنچنے نہ پائے تھے کہ آنحضرت ﷺ تشریف لے آئے۔ راستے میں ملاقات ہوئی۔ فرمایا وہاں کوئی دشمن نہیں ہے اور ہاں تمہارا یہ گھوڑا بہت تیز رفتار ہے۔

❁ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ سے ایسی محبت تھی جو ہر جگہ اور ہر کام میں اثر دکھاتی تھی یہاں تک کہ جب ان کے گھر میں کوئی چیز آتی تو خود رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیج دیتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ایک خرگوش پکڑ کر لائے۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے اس کو ذبح کیا اور ایک ران آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیج دی۔ آپ نے یہ معمولی لیکن پُر خلوص نذرانہ قبول فرمایا۔ اسی طرح حضرت اُمّ سُلَیم رضی اللہ عنہا نے ایک طباق میں خرمے بھیجے۔ حضور ﷺ نے قبول فرما کر ازواجِ مطہرات اور صحابہ میں تقسیم فرما دیے۔

❁ رسول اللہ ﷺ بھی اس محبت کی نہایت قدر کرتے تھے۔ چنانچہ جب آپ حج کے لیے مکہ تشریف لے گئے اور منیٰ میں حلق کرایا تو سر مبارک کے داہنے طرف کے بال تو اور لوگوں میں تقسیم ہو گئے۔ بائیں طرف کے سب موئے مبارک۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرمائے۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اس قدر خوش ہوئے کہ گویا دونوں جہاں کا خزانہ ہاتھ آ گیا۔

❁ جب آپ کے ہاں عبد اللہ نامی بیٹے متولد ہوئے تو آپ نے ان کو

آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ آپ ﷺ نے کچھ کھجور چبا کر اس سے لڑکے کو گھٹی دی۔ لڑکے نے منہ سے اس آبِ حیات کی گھٹی لی اور کھجور کو مسوڑھے سے دابنے لگا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا دیکھو انصار کو کھجوروں سے فطری طور پر محبت ہے۔ اس لڑکے کا نام آنحضرت ﷺ نے عبداللہ رکھا۔ رسول اللہ ﷺ کے لعاب مبارک کا یہ اثر تھا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تمام نوجوانانِ انصار پر فوقیت رکھتے تھے۔

اتباعِ رسول ﷺ کے عملی نمونے:

❁ جوشِ ایمان کا یہ عالم تھا کہ شراب حرام ہونے سے قبل ایک روز فضیح شراب جو کہ عمدہ کھجور سے بنتی ہے۔ پی رہے تھے کہ اسی حالت میں ایک شخص نے آکر خبر دی کہ شراب حرام ہوگئی۔ یہ سن کر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم اس گھڑے کو توڑ دو اور سب شراب بہا دو۔ انہوں نے ایسا ہی کر دیا۔

❁ قرآنِ کریم کی جب یہ آیت نازل ہوئی:

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ (آل عمران:۸۱)

"جب تک تم اس مال سے خرچ نہ کرو جو تمہیں محبوب ہے کامل نیکی نہیں پاسکتے۔"

تو اُمرائے انصار نے نقدی کی بند تھیلیوں کی مہریں توڑ دیں اور جس کے پاس جو قیمتی چیزیں تھیں آنحضرت ﷺ کے خدمت میں پیش کر دیں۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور بیرُ حا کو اللہ کی راہ میں وقف کیا۔

بیرُ حَا ان کی نہایت قیمتی جائیداد تھی۔ اس میں ایک کنواں تھا، اس کا پانی نہایت شیریں اور خوشبودار تھا اور آنحضرت ﷺ بہت شوق سے اس کو پیتے تھے۔ یہ اراضی حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے (محلہ) میں اور مسجد نبوی کے سامنے واقع تھی۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے اس وقف سے آپ ﷺ نہایت محظوظ ہوئے اور فرمایا:

بَخٍ بَخٍ ذَالِكَ مَالٌ رَابِحٌ ذَالِكَ مَالٌ رَابِحٌ

پھر آپ نے حکم دیا کہ اسے اپنے اعزہ میں تقسیم کردو۔ چنانچہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے چچازادوں اور دیگر اقارب جن میں سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور سیدنا اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، میں تقسیم کردیا۔

ایک مرتبہ باہر سے ایک شخص آیا اس کے قیام کا کوئی سامان نہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو جو اپنے ہاں مہمان رکھے اس پر اللہ کی رحمت ہوگی۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اُٹھ کر کہا میں لے جاتا ہوں۔ گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا۔ صرف بچوں کے لیے تھوڑا سا کھانا تھا۔ آپ نے بیوی سے کہا بچوں کو سلا دو اور جب میں مہمان کے پاس بیٹھوں تو چراغ درست کرنے کے بہانے گل کردو۔ اس طرح مہمانِ رسول کھانا کھا لے گا اور ہم بھی فرضی طور پر منہ چلاتے رہیں گے۔ غرض اس طرح مہمان کو کھلا کر سب گھر والے فاقے سے رہے۔ صبح کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شان میں یہ آیت پڑھ کر سنائی جو اسی موقع پر نازل ہوئی تھی:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (سورہ حشر:۹)

”اور وہ لوگ ایثار کرتے ہوئے اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں چاہے خود ضرورت مند ہوں۔“

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رات تمہارے عمل سے اللہ بہت خوش ہوا۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا ایک خاص وصف خلوص تھا۔ وہ شہرت پسندی، ریا اور نمود و نمائش سے دور رہتے تھے۔ بیرحا کو وقف کرتے وقت رسول اللہ سے قسم کھا کر کہا کہ یہ بات اگر چھپ سکتی تو میں کبھی ظاہر نہ کرتا۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ۴۰ سال کی زندگی پائی۔ یہ تمام عمر روزوں میں بسر کی۔ عیدین یا پھر بیماری کے ایام کے علاوہ روزے کا ناغہ نہ کرتے تھے۔

آپ کی عمر ستر سال تھی کہ آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ آپ کی وفات کا قصہ بھی نہایت عجیب ہے جو کہ سطورِ ذیل میں آ رہا ہے۔

قبرِ رسول کھودنے کا اعزاز:

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے وقت حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اپنے مکان میں تھے۔ ادھر مسجد نبوی ﷺ میں صحابہ رضی اللہ عنہم میں گفتگو ہوئی کہ آنحضرت ﷺ کی قبر کون تیار کرے؟ مدینہ میں بغلی اور مکہ میں صندوق والی قبریں کھودی جاتی تھیں جبکہ آنحضرت ﷺ بغلی قبر پسند فرماتے تھے۔ مسلمانوں میں دو شخص قبریں کھودتے تھے۔ مہاجرین میں ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اور انصار میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ صندوقی اور حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ لحد والی قبر بناتے تھے۔ دونوں کے پاس آدمی بھیجا گیا اور یہ بات طے پائی کہ جو پہلے پہنچے گا وہ قبر کھودنے کا شرف حاصل کرے گا چونکہ آنحضرت ﷺ کی مرضی بغلی کی تھی بہت سے مسلمان دعا کر رہے تھے کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ پہلے پہنچ جائیں۔ یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ پہنچ گئے اور حضور ﷺ کے لیے بغلی قبر کھودنے کا اعزاز پالیا اور یوں رسول اللہ ﷺ کی منشا بھی پوری ہوگئی۔

❁ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد بہت سے صحابہ نے مدینہ کی سکونت ترک کر دی تھی اور شام چلے گئے تھے۔ سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بھی ان ہی غمزدوں میں داخل تھے لیکن جب زیادہ پریشانی بڑھتی تو آستانۂ نبوت ﷺ کا رخ کرتے اور مہینوں کا سفر طے کر کے رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر پر حاضر ہوتے اور قلب و جگر کو سکون پہنچاتے۔

❁ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عہدِ خلافت، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے شام میں گزارا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت کا بیشتر حصہ بھی وہیں بسر ہوا۔ البتہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی وفات سے کچھ روز پہلے آپ مدینہ میں تشریف فرما تھے۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو ان کی ذات پر جو اعتماد اور ان کی منزلت کا جو خیال تھا وہ اس سے

ظاہر ہے کہ جب آپ نے چھ آدمیوں کو خلافت کے لیے نامزد فرمایا تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر کہا آپ لوگوں کے سبب سے خدا نے اسلام کو عزت دی۔ آپ انصار کے پچاس آدمی لے کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر متعین رہیں تاوقتیکہ یہ کوئی خلیفہ نامزد کر لیں۔

جہاز پر انتقال اور سات دن بعد تدفین:

ایک دن آپ سورۂ برأت تلاوت فرما رہے تھے۔ جب اس آیت { اِنْفِرُوْا خِفَافاً وَّثِقَالاً } پر پہنچے ولولۂ جہاد تازہ ہوا۔ گھر والوں سے کہا کہ خدا نے بوڑھے اور جوان سب پر جہاد فرض کیا ہے۔ میں پھر جہاد میں جانا چاہتا ہوں۔ میرے سفر کا انتظام کر دو (یہ دو مرتبہ کہا)۔ بڑھاپے کے علاوہ روزہ رکھتے رکھتے بھی بہت نحیف ہو گئے تھے۔ گھر والوں نے کہا اللہ آپ پر رحم فرمائے! عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تمام غزوات میں شریک ہو چکے، ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں برابر جہاد کیا۔ کیا اب بھی جہاد کی حرص باقی ہے؟ آپ گھر بیٹھئے، ہم لوگ آپ کی طرف سے جہاد میں جائیں گے۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بھلا رکنے والے کب تھے۔ شہادت کا شوق ان کو اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ بولے، جو میں کہتا ہوں اس کی تعمیل کرو۔ گھر والوں نے چار و ناچار سامانِ سفر درست کیا اور یہ ستر برس کا بوڑھا مجاہد، اللہ کا نام لے کر چل پڑا۔ غزوہ بحری کے لئے اسلامی بیڑہ روانہ ہونے والا تھا۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ جہاز پر سوار ہوئے اور غزوہ کے منتظر تھے کہ ساعتِ مقررہ آ پہنچی اور ان کی روح عالم قدس کی جانب پرواز کر گئی۔

بحری سفر تھا۔ زمین کہیں نظر نہ آتی تھی۔ ہوا کے جھونکے جہاز کو غیر معلوم سمت میں لیے جا رہے تھے۔ اس مجاہد فی سبیل اللہ کی لاش جہاز کے تختہ پر رکھی رہی۔ آخر ساتویں روز جہاز خشکی پر پہنچا۔ اس وقت لوگوں نے لاش کو وہاں ایک جزیرہ میں دفن کیا۔ اس وقت تک لاش بعینہٖ صحیح وسالم اور تر و تازہ تھی۔

سیر الصحابہ، حصہ اوّل جلد ۳، ص ۱۶۱ تا ۱۶۵، اختصار و تصرف کے ساتھ

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی بے مثال بہادری

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ اُحد کے دن میں یہ رجزیہ اشعار پڑھ رہا تھا:

نَحْنُ حُمَاةُ غَالِبٍ وَمَالِكِ

نَذُبُّ عَنْ رَسُولِنَا الْمُبَارَكِ

ہم قبیلہ غالب اور قبیلہ مالک کے محافظ اور اپنے مبارک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرنے والے ہیں۔

میدانِ جنگ میں ہم دشمنوں کو تلواریں مار مار کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے ہٹا رہے ہیں اور ہم انہیں ایسے مار رہے ہیں جیسے کہ اونچے کوہان والی موٹی اونٹنیوں کو بیٹھنے کی جگہ میں کناروں پر مارا جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ اُحد سے واپس آتے ہوئے یوم اُحد میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی بے مثال بہادری کے جوہر دکھانے پر حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ تم طلحہ رضی اللہ عنہ کی تعریف میں کچھ اشعار کہو۔ چنانچہ انہوں نے آپ کی مدح میں یہ اشعار کہے:

وَطَلْحَة يَوْمَ الشِّعْبِ آسَى مُحَمَّدًا

عَلَىٰ سَاعَةٍ ضَاقَتْ عَلَيْهِ وَشَقَّتِ

اورگھاٹی کے دن طلحہ رضی اللہ عنہ نے تنگی اور مشکل کے وقت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی غم خواری کی اور آپ پر جان نثاری کی۔

يَقِيهِ بِكَفَّيْهِ الرِّمَاحُ وَأَسْلَمَتْ

أَشَاجِعُهُ تَحْتَ السُّيُوفِ فَشُلَّتِ

وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نیزوں سے بچاتے رہے، جس سے ان کی انگلیوں کے پورے تلواروں کے سامنے آ کر کٹ گئے اور شل ہو گئے۔

وَكَانَ أَمَامَ النَّاسِ إِلَّا مُحَمَّدًا

أَقَامَ رِحَى الْإِسْلَامِ حَتَّى اسْتَقَلَّتِ

حضرت محمد ﷺ کے علاوہ وہ سب لوگوں سے آگے اور نمایاں تھے اور انہوں نے اسلام کی چکی کو یوں چلایا کہ پھر وہ رواں دواں چلنے لگی۔

پھر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں مدح کے اشعار کہے، جن کا ترجمہ یہ ہے:

"طلحہ رضی اللہ عنہ نے ہدایت والے نبی کی اس وقت حفاظت کی جب کہ بہت سے سوار آپ کے تعاقب میں تھے اور جب وہ سوار قریب آتے تو یہ دین کی حمایت میں خوب لڑتے۔"

جب لوگوں کی حفاظت کرنے والے پیٹھ پھیر کر بھاگ رہے تھے اس وقت یہ نیزوں کے سامنے ڈٹے ہوئے تھے۔ اس دن لوگ دو طرح کے تھے ہدایت یافتہ مسلمان یا فتنہ میں مبتلا کافر۔

اے طلحہ بن عبید اللہ! تمہارے لیے جنت واجب ہوگئی اور خوب صورت آ ہو چشم حوروں سے تمہاری شادی طے پا گئی۔ آپ ﷺ نے یہ اشعار پسند فرمائے۔

پھر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ شعر کہا:

حَمَى نَبِيَّ الْهُدَى بِالسَّيْفِ مُنْصَلِتاً

لَمَّا تَوَلَّى جَمِيعُ النَّاسِ وَانْكَشَفُوْا

"جب تم لوگوں نے پشت پھیر لی اور شکست کھا گئے اس وقت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بے نیام تلوار کے ساتھ رسولِ ہدیٰ ﷺ کی خوب حفاظت کی۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے مہر تصدیق ثبت کرتے ہوئے فرمایا:

صَدَقْتَ يَا عُمَرُ! "اے عمر رضی اللہ عنہ! تو نے سچ کہا"(1)

حضور ﷺ کی نگاہِ محبت میں:

حضرت موسیٰ بن طلحہ رضی اللہ عنہ اپنے ابا جان سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے غزوہ اُحد کے دن مجھے طلحۃ الخیر فرمایا (بہت سی بھلائی سمیٹنے والا طلحہ رضی اللہ عنہ)

غزوہ تبوک کے دن مجھے طلحۃ الفیاض فرمایا (فیاضی کرنے والا طلحہ رضی اللہ عنہ)

اور غزوہ حنین کے دن مجھے طلحۃ الجود فرمایا (سخاوت کرنے والا طلحہ رضی اللہ عنہ) (۲)

دعائے رسول ﷺ...... جنت واجب:

غزوہ اُحد میں رسالت مآب ﷺ کے جسمِ اطہر پر دو زرہیں تھیں۔ دورانِ جنگ ایک چٹان پر آپ چڑھنے لگے۔ مگر زرہوں کے بوجھ کے باعث کچھ مشکل پیش آئی۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ جھٹ سے آگے بڑھے آپ نے انہیں نیچے بٹھایا اور ان کے سہارے اوپر چڑھے اور یہ بشارت سنائی کہ طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے لئے جنت واجب کر لی۔

مجھے دوسری قبر میں منتقل کرو:

حضرت علی بن زید رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے مسلسل تین رات خواب میں دیکھا کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں۔ مجھے یہاں سے کسی اور جگہ منتقل کرو پانی مجھے تکلیف دے رہا ہے۔ یہ معاملہ رئیس المفسرین سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے اس جگہ کا معائنہ فرمایا۔ ایک طرف نشیبی جگہ تھی وہاں سے پانی اندر داخل ہو رہا تھا۔ چنانچہ قبر کھولی گئی اور آپ کو حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ (مولیٰ حارث بن کلدہ) کا ایک مکان دس ہزار درہم سے خرید کر اس میں دفن کیا گیا۔ سارا جسم سلامت تھا آنکھوں پر لگایا جانے والا کافور بھی اسی طرح لگا ہوا تھا۔ ہاں سر کی چوٹی پر وقتِ شہادت جو زخم آیا تھا وہاں سے ہڈی اپنی جگہ سے ہلی ہوئی تھی۔ (۳)

روایاتِ حدیث......وہ شخص جنتی ہے:

آپ سے بہت سی احادیث مروی ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں:

(۱) سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس کے بال اُلجھے ہوئے تھے۔

اس نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! ہمیں بتایئے کہ ہم پر اللہ نے کتنی نمازیں فرض کی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پانچ نمازیں لیکن اگر تو نفل پڑھے تو اور بات ہے۔

پھر اس نے عرض کیا: ہمیں بتایئے کہ کتنے روزے اللہ نے ہم پر فرض کیے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ماہِ رمضان کے روزے لیکن اگر تو نفل رکھے تو اضافی امر ہے۔

پھر اس نے عرض کیا کہ ہمیں بتایئے کہ اللہ نے ہم پر کتنی زکوٰۃ فرض کی ہے؟

(اسی طرح کے دیگر کچھ سوالات بھی کیے۔)

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے شرائع اسلام بتا دیے تو اس شخص نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو باعزت بنایا، میں اس سے نہ کچھ کم کروں گا نہ زیادہ۔ جو اللہ تعالیٰ نے ہم پر فرض کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ شخص کامیاب ہو گیا اگر اپنے قول میں سچا ہے یا یہ فرمایا کہ وہ شخص جنت میں جائے گا اگر اپنے قول میں سچا ہے۔ (۴)

(۲) حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب چاند دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ اَهِلَّهُ عَلَيْنَا بِالْيُمْنِ وَالْاِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْاِسْلَامِ

رَبِّيْ وَرَبُّكَ اللّٰهُ

اے اللہ ہم پر اس چاند کو خیر، ایمان، سلامتی اور اسلام کے ساتھ طلوع فرما۔ (اے

چاند) میرا اور تیرا رب اللہ ہی ہے۔[5] (حدیث میں آہِلَّۂ کا لفظ بھی آیا ہے۔)

(۳) سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نبی کا جنت میں ایک رفیق ہوتا ہے اور میرا رفیق عثمان رضی اللہ عنہ ہے۔[6]

---

(۱) حیاۃ الصحابہ، مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ۱ / ۵۸۷، مکتبہ الحسن لاہور
(۲) أسد الغابہ، ۳ / ۸۴، رقم ۲۵۸، دار الکتب العلمیہ بیروت
(۳) أسد الغابہ، ۳ / ۸۴، رقم ۲۵۸، (دار الکتب العلمیہ بیروت)
(۴) صحیح بخاری، کتاب الصوم رقم: ۱۷۸۶
(۵) جامع ترمذی، کتاب الدعوات
(۶) جامع ترمذی، کتاب المناقب، فی مناقب عثمان رضی اللہ عنہ

سیدنا خُرَیم رضی اللہ عنہ ایک نفیس مزاج، جلیل القدر صحابی
(ان کی کہانی انہی کی زبانی)

آپ کا نام خریم رضی اللہ عنہ اور کنیت ابو یحییٰ تھی۔ آپ اُس وقت اسلام لائے جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لا چکے تھے۔ ان کے اسلام کا دلچسپ واقعہ خود ان کی زبانی سنئے۔

وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ اپنے اُونٹوں کو لے کر نکلا۔ ان پر عراقہ کی دہشت طاری ہوگئی۔ میں نے ان کے چھندان ڈال دیا اور ایک کے بازو سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ طیبہ میں تشریف آوری کے وقت کا واقعہ ہے۔ پھر میں نے کہا اس وادی کے آسیب سے پناہ مانگتا ہوں۔ زمانہ جاہلیت میں ایسے مواقع پر لوگ ایسا ہی کہا کرتے تھے اتنے میں ایک آواز نے مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی اطلاع دی۔ میں نے یہ آواز سن کر پوچھا: اللہ تم پر رحمت نازل فرمائے، تم کون ہو؟ جواب ملا: میں مالک بن مالک ہوں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد بھیجا تھا۔ میں نے کہا اگر میرے اونٹوں کی حفاظت کی کوئی ذمہ داری لے لیتا تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر آپ پر ایمان لاتا۔ مالک نے کہا میں ذمہ دار ہوں ان کو بحفاظت تمہارے گھر پہنچا دوں گا۔ چنانچہ میں نے ان میں سے ایک اُونٹ کھولا اور اس پر سوار ہو کر مدینہ منورہ آیا۔

میں ایسے وقت مدینہ پہنچا جب لوگ نماز جمعہ میں مشغول تھے۔ میں نے خیال کیا کہ لوگ نماز سے فارغ ہو جائیں تب میں مسجد میں جاؤں۔ یہ خیال کر کے اپنا اونٹ باندھنے جا رہا تھا کہ سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ آئے اور کہا کہ تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلاتے ہیں۔ میں مسجد میں داخل ہوا مجھ کو دیکھتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کو معلوم ہے کہ جس نے

تمہارے اونٹوں کو تمہارے گھر پہنچانے کی ذمہ داری لی تھی، اس نے کیا کیا؟ سنو! اس نے بحفاظت تمہارے اونٹوں کو منزل پر پہنچا دیا ہے۔ میں نے کہا اللہ اس پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں ان پر اللہ اپنی رحمت نازل فرمائے۔ اس کے بعد خریم رضی اللہ عنہ کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ (۱)

حضور ﷺ سے محبت واطاعت:

آپ رسول کریم ﷺ سے بے پناہ محبت کرتے اور اطاعت میں کوئی کسر نہ چھوڑتے تھے۔ آپ نہایت لطیف مزاج اور نفاست پسند تھے۔ لباس اور وضع قطع میں خوبصورتی اور نفاست کا بہت لحاظ رکھتے تھے۔ قبولِ اسلام سے پہلے تہمد لٹکا کر چلتے تھے اور لمبے لمبے گیسو دوش پر لہرایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خریم کیا خوب آدمی ہیں کاش اتنے لمبے بال نہ رکھتے اور تہمد یوں نیچے نہ لٹکاتے۔ آپ ﷺ کا یہ ارشاد حضرت خریم رضی اللہ عنہ کے کانوں تک پہنچا تو خمدار اور لمبے گیسو کٹ کر صاف ہو گئے اور نیچا لٹکتا تہمد نصف پنڈلی تک آ گیا۔ (سنن ابو داؤد، کتاب اللباس باب ماجاء فی اسبال الازار)

رسول اللہ ﷺ کی معیت میں آپ بدر و اُحد سمیت کئی غزوات میں شریک ہوئے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں شام کی فتوحات میں بھی شریک رہے۔ جب کوفہ آباد ہوا تو وہاں قیام کر لیا تھا۔ بعد ازاں ملک شام منتقل ہو گئے تھے اور یہیں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں وفات پائی۔ (۲)

آپ کی مشہور روایاتِ حدیث:

حضرت خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص راہِ خدا میں ایک چیز خرچ کرتا ہے تو خداوند قدوس اس کے واسطے سات سو گنا اجر لکھ دیتے ہیں۔ (۳)

حضرت خریم بن فاتک اسدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک روز نبی اکرم ﷺ نے نماز صبح ادا فرمائی۔ سلام پھیر کر کھڑے ہوئے اور تین بار فرمایا جھوٹی گواہی اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کے مترادف ہے۔

پھر یہ آیت مبارک تلاوت فرمائی:

وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ

''تم جھوٹی بات سے اجتناب کرو۔ اللہ کی طرف یکسو ہو جاؤ۔ اس کے ساتھ شرک کرنے والے نہ بنو۔''(۴)

(۱) المستدرک علی الصحیحین للحاکم، کتاب معرفۃ الصحابۃ رضی اللہ عنہم ذکر خریم بن فاتک الأسدي رضی اللہ عنہ، حدیث ۶۶۴۸

(۲) سیر الصحابہ جلد چہارم، حصہ ششم و ہفتم، ص ۳۰۶، دار الاشاعت کراچی

(۳) سنن ترمذی، کتاب الجہاد، باب ما جاء فی فضل النفقۃ فی سبیل اللہ

(۴) سنن ابن ماجہ، کتاب الاحکام، باب شہادۃ الزور

یہی میرا مقتل ہے

حضرت حواء [کے ہاں بیک وقت ایک لڑکا اور ایک لڑکی جڑواں پیدا ہوتے تھے اور ان بچوں کے آپس میں نکاح کا یہ دستور تھا کہ ایک بار پیدا ہونے والے لڑکے اور لڑکی کا نکاح دوسری مرتبہ پیدا ہونے والے لڑکے اور لڑکی سے نکاح کر دیا جاتا تھا۔ اس شرعی دستور کے مطابق قابیل اور ہابیل کی شادی کا مسئلہ پیش آیا۔ قابیل عمر میں بڑا تھا اور اس کی بہن (جو اس کے ساتھ پیدا ہوئی تھی) ہابیل کی بہن سے بہت زیادہ حسین و جمیل تھی۔ قابیل یہ چاہتا تھا کہ اپنی جڑواں بہن سے خود ہی نکاح کر لے اور دستور کے مطابق ہابیل کو یہ موقعہ نہ دے جو اس کا شرعی حق تھا۔ جب یہ کشمکش طول پکڑ گئی اور کسی طرح افہام و تفہیم کا سلسلہ کامیاب نہ ہو سکا تو حضرت آدم علیہ السلام نے وحی الٰہی کی ہدایت پر اس قضیے کا اس طرح فیصلہ دیا کہ دونوں بیٹے اپنی اپنی کمائی سے اللہ کی بارگاہ میں قربانی پیش کریں جس کی قربانی قبول ہو جائے وہی اپنا ارادہ پورا کرنے کا مستحق ہوگا۔

اس زمانے میں قربانی کا یہ دستور تھا کہ کسی بلند مقام پر اپنی نذر اور قربانی رکھ دی جاتی۔ آسمان سے آگ نمودار ہوتی اور اس کو جلا دیتی تھی۔ نذر قبول ہونے کی یہ علامت سمجھی جاتی تھی۔ اس دستور کے مطابق ہابیل (چھوٹے بھائی) نے اپنے جانوروں میں سے ایک فربہ جانور اللہ کی نذر کیا اور (بڑے بھائی) قابیل نے اپنی کھیتی کے غلے سے ردی قسم کا کچھ اناج قربانی کے لیے پیش کیا۔

جب دونوں نے اپنی اپنی نذر ایک بلند پہاڑ پر رکھ دی تو آسمان سے آگ نمودار ہوئی اور چھوٹے بھائی ہابیل کی نذر کو جلا دیا اور قابیل کی نذر ویسے ہی پڑی رہی۔ اللہ کا فیصلہ ظاہر ہو گیا کہ ہابیل حق پر ہے اور قابیل ظلم اور ناحق پر۔

قابیل نے اللہ کے اس فیصلہ کو قبول نہ کیا اور اپنے چھوٹے بھائی ہابیل کا دشمن بن

گیا۔ بغض وعداوت نے قابیل کو اس حد تک دیوانہ بنادیا کہ وہ اپنے حق پرست بھائی کو قتل کرنے کی فکر میں پڑ گیا۔ ہابیل کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو وہ اس گناہ کے تصور سے کانپ گیا اور اپنے تقویٰ ونیکی کو باقی رکھنے کے لیے اپنے ظالم بھائی سے یوں مخاطب ہوا۔

بھائی تیری جو مرضی ہو وہ کر گزر۔ میں تو اس گناہ میں خود کو ملوث نہیں کروں گا۔ مطلب یہ تھا کہ اگر تو میرے قتل کے درپے ہے تو میں تیرے قتل کے درپے نہیں ہوں گا۔ رہا قربانی والا معاملہ وہ تو واضح ہے کہ اللہ نیک اور حق پرست انسانوں ہی کی قربانی قبول کرتا ہے۔ یعنی اگر تیری قربانی قبول نہیں ہوئی تو یہ میرے کسی قصور کی وجہ سے نہیں ہے۔ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ تجھ میں تقویٰ نہیں ہے۔ لہٰذا مجھے قتل کرنے کی بجائے تجھے اپنے اندر تقویٰ پیدا کرنے کی فکر کرنی چاہیے۔ قربانی کے اس امتحان سے تجھ کو ہدایت و نصیحت حاصل کرنی چاہیے۔ یہی دنیا وآخرت کی فلاح کا ذریعہ ہے۔

پہلا انسانی قتل:

ہابیل کی مخلصانہ نصیحت و ہدایت کا اُلٹا اثر ہوا اور قابیل نے طیش میں آ کر اپنے حق پرست بھائی ہابیل کو قتل کر ڈالا۔ اس وقت ہابیل کی عمر بیس سال تھی۔ روئے زمین پر ابھی تک قتل انسانی کا حادثہ نہیں ہوا تھا اور غالباً یہ دنیا میں پہلی موت بھی تھی۔ ہابیل مظلوم کی نعش زمین پر پڑی رہی۔ نسل انسانی کا یہ پہلا ناحق خون تھا۔ قابیل کا جنونِ انتقام جب سرد پڑا تب یہ فکر لاحق ہوئی کہ اپنے اس ''عمل بد'' کو کس طرح چھپایا جائے؟ اور نعش کا کیا انتظام کیا جائے؟

اب تک دفن کرنے کا طریقہ جاری نہیں ہوا تھا۔ قابیل اپنے مظلوم بھائی ہابیل کی نعش کو اپنی پشت پر لیے پھرتا رہا۔ کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آئی۔ جب تھک گیا تو اللہ تعالیٰ نے دستگیری فرمائی۔ ایک کوے کو دیکھا کہ وہ زمین کرید کرید کر گڑھا بنا کر ایک مردہ کوے کو

اس میں چھپا رہا ہے۔ تب قابیل کو احساس ہوا کہ مجھے بھی ایسا ہی کرنا چاہیے۔ چنانچہ زمین کھود کر اس میں اپنے بھائی کی نعش کو چھپا دیا۔ اس عمل کے بعد اپنی کم عقلی پر افسوس کرنے لگا کہ ہائے افسوس میں اس کوے سے بھی گیا گزرا ہوں جو اپنے جرم کو چھپانے کی بھی اہلیت نہیں رکھتا۔ افسوس میں ایک حقیر جانور سے بھی کمتر ہوں اور مجھ میں اتنی بھی عقل نہیں۔ اس کے بعد اس کی عقل جاتی رہی، بدن سیاہ پڑ گیا اور اسی حالت میں وہ فوت ہو گیا۔

مقتل ہابیل:

دمشق (ملک شام) کے شمال میں جبل قاسیون پر ایک زیارت گاہِ عام چلی آ رہی ہے جو "مقتل ہابیل" کے نام سے مشہور ہے۔ مؤرخ ابن عساکر نے احمد بن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ میں ان کا ایک خواب نقل کیا ہے کہ انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا آپ کے ساتھ ہابیل بھی تھے۔ ہابیل نے قسم کھا کر کہا کہ یہی میرا مقتل ہے۔ اس پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں اس کی بات کی تصدیق فرمائی۔ واللہ اعلم

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب "البدایہ والنہایہ" میں اس واقعہ کو نقل کر کے یہ کلام کیا ہے کہ اگرچہ یہ خواب سچا ہے تاہم اس سے کوئی شرعی یا تاریخی حکم ثابت نہیں ہوتا۔

دفن کا پاکیزہ طریقہ:

ہابیل چونکہ خدا کا مقبول بندہ تھا اس لیے اس کے بدن کی تعظیم و تکریم کے لیے دفن کا پاکیزہ طریقہ رائج کیا گیا جو قیامت تک کے لیے نسل انسانی کی سنت قرار پائی اور اس سے بہتر کوئی اور طریقہ آج تک وجود میں نہ آیا۔ دراصل نیک لوگوں کی حیات و وفات دونوں ہی نرالی ہوتی ہیں۔

سیرت انبیاء کرام علیہم السلام، جلد اول، ص ۴۸ تا ۵۱، ادارہ اسلامیات لاہور

مشک وعنبر حضور ﷺ کے پسینے کو ترستے ہیں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا مبارک پسینہ آبدار موتیوں جیسا مہکتی ہوئی مشک سے زیادہ خوشبو دار تھا۔ آپ سب سے خوب صورت چہرے والے اور پُر نور رنگ والے تھے۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: میں نے مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نماز ظہر ادا کی۔ پھر آپ ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے۔ میں بھی آپ کے ساتھ ہو لیا۔ راستہ میں بچوں نے آپ کا استقبال کیا۔ آپ کمالِ شفقت ومحبت سے ہر ایک کے رخسار پر ہاتھ پھیرتے۔ چونکہ میں بھی بچہ تھا آپ ﷺ نے میرے رخسار پر بھی ہاتھ پھیرا۔ میں نے آپ کے دست مبارک میں ایسی ٹھنڈک اور خوشبو محسوس کی کہ گویا آپ نے ابھی ابھی اپنا ہاتھ خوشبو ساز کے عطر دان سے نکالا ہو۔ (۱)

حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے لیے گدا بچھا دیتیں اور آپ دوپہر کے وقت اس پر آرام فرماتے۔ جب آپ بیدار ہو کر تشریف لے جاتے تو اُم سلیم رضی اللہ عنہا آپ کے پسینہ کو ایک شیشی میں محفوظ کر لیتیں۔ پھر جمع شدہ پسینہ اور پہلے سے موجود آپ کے موئے مبارک اپنے عطر دان کی مرکب خوشبو میں ملا دیتیں۔ (اس طرح بہترین خوشبو تیار ہو جاتی) راوی کہتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے مرتے وقت وصیت کی کہ میری حنوط میں اس خوشبو کو ضرور استعمال کیا جائے۔ چنانچہ آپ کے کفن وغیرہ کو لگانے کے لیے وہی خوشبو استعمال کی گئی جس میں رسول اللہ ﷺ کے پسینہ کی آمیزش تھی۔ (۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دفعہ ہمارے گھر تشریف لائے اور قیلولہ فرمایا۔ اس دوران آپ ﷺ کو پسینہ آیا۔ میری والدہ اُم سلیم رضی اللہ عنہا ایک شیشی

لائیں اور آپ کا پسینہ (پونچھ) کر اس میں جمع کرنے لگیں۔ اتنے میں آپ بیدار ہو گئے اور پوچھا: اُمِ سلیم! تم یہ کیا کر رہی ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم اس پسینہ کو اپنی خوشبو میں ملائیں گے۔ اس سے بہترین خوشبو تیار ہو جاتی ہے۔ (۳)

---

(۱) ۱۸۴ صحیح مسلم ص ۲۵۶ ج ۲ (۲) صحیح بخاری ص ۷۰، ج ۱

(۳) آئینہ جمالِ نبوت، ابراہیم بن عبداللہ الحازمی، ص ۶۱ تا ۶۳

خوش مزاجی اور ظرافت رسولِ کریم ﷺ

آنحضوت ﷺ کی مجالس میں گو وقار، سنجیدگی اور متانت کی فضا ہر وقت قائم رہتی۔ یہاں تک کہ خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضور ﷺ کی بابرکت صحبت میں ایسے باادب و باتمکین ہو کر بیٹھتے کہ گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں اور وہ ادنیٰ سی حرکت سے اُڑ جائیں گے۔ مگر پھر بھی آنحضرت ﷺ کی خوش طبعی کی جھلک ان متبرک صحبتوں کو خوش گوار بناتی رہتی۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ اگر ایک طرف نبی مرسل کی حیثیت سے احترامِ رسالت کو ملحوظ رکھتے ہوئے وعظ و تلقین میں مصروف رہتے تو دوسری طرف آپ، صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ایک بے تکلف دوست اور ایک خوش مزاج ساتھی کی حیثیت سے بھی میل جول فرماتے۔ اگرچہ زیادہ اوقات میں آپ کی مجلس ایک دینی درسگاہ اور تعلیمی ادارہ بنی رہتی تاہم کچھ دیر کے لیے خوش طبع مہذب دوستوں کی ظرافت کی باتیں بھی ہوتیں۔ گھربار کے روزانہ کے قصے بھی بیان ہوتے۔ غرض بے تکلفی سے آپ اور صحابہ نیز صحابہ کرام آپس میں بھی گفتگو کرتے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ کی ظرافت کس طرح کی تھی؟ اس تشریح کی یوں ضرورت ہے کہ بہت سے کاموں میں ہمارے غلط عمل سے ہمارے نظریات بدل چکے ہیں۔ تخیل کہاں سے کہاں چلا گیا ہے۔ ہر معاملہ میں اعتدال کھو بیٹھتے ہیں۔ اگر ہم سنجیدہ اور متین بنتے ہیں تو استنے کہ خوش طبعی اور ظرافت ہم سے کوسوں دور رہتی ہے اور اگر خوش طبع بنتے ہیں تو اس قدر کہ تہذیب ہم سے کوسوں دور رہتی ہے۔ اس لیے حضور ﷺ کے عمل سے ہمیں ایک خاص معیار اپنے سامنے رکھنا ہے۔ آپ کی ظرافت کی تعریف آپ ہی کی زبان مبارک سے سن لیجیے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ سے تعجب سے پوچھا کہ آپ بھی مزاح فرماتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”ہاں بے شک! مگر میرا مزاح سراسر سچائی اور حق پر مبنی ہے۔“ اس کے مقابلہ میں ہمارا آج کل کا مذاق وہ ہے جس میں جھوٹ، غیبت، بہتان، طعن و تشنیع اور بے جا مبالغوں سے کام لیا گیا ہو۔

ذیل میں آنحضرت ﷺ کی ظرافت کے چند واقعات قلم بند کرتا ہوں۔

☆ ایک شخص نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر سواری کے لیے درخواست کی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں تمہیں سواری کے لیے اونٹنی کا بچہ دوں گا۔ وہ شخص حیران ہوا۔ کیونکہ اونٹنی کا بچہ سواری کا کام کب دے سکتا ہے؟

عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں اونٹنی کا بچہ کیا کروں گا؟

آپ نے ارشاد فرمایا کیا کوئی اُونٹ ایسا بھی ہوتا ہے جو اونٹنی کا بچہ نہ ہو؟

☆ ایک مرتبہ ایک بڑھیا خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور لجاجت سے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! میرے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت نصیب کرے۔ آپ نے ارشاد فرمایا بوڑھی عورتیں جنت میں نہیں جائیں گی۔ یہ فرما کر آپ نماز کے لیے تشریف لے گئے اور بڑھیا نے حضور اکرم ﷺ کے الفاظ سنتے ہی زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ آپ نماز سے فارغ ہو کر تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! جب سے آپ نے فرمایا ہے بوڑھی عورتیں جنت میں نہیں جائیں گی یہ بڑھیا رو رہی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے کہہ دو کہ بوڑھی عورتیں جنت میں جائیں گی مگر جوان ہو کر۔ (یہ سن کر وہ خوب ہنسی۔)

☆ آنحضرت ﷺ کے زاہرؓ نامی ایک دیہاتی دوست تھے جو اکثر آپ کو ہدیے بھیجا کرتے تھے۔ ایک روز بازار میں وہ اپنی کوئی چیز بیچ رہے تھے کہ اتفاق سے حضورِ اکرم ﷺ ادھر سے گزرے۔ ان کو دیکھا تو بطور خوش طبعی چپکے سے پیچھے سے جا کر ان کو گود میں بھر لیا اور بطور ظرافت آواز لگائی کہ اس غلام کو کون خریدے گا؟ زاہر رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے چھوڑ دو کون ہے؟ ذرا مڑ کر دیکھا تو سرورِ دو عالم ﷺ تھے۔ حضرت زاہر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یارسول اللہ ﷺ! مجھ جیسے غلام کو جو خریدے گا نقصان ہی اُٹھائے گا۔ ان کا رنگ سانولا اور خوب صورت نہ ہونے کی وجہ سے ایسا کہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ایسی بات نہیں! تم اللہ کے ہاں بہت قیمتی ہو۔''

اسوہ رسول اکرم ﷺ، ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۰۵، ۱۰۶، مکتبہ عمر فاروق کراچی

حضرت شیخ الحدیث کا بارگاہِ رسالت میں ایک خط

حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق خان رحمہ اللہ (اکوڑہ خٹک والے) نے اپنی بیماری کے ایام میں بارگاہِ رسالت ﷺ میں ایک خط بھیجا۔ حضرت کا یہ خط تاریخ کا کوئی انوکھا واقعہ نہیں۔ بلکہ تاریخِ اسلاف میں اس کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ عمر بن احمد خربوتی رحمہ اللہ اپنی شرح میں قصیدہ بردہ کے اس شعر:

کم ابراءت وصبا باللمس راحته

واطلقت اربا من ربقة اللمم

کے تحت لکھتے ہیں کہ میرے استاد کی اہلیہ محترمہ دل کی بیماری میں مبتلا تھیں۔

''مرض بڑھتا گیا، جوں جوں دوا کی''

کے مصداق علاج معالجہ سے کوئی افاقہ اور آرام نہ ہوا تو ایک دن میرے استاد نے مجھے فرمایا کہ میری طرف سے امام الانبیاء ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک عریضہ اور درخواست لکھیں کہ آپ ﷺ بارگاہِ الٰہی میں مریضہ کی صحت یابی کے لیے شفاعت اور سفارش فرمائیں۔ عمر بن احمد خربوتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے خط لکھ کر حجاج کرام کے حوالہ کر کے بارگاہِ رسالت میں بھیج دیا۔ جس دن وہ حجاج، مدینہ منورہ پہنچے اور گنبدِ خضرا پر کھڑے ہو کر وہ خط سنایا، اُسی دن مریضہ شفایاب ہوگئی۔

چونکہ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ بھی اکثر بیمار رہتے تھے، خاص کر بینائی پر بہت اثر پڑ گیا تھا۔ اس لیے اسلافِ اُمت کی سنت کو زندہ کرتے ہوئے مفتی سیف اللہ حقانی مدظلہ سے کہہ کر ادب و احترام سے بارگاہِ رسالت ﷺ میں خط لکھوایا۔ مفتی سیف اللہ حقانی صاحب بیان فرماتے ہیں:

"جب احقر نے وہ خط سنایا تو حضور سید دو عالم ﷺ کے ساتھ فرطِ محبت کی وجہ سے آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ خط کے اختتام پر حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: فرزندِ من! اللہ تعالیٰ آپ کو دارین میں سرفراز فرمائیں، آپ نے میری دل کی ترجمانی کی ہے۔

اس موقع پر اتفاق سے حضرت مولانا سید شیر علی صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ واپس جانے والے تھے۔ چنانچہ حضرت شیخ الحدیث کے ارشاد کے مطابق وہ خط مولانا سید شیر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ کیا۔ جس تاریخ اور جس وقت پر وہ خط وہاں سنایا گیا اس تاریخ اور اس وقت سے حضرت شیخ الحدیث کی حالت میں بہت خوشگوار تبدیلی آنے لگی۔ (۱)

وہ تاریخی مکتوب یہ ہے:

امابعد! بندہ ضعیف عبد الحق جو اپنی تقصیر اور عجز کا مُقِر ہے اور اکوڑہ خٹک ضلع پشاور کا رہنے والا ہے۔ عرض کر رہا ہے کہ میں ضعیف البصر ضعیف السمع بلکہ تمام قویٰ کے اعتبار سے ضعیف ہوں اور اس کے ساتھ قلیل العلم اور امراضِ مختلفہ کا مریض ہوں۔ میں نے بہت سے ڈاکٹروں سے رجوع کیا ہے اور مختلف قسم کی ادویہ استعمال کر چکا ہوں لیکن میں اب تک شفایاب نہیں ہوا۔

اور میرا یہ حال ہو گیا ہے کہ میرا محبوب مشغلہ تعلیم و تعلم مجھ سے چھوٹ گیا ہے۔ اس لیے آنجناب سے بصد ادب و احترام یہ عرض کر رہا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالیہ میں میری شفاعت فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایمانِ کامل اور علمِ واسع اور تمام امراض سے شفاءِ تامہ نصیب فرمائیں اور یہ کہ مجھ کو تمام اشرار کے شر سے محفوظ فرمائیں۔

اور تعلیم و تعلم کے لیے توفیق عطا فرمائیں اور یہ کہ میری اولاد، اموال و احوال اور

ہمارے دارالعلوم حقانیہ اور اس کے مدرسین اور فضلاء، طلبہ و معاونین اور خدام کو برکات سے مالا مال فرمائیں۔

العارض الفقیر المحتاج الی اللہ

عبدہٗ عبدالحق عفاعنہ

حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کے دل کی ہر دھڑکن اور فکر و عمل کا ہر زاویہ، محبت اور عشق رسول ﷺ کا آئینہ دار تھا۔ آپ کے تمام جذبات، فکر و عمل اور ہمہ پہلو زندگی اور اعمال سے محبت رسول ﷺ ٹپکتی تھی اور آپ کے جینے کا ہدف ذاتِ نبی کریم ﷺ سے گرویدگی تھی۔ (۲)

ہو نام محمد ﷺ، لب کیفی پہ الٰہی
جب طائرِ جان، گلشن ہستی سے رواں ہو

---

(۱) خصوصی نمبر ص ۲۹۶

(۲) سوانح مولانا شیخ الحدیث عبدالحق خان رحمۃ اللہ علیہ اکوڑہ خٹک، صفحہ ۱۸۳

ایک نصرانی عرب خلیفہ دوم کو شہید کرنے آیا

ہرقل نے ایک نصرانی عرب کو جس کا نام طلیعہ بن ماران تھا کو بلا کر اس کے واسطے کچھ انعام مقرر کیا اور کہا کہ تو اسی وقت یثرب (مدینہ طیبہ) کی طرف روانہ ہو جا اور وہاں پہنچ کر مسلمانوں کے امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب کے قتل کی کوئی تدبیر سوچ کر انہیں انجام تک پہنچا دے۔

اس نے اس کا وعدہ کیا اور سامانِ سفر تیار کر کے مدینہ میں پہنچ کر آپ کے قتل کی فکر میں مدینہ طیبہ کے قریب عوالی کے علاقہ میں چھپ گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یتیموں کے اموال اور بیواؤں کے باغات کی حفاظت اور خبر گیری کے لیے مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لائے تو یہ نصرانی ایک گنجان درخت پر چڑھ کر پتوں کی آڑ میں بیٹھ گیا۔ آپ اتفاق سے اسی درخت کے قریب آ کر ایک پتھر کے تکیہ پر سر رکھ کر لیٹے اور سو گئے۔

اس شخص نے چاہا کہ میں اُتر کر اپنا کام پورا کرلوں تو اچانک جنگل سے ایک درندہ آ کر آپ کے چاروں طرف گھومنے لگا اور آپ کے قدموں کو اپنی زبان سے چاٹنے لگا اور ایک غیبی ہاتف نے آواز دی یا عُمر! عَدَلْتَ فَأَمِنْتَ یعنی اے عمر! چونکہ آپ نے عدل و انصاف کیا ہے اس لیے آپ مامون ہو گئے۔ جس وقت آپ کی آنکھ کھلی درندہ چلا گیا۔ یہ نصرانی درخت سے اُترا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دے کر کہنے لگا میرے ماں باپ اس پر قربان! جس کی حفاظت کائنات کے درندے کرتے ہیں، جس کی صفات آسمان کے فرشتے اور جس کی تعریف جہان کے جن کرتے ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے اپنا تمام قصہ اور ارادہ بیان کیا اور آپ کے ہاتھ پر اسی وقت مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

فتوح الشام (صحابہ کرام کے جنگی معرکے) علامہ واقدی، ص ۱۵۱، المیزان لاہور

آئندہ بھی مجھے خدمت کا موقع ضرور دیجیے!

مدنی دور میں ایک موقع ایسا آیا کہ نبوت کے دولت کدہ میں چار دن تک کھانا میسر نہ ہوا۔ رسول اللہ ﷺ گھر تشریف لائے اور اپنی پیاری رفیقہ حیات سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا: ''کھانے کے لیے کوئی چیز ہے'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا'' کچھ نہیں ہے اللہ تعالیٰ تو آپ ہی کے ہاتھوں ہمیں مرحمت فرماتے ہیں۔'' حضور ﷺ (یہ سن کر) خاموش ہوئے۔ وضو فرمایا اور مسجد میں مسلسل نفل پڑھنے لگے۔ ہر بار آپ جگہ تبدیل کرتے جاتے تھے۔ اتنے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آ گئے اور اجازت طلب کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے چاہا عثمان رضی اللہ عنہ کو آنے کی اجازت نہ دوں۔ پھر یہ خیال کر کے کہ یہ مالدار صحابہ میں سے ہیں۔ شاید اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے سے ہم تک نیکی پہنچانے کا قصد کیا ہو۔ لہٰذا میں نے اجازت دے دی۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مجھ سے حضور ﷺ کا حال دریافت کیا۔ میں نے جواب دیا اے صاحبزادے! چار یوم سے اہلِ بیتِ رسالت نے کچھ نہیں کھایا۔ (یہ سنتے ہی) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رو کر کہا: تف (کلمہ افسوس) ہے دنیا پر! پھر کہا اے ام المومنین! یہ مناسب نہیں کہ آپ پر ایسے حالات گزریں اور آپ مجھ سے ذکر نہ کریں یا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ یا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ جیسے مالداروں سے۔

سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ یہ کہہ کر واپس لوٹے اور اونٹ، آٹا، گیہوں، کھجوریں، ایک بکرا اور سو درہم لا کر پیش کیے۔ پھر کہا یہ تو دیر سے تیار ہوگا میں پکا ہوا کھانا بھی لاتا ہوں۔ چنانچہ چند روٹیاں اور بھنا ہوا گوشت لائے اور کہا کھائیے اور حضور ﷺ کے لیے بھی رکھ دیجیے۔ پھر اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو قسم دی کہ آئندہ جب بھی ایسا واقعہ پیش آئے تو مجھے ضرور مطلع کریں اور خدمت کا موقع دیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے چلے جانے کے بعد حضور ﷺ تشریف لائے۔ دریافت فرمایا: عائشہ! هَلْ اَصَبْتُمْ بَعْدِیْ شَیْئاً (اے عائشہ! میرے بعد تم کو کچھ ملا؟) تو میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے گئے تھے اور آپ جانتے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کی دعا کبھی رد نہیں فرماتا۔ حضور ﷺ نے استفسار فرمایا کیا ملا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: آٹا، گیہوں، کھجوریں اونٹوں پر لدی ہوئی اور درہم کی تھیلی۔ ایک بکرا، روئی اور بہت سا بھنا ہوا گوشت۔ آپ ﷺ نے فرمایا کس نے دیا؟ گزارش کی: عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے۔ اور وہ قسم دلا گئے ہیں کہ آئندہ جب ایسا موقع آئے تو مجھے اطلاع ضرور کرنا۔ (رسول اللہ ﷺ نے خوش ہو کر انہیں دعا دی۔)

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے سو قصے، ۴۹، بیت العلوم، لاہور

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بے مثال بہادری

تلواروں اور نیزوں کی جھنکار میں ایک شہسوار عمرو بن عبد ود نے اپنے گھوڑے کی پشت سے چھلانگ لگائی۔ اسلحہ سے لیس اور ہتھیار بند ہو کر غرور وتکبر کے لہجہ میں اپنی تلوار کو لہراتے ہوئے پکارنے لگا: ہے کوئی مرد میدان جو میرے مقابلہ میں آئے؟ کسی صحابی نے اس کی للکار کا جواب نہیں دیا۔ سب پر خاموشی طاری تھی۔ بھلا عمرو بن عبد ود جیسے شہسوار کے مقابلہ کے لیے کون میدان میں آنے کی جرأت کر سکتا تھا۔ وہ تو اپنے ایک وار سے دسیوں کا کام تمام کرنے والا تھا۔ کوئی نہ بولا۔ ایک نوجوان کی آواز نے اس خاموشی کو توڑا جو اپنے عنفوانِ شباب میں پہنچا ہوا تھا اور ایمان اس کی رگ وریشہ میں سرایت کر چکا تھا۔ اور جس کا دل محبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے لبریز تھا۔ وہ جوان حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے۔

انہوں نے عمرو بن عبد ود کی للکار کا جواب دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس کا مقابلہ کروں گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہِ شفقت ان کی طرف دیکھا اور فرمایا ''بیٹھ جاؤ، جانتے ہو وہ عمرو ہے۔''

آپ رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے لیکن عمرو نے دوبارہ مقابلہ کی دعوت دیتے ہوئے کہا: کوئی مرد میدان ہے جو میرے سامنے آئے؟ کہاں ہے تمہاری جنت؟ جس کے متعلق تمہارا گمان ہے کہ جو تم میں سے قتل ہوتا ہے وہ اس جنت میں جاتا ہے۔ کیا تم میرے مقابلہ میں کوئی آدمی نہیں بھیجو گے؟ کیا تم جنت کے خواہش مند نہیں ہو؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ دوبارہ اُٹھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنے لگے: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کے مقابلہ کے لیے نکلتا ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا بیٹھ جاؤ، جانتے ہو وہ عمرو ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ بیٹھ گئے لیکن عمرو کا استہزاء بڑھتا گیا اور وہ اکیلا معرکہ کارزار میں اِترانے لگا اور اپنی تیز تلوار لے کر دندنانے لگا اور رجزیہ اشعار پڑھنے لگا۔

جب عمرو بن عبدود نے دلوں کو ہلا دینے والے کلمات کہے تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بجلی بن کر گرے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا پیمانہ صبر لبریز ہوگیا۔ دوڑتے ہوئے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس کے مقابلہ میں نکلتا ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس بار بھی) یہی فرمایا بیٹھ جاؤ، جانتے ہو وہ عمرو ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے توکلاً علی اللہ کہا: خواہ وہ عمرو ہی ہو! پھر قدم جماتے ہوئے اُٹھے اور گھوڑے پر سوار ہو کر اس کے قریب آ کر کچھ اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے:

”جلدی نہ کر تیری پکار کا جواب دینے والا تیرے سامنے آ گیا ہے۔ وہ بے بس نہیں ہے۔ پوری نیت اور بصیرت کے ساتھ آیا ہے۔ سچائی ہی ہر کامیاب ہونے والے کو نجات دیتی ہے۔ وہ آنے والا نیزوں سے ایسی ضرب لگائے گا کہ سب یاد رکھیں گے۔“

پھر حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ عمرو کے گھوڑے کے پاس پہنچے اور عمرو کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔ عمرو نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا اور پوچھا ”اے جوان! تو کون ہے؟“ آپ نے فرمایا: میں علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب ہوں۔ عمرو نے کہا اے بھتیجے! تمہارے بڑے کہاں ہیں جو عمر میں تجھ سے بڑے ہوں؟ میں تمہارا خون بہانا پسند نہیں کرتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اے عمرو! تو نے خدا سے یہ عہد کیا تھا کہ اگر کوئی قریشی آدمی تجھے دو اچھی باتوں میں سے کسی ایک کی دعوت دے گا تو تو اس کو قبول کرلے گا۔ عمرو نے سر ہلاتے ہوئے کہا کہ ہاں میں نے کہا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لہٰذا میں تجھے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ عمرو نے ہنستے ہوئے کہا مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کہا کہ پھر میں تجھے قتال کی دعوت دیتا ہوں۔عمرو نے کہا اے بھتیجے! نہیں! لات کی قسم! میں تجھے قتل کرنا پسند نہیں کرتا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا لیکن واللہ! میں تجھے قتل کرنا پسند کرتا ہوں۔عمرو کو غصہ آ گیا۔اس کی رگیں غصہ سے پھول گئیں اور دانت پیسنے لگا۔اس نے نیام سے اپنی تلوار نکالی اور وہ آگ کے شعلہ کی طرح اس کے ہاتھ میں آ گئی اور وہ اس قریشی نوجوان پر اپنا غیظ وغضب ڈھانے کے لیے آگے بڑھا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی ڈھال سے اس کے وار کا بچاؤ کیا۔عمرو نے اپنی تلوار کے وار سے آپ کی ڈھال کو توڑ دیا اور تلوار اس میں پھنس گئی۔اس وار سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سر زخمی ہو گیا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فوراً اس کے کندھے پر تلوار ماری جس سے عمرو خون میں لت پت ہو کر گر پڑا۔ہر طرف سے آوازیں بلند ہو گئیں۔اللہ اکبر۔اللہ اکبر لا فَتٰی اِلَّا عَلِی، لا فَتٰی اِلَّا عَلِی یعنی علی رضی اللہ عنہ ہی جوان مرد ہیں۔پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ ظفریاب ہو کر اپنے لشکر کی جانب واپس لوٹے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سو قصے، شیخ محمد صدیق منشاوی، مترجم: مولانا خالد محمود، ص ۲۳

رات بھر عبادت میں مصروف رہے!

مسعر بن کدام سے خطیب ابو محمد الحارثی اور ابو عبداللہ بن خسرو نے روایت نقل کی ہے کہ "میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ آپ نے صبح کی نماز پڑھی اور لوگوں کو علم دین پڑھانے میں مشغول ہو گئے اور یہ سلسلۂ تعلیم ظہر تک جاری رہا۔ پھر نماز کا وقفہ ہوا۔ نماز ظہر کے بعد عصر تک اور عصر سے مغرب تک اور مغرب سے عشاء تک اسی جگہ بیٹھے رہے اور تعلیم و تدریس کا سلسلہ جاری رہا (بشری تقاضوں اور انسانی حوائج و ضرورت سے قطع نظر) مسلسل یہ خدمت اور تدریس علم کا شغل دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی۔ امام اعظم عشاء کی نماز پڑھ کر گھر تشریف لے گئے۔ مجھے یہ فکر دامن گیر ہوئی اور تجسس بڑھتا گیا کہ جب آپ کے تدریسی انہماک اور تعلیمِ مسائل کی مصروفیت کا یہ عالم ہے تو مطالعہ کتب اور نوافل و عبادت کے لیے آپ کو کون سا وقت ملتا ہو گا۔ سنن و نوافل اور مستحبات کے معمولات آپ کس طرح ادا کرتے ہوں گے؟

ابھی میں ایسے ہی تصورات میں ڈوبا ہوا تھا۔ لوگ نماز عشاء پڑھکر گھروں کو جا چکے تھے۔ کیا دیکھتا ہوں کہ امام صاحب گھر سے مسجد میں تشریف لائے صاف و سادہ لباس جسم معطر اور خوشبو سے فضا بھی معطر ہو رہی تھی۔ بڑی تمکنت اور سکون و وقار کے ساتھ مسجد کے ایک کونے میں نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ یہاں تک کہ صبح صادق طلوع ہو گئی۔

امام ابو حنیفہ کے حیرت انگیز واقعات، مولانا عبدالقیوم حقانی، ص ۵۹

حضرت ایاس رحمہ اللہ کی ذہانت کے عجیب واقعات

جب حضرت ایاس بن معاویہ رحمہ اللہ کو قاضی بنا دیا گیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی سمجھ اور ذہانت کے ذریعہ عجیب وغریب فیصلے فرمائے۔ وہ اتنے معاملہ فہم اور ذہین تھے کہ ان کو اچھے اچھے ذہین لوگ بھی دھوکہ نہیں دے سکتے تھے۔ مجرم آدمی کو اس کی بات سے ہی پکڑ لیتے تھے۔ ان کے چند واقعات ملاحظہ ہوں:

پہلا واقعہ:

ایک مرتبہ دو شخص ایک مقدمہ لے کر ان کے پاس عدالت میں آئے۔ ان میں سے ایک نے دعویٰ کیا کہ میں نے اپنے ساتھی کو کچھ مال بطور امانت دیا تھا۔ جب میں نے مطالبہ کیا تو اس نے دینے سے انکار کر دیا۔

حضرت ایاس بن معاویہ رحمہ اللہ نے مدعیٰ علیہ سے اس امانت کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا: میں نے مال لیا ہی نہیں یہ جھوٹ بول رہا ہے اور مجھے بدنام کر رہا ہے۔ اگر اس کے پاس کوئی دلیل ہے تو پیش کرے ورنہ میں قسم دینے کے لیے تیار ہوں میں بے گناہ ہوں اور یہ سراسر مجھ پر الزام ہے۔

حضرت ایاس بن معاویہ رحمہ اللہ نے خداداد بصیرت سے بھانپ لیا کہ یہ جھوٹی قسم کے ذریعے اپنے ساتھی کے مال کو ہڑپ کرنا چاہتا ہے۔ آپ نے مدعی سے پوچھا کہ تو نے اسے کس جگہ اپنا مال بطور امانت دیا تھا؟ اس نے کہا یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک محلہ ہے وہاں دیا تھا۔

قاضی ایاس رحمہ اللہ نے پوچھا وہاں کوئی ایسی نشانی ہے جہاں تم نے اس کو یہ امانت دی تھی؟ اس نے کہا ہاں! وہاں ایک بڑا درخت ہے۔ ہم نے اس کے سائے میں بیٹھ کر پہلے کھانا کھایا اور پھر میں نے اپنا مال اس کے سپرد کیا۔

قاضی ایاس رحمہ اللہ نے کہا ”تم ابھی وہاں جاؤ شاید تم کو وہاں یاد آ جائے کہ تم نے اپنا مال کہاں رکھا تھا، کس کو دیا تھا اور اس جگہ کا جائزہ لے کر سیدھے میرے پاس آ جانا اور مجھے آ کر خبر دینا کہ تم کو کیا یاد آیا۔ وہ شخص اس جگہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

قاضی ایاس رحمہ اللہ نے مدعاعلیہ سے کہا ”اپنے ساتھی کے واپس آنے تک میرے پاس بیٹھے رہو۔“ وہ وہاں خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔

قاضی ایاس رحمہ اللہ دیگر مقدمات نپٹانے میں مصروف ہو گئے لیکن دوسرے لوگوں کے معاملات سنتے ہوئے چپکے چپکے اس شخص کی طرف بھی دیکھتے رہتے تھے۔ اس طرح وہ اس کے چہرے کے تاثرات معلوم کرنا چاہتے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ یہ شخص بالکل آرام وسکون سے بیٹھا ہوا ہے اس کے چہرے پر کوئی خوف و ہراس نہیں تو قاضی صاحب سماعت کے دوران یک دم اس شخص کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا آپ کا کیا خیال ہے کہ وہ اس جگہ پہنچ گیا ہو گا جہاں اس نے مال تیرے سپرد کیا تھا؟

اس نے بے خیالی میں جواب دیا نہیں! وہ جگہ یہاں سے کافی دور ہے۔ ابھی وہ راستے میں جا رہا ہو گا۔ قاضی نے غضب ناک ہو کر کہا:

يَا عَدُوَّ اللهِ تَجْحَدُ الْمَالَ وَتَعْرِفُ الْمَكَانَ الَّذِيْ أَخَذْتَهُ فِيْهِ؟ وَاللهِ إِنَّكَ لَخَائِنٌ

”اے اللہ کے دشمن! تو مال لینے سے انکار کرتا ہے لیکن اس جگہ کا اعتراف کرتا ہے جہاں تو نے مال لیا تھا۔ بخدا تو خائن، جھوٹا اور بد دیانت ہے۔“

اچانک اس گرفت پر وہ خوف سے کانپنے لگا پھر اس نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا اور امانت واپس کر دی۔

دوسرا واقعہ:

دو شخص دو عدد شالوں (سردیوں کی گرم چادروں) کا مقدمہ لے کر عدالت میں پیش ہوئے۔ ایک شال سبز رنگ کی نئی اور قیمتی تھی اور دوسری سرخ رنگ کی پھٹی ہوئی اور بوسیدہ تھی۔

مدعی نے کہا میں حوض پر نہانے کے لیے اپنی سبز شال کپڑوں کے ساتھ رکھ کر حوض میں اُترا۔ تھوڑی دیر بعد یہ شخص اپنے کپڑے حوض کے کنارے میرے کپڑوں کے پاس ہی رکھ کر نہانے کے لیے حوض میں آیا لیکن مجھ سے پہلے حوض سے نہا کر نکلا۔ اپنے کپڑے پہنے اور میری شال سر پر لے کر چلتا بنا۔

میں اس کے قدموں کے نشانات دیکھتا ہوا اس کی تلاش میں نکلا۔ بالآخر اسے پکڑنے میں کامیاب ہو گیا۔ قاضی نے مدعا علیہ (دوسرے فریق) سے پوچھا تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا جناب والا! یہ شال میری ہے۔ میرے قبضے میں ہے۔ میں اس کا مالک ہوں۔ یہ مجھ پہ جھوٹا الزام لگا رہا ہے۔

قاضی ایاس رحمہ اللہ نے مدعی سے پوچھا تیرے پاس کوئی دلیل ہے کہ یہ شال واقعی تیری ہے۔ اس نے کہا دلیل تو میرے پاس کوئی نہیں۔ قاضی صاحب نے اپنے دربان سے کہا: ایک کنگھی لاؤ! دربان کنگھی لے آیا۔ قاضی نے دونوں کے سر پر کنگھی پھیری۔ ایک کے سر سے سرخ ریشے اور دوسرے کے سر سے سبز ریشے برآمد ہوئے۔ لہٰذا سرخ شال اسے دے دی جس کے سر سے سرخ ریشے نکلے تھے اور سبز شال اُس کے سپرد کر دی جس کے سر سے سبز ریشے برآمد ہوئے تھے۔ اس طرح قاضی صاحب نے اپنی فراست سے کام لیتے ہوئے عدل و انصاف کے مطابق فیصلہ کر دیا۔

تیسرا واقعہ:

قاضی ایاس رحمہ اللہ کی ذہانت اور فہم و فراست کا ایک اور واقعہ مشہور ہے۔ وہ یہ کہ کوفہ میں ایک شخص نے چالاکی اور جھوٹ کے ذریعہ یہ مشہور کر دیا کہ وہ بہت نیک ہے اور امانت دار ہے۔ جب لوگ کہیں سفر پر جاتے تو اس کے پاس پیسہ، سونا اور دیگر امانتیں رکھوا کر جاتے تھے۔

بعض لوگ مرتے وقت یہ وصیت کر جاتے کہ ہمارا مال اس کے سپرد کر دیا جائے اور یہی ہماری اولاد کا سرپرست و نگران ہوگا۔ اس کی جھوٹی شہرت سن کر ایک شخص نے اپنا بہت سا مال اس کے پاس بطور امانت رکھ دیا۔ چند دنوں کے بعد جب اسے ضرورت پڑی تو اس نے اپنے مال کی واپسی کا مطالبہ کیا لیکن اس نے دینے سے انکار کر دیا اسے یہ صورت حال دیکھ کر بڑا صدمہ ہوا۔ اس نے یہ مقدمہ قاضی صاحب کی عدالت میں پیش کر دیا۔ قاضی ایاس رحمہ اللہ نے مقدمہ پیش کرنے والے سے پوچھا کیا مدعا علیہ کو یہ معلوم ہے کہ تم میرے پاس اس کی شکایت لے کر آئے ہو؟

اس نے کہا ''نہیں''

قاضی صاحب نے کہا: آج تم چلے جاؤ، کل میرے پاس آنا اور ساتھ ہی مدعا علیہ کو بلانے کے لیے پیغام بھیجا۔ وہ قاضی کا پیغام سنتے ہی عدالت میں آیا۔ قاضی نے اسے بڑے اعزاز و اکرام سے بٹھایا اور کہا۔

جناب والا! میں نے آپ کی بڑی تعریف سنی ہے۔ آپ لوگوں کی خدمت کا اہم فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ میں نے آپ کو اس لیے بلایا ہے کہ میرے پاس ایسے یتیموں کا کثیر مقدار میں مال ہے جن کا کوئی وارث نہیں۔ میں چاہتا ہوں یہ مال آپ کے سپرد کر دوں۔ جب وہ بڑے ہو جائیں تو آپ ان کے حوالے کر دیں۔ کیا اتنی بڑی

مقدار میں مال رکھنے کا آپ کے پاس انتظام ہے اور آپ کے پاس اتنا وقت بھی ہے کہ اس مال کی نگرانی کر سکیں گے؟

اس نے بڑے جوش سے کہا: کیوں نہیں جناب! مجھے اللہ نے پیدا ہی عوام کی خدمت کے لیے کیا ہے۔ بندہ عاجز اس خدمت کے لیے بخوشی تیار ہے۔ قاضی ایاس رحمہ اللہ نے کہا: بہت خوب مجھے آپ سے یہی توقع تھی۔ آپ پرسوں میرے پاس آ جانا اور ساتھ دو مزدور بھی لیتے آنا۔ اس نے کہا بہت اچھا یہ کہہ کر وہ اپنے گھر چلا گیا۔

دوسرے دن وعدہ کے مطابق مدعی (دعویٰ کرنے والا) قاضی ایاس رحمہ اللہ کے پاس آیا۔ قاضی صاحب نے اس سے کہا کہ جاؤ آج اس شخص سے جا کر اپنے مال کا مطالبہ کرو۔ اگر وہ انکار کرے تو اسے کہنا میں تیری شکایت قاضی کے پاس لے کے جا رہا ہوں۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ جا کر اس سے اپنے مال کا مطالبہ کیا۔ اس نے حسب سابق مال دینے سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا:

إِذَنْ أَشْكُوكَ إِلَى الْقَاضِيْ

''اگر تم میرا مال نہ دیا تو میں قاضی کے پاس جا کر تمہاری شکایت کروں گا۔''

جب اس نے قاضی کا نام سنا تو فوراً ٹھنڈا پڑ گیا اسے اپنے پاس بٹھایا۔ اس کی منت کی، مال واپس لوٹایا اور کچھ مزید دے کر اسے خوش کرنے کی کوشش کی۔ تاکہ قاضی ایاس رحمہ اللہ کو اس بات کا علم نہ ہو۔ وہ اپنا مال لے کر سیدھا قاضی ایاس رحمہ اللہ کے پاس گیا۔ اس کا شکریہ ادا کیا اور بتایا کہ اس نے مجھے میرا حق واپس دے دیا ہے۔ اللہ آپ کو جزائے خیر عطا کرے۔

جب وعدے کے مطابق تیسرے روز وہ شخص قاضی ایاس رحمہ اللہ کے پاس مزدور لے کر حاضر ہوا تو اسے دیکھتے ہی قاضی صاحب اس پر برس پڑے اور کہا:

بِئْسَ الرَّجُلُ أَنْتَ يَا عَدُوَّ اللهِ، لَقَدْ جَعَلْتَ الدِّيْنَ مَصْيَدَةً لِلدُّنْيَا

''اے اللہ کے دشمن! تم بہت ہی برے آدمی ہو۔تم نے دنیا کمانے کے لیے دین کو جال بنا رکھا ہے۔''

تمہیں شرم آنی چاہیے۔میری آنکھوں سے دور ہو جاؤ اور ابھی جا کر سب لوگوں کی امانتیں واپس کرو۔ورنہ تمہیں ایسی سزا دوں گا جسے تمہاری آئندہ نسلیں بھی یاد رکھیں گی۔وہ ہانپتا کانپتا واپس گیا اور سب کے مال فوری طور پر واپس کرنے لگا۔لوگوں کی امانتیں واپس کیں اور ان سے معافی مانگنے لگا تب لوگوں کو اس کی اصلیت کا علم ہوا۔

چوتھا واقعہ:

قاضی ایاس رحمہ اللہ کو بے پناہ ذہانت، قابل رشک قوتِ استدلال، ہوشیاری اور حاضر جوابی کے باوجود ایک بار ایک عجیب واقعہ پیش آ گیا۔

فرماتے ہیں: الحمد للہ! ایک شخص کے علاوہ آج تک کوئی بھی گفتگو میں مجھ پر غالب نہ آ سکا۔وہ اس طرح ہوا کہ میں بصرہ کی عدالت میں مقدمات نمٹانے کے لیے بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص میرے پاس آیا اور بڑے جوش سے کہا میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ فلاں باغ فلاں شخص کا ہے اور اس باغ کے بارے میں مجھے کچھ نشانیاں بتلائیں کہ وہاں ایسا ہے ویسا ہے۔قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ

فَأَرَدْتُ أَنْ أَمْتَحِنَ شَهَادَتَهُ

''میں نے اس کی گواہی کا امتحان لینے کے انداز میں پوچھا''

جس باغ کے متعلق گواہی دے رہے ہو۔اس میں کتنے درخت ہیں؟

اس نے سر جھکایا پھر سر اٹھا کر بولا:

مُنْذُ كَمْ يَحْكُمُ سَيِّدُنَا الْقَاضِيْ فِيْ هٰذَا الْمَجْلِسِ؟

''جناب والا گستاخی معاف! آپ کتنے عرصے سے اس کمرہ عدالت میں فیصلے سنانے کا فریضہ سر انجام دے رہے ہیں؟''

میں نے کہا ”کافی عرصے سے۔“

اس نے کہا تو کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اس کمرے کی چھت میں لکڑی کے کتنے بالے ہیں؟ میں پریشان ہوا اور کہا اس کا مجھے علم نہیں اور ساتھ ہی میں نے شرمندہ ہو کر اسے کہا بھئی! آپ کی گواہی سچی ہے۔ میں اسے تسلیم کرتا ہوں۔

تابعین کے واقعات، ترجمہ مولانا عبدالمجید حنیف، دارالہدیٰ کراچی، ص ۱۰۰-۹۵

ختم نبوت کے لیے ایک ماں کا ایثار

یوں تو ہزاروں ماؤں نے اپنے بچوں کو تحریک ختم نبوت کے لیے اپنے ہاتھوں کفن بردوش روانہ کیا لیکن بورسٹل جیل لاہور میں ملاقات کے دوران جب ایک ماں اپنے بچے کو تسلی دے کر اس کا حوصلہ بڑھا رہی تھی۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ جو ملاقات کے وقت پاس کھڑے تھے، نے بچے کی ماں سے کہا:

''بچے سے پوچھو اسے کوئی تکلیف تو نہیں؟''

ماں نے آبدیدہ نگاہوں سے قدرے مسکراتے ہوئے پنجابی زبان میں کہا:

''سیدا! میں تے اپنا گودی دا پتر وی تیرے حوالے کرن آئی آں''

اس سے تکلیف کا کیا پوچھنا؟ ''شاہ جی! میں تو (اس سے بھی چھوٹا) اپنی گود کا بچہ آپ کے سپرد کرنے آئی ہوں''

جواب میں امیر شریعت نے اس ماں کے اِن نیک جذبات کو اسلام کے لیے تاحیات زندہ رہنے کی دعا فرمائی اور بہت خوش ہوئے۔

حیاتِ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ، جانباز مرزا مرحوم، ص ۱۵۲

حیاتِ امیر شریعت کا ایک دلچسپ واقعہ

یہ ان دنوں کا واقعہ ہے جب امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ، اپنی زوجہ محترمہ کو شدید علالت کی وجہ سے ڈاکٹروں کی تاکید پر انہیں ایک پُر فضا مقام مسوری میں لے گئے۔ امیر شریعت دیکھنے کو مسوری ایسی خوشنما اور دلفریب فضا میں رہ رہے تھے مگر رفیقۂ حیات کی بیماری نے یہ جنت بھی بے سکون بنا دی تھی۔

اسی عالم میں ایک دن امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کی چھ سات سالہ بچی گھر سے کھیلتے کھیلتے بازار اُتری اور جانے کدھر غائب ہوگئی۔ بچی کی گم شدگی نے سارے گھر کے ساتھ ساتھ حلقہ احباب کو بھی پریشان کر دیا۔ مسوری کے نشیب و فراز کھنگال ڈالے گئے مگر بچی کا کوئی پتہ نہ چلا۔ ادھر بستر پر مریضہ کی بیماری بڑھ گئی۔ برطانیہ جیسی سلطنت کو للکارنے والا اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھنے لگا۔ دوستوں کے دلوں کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ اسی طرح دن گزر گیا اور شام کے چراغوں نے مسوری کو جگمگا دیا۔ بچی کی تلاش اور انتظار جاری تھی اتنے میں ایک انگریز خاتون بچی کو لے کر گھر پہنچی۔ دیکھتے ہی امیر شریعت نے بچی کو سینے سے لگا لیا اور انگریز عورت سے تلخی اور غصے میں کہا۔

''تم نے یہ کیا کیا؟ تم کون ہو؟ میرے گھر کا نظام تم نے درہم برہم کر دیا!''

انگریز خاتون امیر شریعت کی یہ گفتگو نہ سمجھ سکی۔ مگر اس نے انگریزی میں کہا۔

''عرصہ ہوا میری بچی جو شکل و صورت میں بالکل ایسی ہی تھی فوت ہو چکی ہے۔ مجھے یہ بچی بہت بھلی معلوم ہوئی۔ میں آپ کی اطلاع کے بغیر اسے لے گئی۔ مجھے معاف کر دیں لیکن آپ مجھے اجازت دیں کہ آئندہ ہر صبح میں اسے یہاں سے لے جایا کروں گی اور شام کو چھوڑ جایا کروں گی۔''

اس پر امیر شریعت پُرنم ہو گئے اور کہا: ''اچھا! تو ماں ہے! اگر ماں کے دکھی دل کو

میرے دل کے ٹکڑے سے کوئی سکون مل سکتا ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن یہ دیکھنا کہ اس کی مریض والدہ بھی اس کے سہارے زندہ ہے۔"

چنانچہ اس اجازت کے بعد اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہا۔کئی دنوں کے بعد انگریز خاتون اپنے خاوند کے ساتھ مسوری سے جانے لگی تو اس نے بلیوں کا نہایت خوبصورت جوڑا بچی کے کھیلنے کے لیے ان کے ہاں پہنچا دیا۔بلیاں اچھی نسل کی تھیں۔گھر کے ہر فرد سے مانوس ہو گئیں۔بچی کو کھیلنے کے لیے جیتے جاگتے کھلونے مل گئے۔

حیات امیر شریعت، جانباز مرزا، ص ۱۶۳

حضرت جی کی مولانا انور شاہ کشمیری سے عقیدت

ہمیں محدثین کے بارے میں روایات ملتی ہیں کہ کسی ایک حدیث کی تلاش اور تحقیق میں ان حضراتِ گرامی نے ہزاروں میل سفر کیا۔ حضرت جی مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بھی کچھ یہی صورت نظر آتی ہے۔ زمانہ طالب علمی کے آخر میں بعض دقیق مسائل کی تحقیق کے لیے آپ نے حضرت مولانا انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری دی۔

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ آپ کا ذکر انتہائی عقیدت و احترام سے کرتے اور اس ضمن میں اکثر شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ سے سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کا بھی ذکر کرتے جس میں انہوں نے سلطان کے سامنے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ارشاد فرمایا تھا:

''جس نے مجھے دیکھا بدبختی اس سے دور ہوگئی۔''

یعنی وہ کفر و شرک سے محفوظ ہوگیا۔ یہ قول سن کر سلطان نے اعتراض کیا کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بلند کس طرح ہوسکتا ہے؟ جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوجہل اور ابولہب جیسے منکرین نے دیکھا لیکن ان سے بدبختی دور نہ ہوئی۔

حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خلفائے اربعہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوا کسی نے دیکھا ہی نہیں۔ جس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَتَرٰهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ۔

''وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب نظر کرتے ہیں، دیکھ نہیں سکتے۔'' (الاعراف ۱۹۸)

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے:

''اگر روزِ محشر یہ سوال ہوا کہ کیا لائے ہو تو عرض کروں گا؟ بارالٰہا! تیرے نیک بندے سید انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کا موقعہ ملا۔ یہی ایک عمل تیرے حضور پیش کرسکتا ہوں۔''

حیاتِ طیبہ مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ، تالیف ابوالاحمدین، ص ۴۲

پورے قرآن میں کہیں نہیں کہ مسلمان غلامی کی زندگی کیسے بسر کریں؟

جو لوگ شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ جیل خانے میں رہے ان کا بیان ہے کہ شاہ جی قید کو کبھی سیریس (Serious) نہیں لیتے تھے۔ جیل خانے کی چار دیواری میں ان کے قہقہے زیادہ وسیع ہو جاتے۔ اکثر ہندو نوجوان جو جیل میں ساتھ رہے آپ کی باغ و بہار طبیعت کے انتہائی گرویدہ تھے۔ بالخصوص کمیونسٹ اور سوشلسٹ نوجوان، ان کی شخصیت سے پیار کرتے لیکن خطابت سے خوف کھاتے تھے۔ مشہور ٹیررسٹ قیدی شیر جنگ نے ملتان سنٹرل جیل میں آپ سے ترجمہ کے ساتھ قرآن پڑھا تھا۔

ایک دن اس نے سوال کیا: ”شاہ جی! قرآن میں یہ تو درج ہے کہ مسلمان آزاد رہ کر اس طرح زندگی بسر کریں لیکن یہ کہیں درج نہیں کہ غلام ہوں تو کیسے زندگی گزاریں؟ سارے قرآن میں مسلمان اور غلامی کہیں بھی اکٹھے نہیں ہیں۔ آخر مسلمان جنگِ آزادی میں حصہ کیوں نہیں لیتے؟“ یہ بات شاہ جی کے دل میں اتر گئی۔ پھر کیا تھا مدت العمر عام جلسوں میں مسلمانوں سے اس کا جواب پوچھتے پھرے۔

ایک سوشلسٹ نوجوان نے جو آپ کے ساتھ قید میں تھا سوال کیا:

”شاہ جی! آپ نے کبھی نماز ترک نہیں کی اور نہ کبھی روزہ چھوڑا پھر آپ کا دل عام نمازیوں کی طرح سخت کیوں نہیں؟“ شاہ جی مسکرائے، فرمایا بھائی جو مذہب انسان کے دل کو گداز نہیں کرتا وہ مذہب نہیں سیاست ہے اور مجھے ایسی سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔“

شاہ جی نے جیل میں مونج کوٹی، بان بٹا اور گندم پیسی لیکن عام طور پر مشقت سے بے نیاز ہی رہے۔ ایک زمانہ میں ٹوپی پہننا چھوڑ دی تھی۔ کسی نے وجہ پوچھی فرمایا پہلی دفعہ جیل گیا تو جیلر نے ہاتھ بڑھا کر ٹوپی اتارنا چاہی۔ میں نے ہاتھ روک لیا اور اتار کر خود حوالے کر دی۔ تب سے فیصلہ کیا ہے کہ ٹوپی نہیں پہنوں گا۔ بس یہ جو گوشیہ رومال سر پر رکھتا ہوں۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ، شورش کاشمیری، ص ۸۵

شاہ جی! میرا دل قابو سے باہر ہو گیا ہے!

سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے پنجاب کی تو تقریباً سب جیلیں دیکھی بھالی ہیں لیکن 1930 میں ڈمڈم جیل ڈھاکہ کی زیارت بھی ہوگئی۔ وہاں افسروں سے ایسی ٹھنی کہ رہائی تک اکھاڑہ جما رہا۔ دوست زندانی مصائب سنانے میں لذت محسوس کرتے ہیں اور میں عیب۔ یہ اپنا اپنا زاویہ نظر ہے۔ میں ان مصیبتوں کو رسوا کرنے کا عادی نہیں۔ میرے لیے جیل خانہ صرف نقل مکانی ہے میں اپنے گرد و پیش باغ و بہار فراہم کر لیتا ہوں اور قید، یوں گزر جاتی ہے جیسے صحراؤں سے بادل۔

ایک شب میں جیل خانہ میں سورہ یوسف کی تلاوت کر رہا تھا۔ چودھویں رات کا چاند آسمان پر جگمگا رہا تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہ قرأت کی تاثیر میں ڈوب کر ٹھہر گیا ہے۔ ایک گھنٹہ اسی طرح تلاوت میں گزر گیا۔ اتنے میں ''پنڈت رام جی پال'' سپرنٹنڈنٹ جیل نے پیچھے سے پکارا۔ دیکھا تو وہ کھڑا ہے اور رخسار اس کے آنسوؤں سے تر ہیں۔ کہنے لگا شاہ جی خدا کے واسطے بس کرو۔ میرا دل قابو سے باہر ہو گیا۔ اب مجھ میں رونے کی سکت نہیں۔ اللہ اللہ یہ قرآن کی تاثیر کا اعجاز تھا۔ ایک دن گورنمنٹ آف انڈیا کا برطانوی نژاد ہوم ممبر معائنہ کے لیے آ پہنچا۔ میں بیٹھا ہوا کوئی کتاب دیکھ رہا تھا۔ مجھ سے مخاطب ہو کر بولا

''کہیے شاہ جی! آپ اچھے ہیں؟''

دوبارہ پوچھا ''کوئی سوال؟''

''میں صرف اللہ سے سوال کیا کرتا ہوں۔'' یہ میرا جواب تھا۔ وہ فوراً بولا ''نہیں میں آپ کی کوئی خدمت کر سکتا ہوں'' ''جی ہاں! آپ میرا ملک چھوڑ کر تشریف لے جائیے۔'' فوراً پلٹ گیا۔

اس واقعہ کو برسہا برس گزر چکے ہیں اور ڈیڑھ صدی کے بعد انگریز خود کہہ رہا ہے کہ وہ جا رہا ہے۔ وہ جب یہاں رہنے پر مصر تھا تو ہندوستان جیل خانہ تھا۔ اب وہ جانے کا اعلان کر رہا ہے تو ہندوستان آتش کدہ ہے کہ ہم نے انقلاب چرخ گرداں یوں بھی دیکھے ہیں۔ میرے عقیدے میں اب بھی دو چیزیں ہیں قرآن سے محبت اور انگریز سے نفرت۔

سوانح و افکار سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا اسماعیل شجاع آبادی، ص ۱۸۲

حضرت مدنی نے حضرت رائے پوری کا خط چوم لیا!

آفتاب ولایت، حضرت اقدس مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ، شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی تائید وحمایت اور ان کی ذات کے ساتھ اپنے تعلق و عقیدت کے اظہار میں ایسا جوش تھا کہ آپ اس میں کسی لومۃ لائم کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ بلکہ جس مجلس میں مولانا کا کوئی ناقد یا مخالف ہوتا وہاں اور زیادہ جوش کے ساتھ اُن کے فضائل ومناقب بیان کرتے اور ان کے خلوص ومقبولیت کا اعلان فرماتے۔ ایک مرتبہ کسی ایسے ہی موقع پر جب یہ ناچیز بھی حاضر تھا اور شاید کچھ مخالفین بھی تھے بڑے جوش کے ساتھ فرمایا۔ ان کے مخالفین ذرا ان کے چہرہ کو بھی دیکھیں اور اپنے چہرہ کو بھی۔ ایک مرتبہ بعض آنے والوں نے مولانا کے سیاسی مسلک اور ان کے سیاسی انہماک پر کچھ اعتراض کیا یا اپنے تعجب کا اظہار کیا تو فرمایا کہ اگر مجھ میں طاقت ہوتی تو میں ان کے سفروں میں خادم کی طرح ان کے ساتھ رہتا اور ان کی ادنیٰ ادنیٰ خدمتیں انجام دیتا۔

مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا ان کے ساتھ جو معاملہ تھا اور آپ کے دل میں حضرت کی جو محبت وعزت تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیجیے جو حضرت مولانا عبدالقادر صاحب کے ایک خادم مولوی مقبول احمد صاحب (ساکن لسیان، حال مدرس جامعہ رشیدیہ ساہیوال) نے سنایا۔ وہ فرماتے ہیں:

''احقر ۴۷-۱۹۴۶ء میں دارالعلوم دیوبند میں پڑھتا تھا۔ مارچ ۱۹۴۷ء کے اوائل میں اچانک حضرت رائے پوری کا والا نامہ جو مولانا عبیدالرحمن صاحب (نومسلم) کے قلم سے تھا موصول ہوا۔ جس میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے احقر سے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا پروگرام معلوم کیا تھا کہ آیا حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اس جمعہ کو دیوبند مقیم ہوں گے یا سفر کا ارادہ ہے؟ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ اپنے طور پر تحقیق کر کے جواب

لکھیں۔

احقر عصر کے بعد حسبِ معمول حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی قیام گاہ پر حاضر ہوا۔ قبیل مغرب جب مجلس برخاست ہوئی تو احقر نے حضرت سے دریافت کیا کہ حضرت اس جمعہ کو قیام ہوگا یا سفر کا نظم ہے؟ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کیوں پوچھتے ہو؟ میں نے عرض کیا حضرت بس ویسے ہی پوچھ رہا ہوں۔ ہنس کر فرمانے لگے سی آئی ڈی تو نہیں ہو؟ میں بہت گھبرایا۔ میں نے اپنی جان بچانے کے لیے حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کا مکتوب گرامی پیش کر دیا۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھا اور بوسہ دے کر پیشانی پر لگایا اور فرمایا کہ اس کا جواب میں خود تحریر کر دوں گا۔

اب مجھے اور تشویش ہوئی کہ حضرت رائے پوری خیال فرمائیں گے کہ مقبولؔ رازداری سے کام نہ لے سکا اور اس خدشہ کو حضرت مدنی کے سامنے بھی پیش کر دیا۔ حضرت نے ازراہِ شفقت فرمایا کہ اچھا تحریر کر دو کہ اس جمعہ کو انشاء اللہ قیام ہی ہوگا اور مجھ سے فرمانے لگے کہ جانا بھی ہوگا تو نہیں جاؤں گا۔ جواب تحریر کر دیا گیا اور حضرت جمعہ کی صبح کو دیوبند تشریف لائے اور ملاقات کے بعد اسی شام گاڑی پر سہارنپور واپسی ہوگئی۔

بارہا اس کی نوبت آئی ہے کہ حضرت مدنی کا کہیں سفر طے ہوا، پھر کسی وجہ سے اس کا التوا ہوگیا۔ آپ سہارنپور تشریف لائے اور حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ اتفاق سے یہ دن خالی ہوگیا ہے۔ چلو رائے پور ہو آئیں۔ شیخ فرماتے ہیں کہ دسیوں مرتبہ ایسا ہوا۔

سوانح مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ، ص ۳۰۵

مدینہ میں رہنا بہتر ہے

حسین بن عروہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہارون رشید حج کے موقع پر مدینہ آیا اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پانچ سو دینار کی ایک تھیلی بھیجی۔ حج سے فارغ ہو کر دوبارہ مدینہ آیا تو امام صاحب کے پاس پیغام بھیجا کہ امیر المومنین کی خواہش ہے کہ امام مالک بغداد تک اس کے ہم سفر رہیں۔ امام صاحب نے اس کے جواب میں قاصد سے کہا کہ تم جا کر کہہ دو کہ وہ تھیلی مہر بند رکھی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے وَالْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ یعنی مدینہ لوگوں کے حق میں بہتر ہے اگر وہ اس بات کو جان لیں۔ یہ جواب سن کر ہارون رشید اپنے ارادہ سے باز آ گیا۔

امام صاحب کے حاسدوں نے ایک مرتبہ خلیفہ ابو جعفر منصور کے پاس جا کر کہا کہ امام مالک آپ لوگوں کی بیعت کو جائز نہیں سمجھتے ہیں اور عباسی خلافت کے منکر ہیں۔ یہ سن کر ابو جعفر منصور غضبناک ہوا اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کپڑے اتروا کر کوڑے مارے گئے جس میں آپ کا ہاتھ بھی اکھڑ گیا۔ یہ دکھ تو پہنچا مگر اس سے آپ کی عظمت میں اضافہ ہی ہوا۔ یہ کوڑے آپ کے لیے گویا زیور بن گئے اور عوام و خواص میں آپ کی مقبولیت بڑھ گئی۔

سیرت ائمہ اربعہ، مولانا قاضی اطہر مبارک پوری، ص ۱۲۲، ۱۲۷

عبادت میں رغبت

مغیرہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ رات گئے میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس سے گزر رہا تھا۔ وہ الحمد للہ کے بعد سورۃ الھاکم التکاثر پڑھ رہے تھے۔ میں ٹھہر گیا۔ امام صاحب جب { لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ } پر پہنچے تو دیر تک روتے رہے اور یہی آیت دہراتے رہے۔ ان کا یہ حال دیکھ کر میں وہیں رہ گیا۔ صبح ہوتے سے رکوع کیا۔ میں وضو کر کے مسجد میں گیا۔ دیکھا کہ امام صاحب اسی حال میں ہیں اور ان کے چہرے پر نور چمک رہا ہے۔

امام صاحب نوافل میں طویل رکوع و سجود کرتے تھے۔ کوڑے کی سزا کے بعد لوگوں نے عرض کیا کہ آپ ہلکی نماز پڑھیں۔ فرمایا کہ بندے کو چاہیے کہ اللہ کے لیے جو عمل کرے اچھی طرح کرے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا (سورہ ملک: ۲)

امام صاحب کے اخفائے حال کا یہ عالم تھا کہ اپنے رومال کو تہہ کر کے رکھتے تھے اور نماز کے وقت اسی پر سجدہ کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں ایسا اس لیے کرتا ہوں کہ میری پیشانی پر سجدے کا نشان نہ پڑے جس کو دیکھ کر لوگ یہ نہ سمجھیں کہ میں قیام اللیل کرتا ہوں۔

سیرت ائمہ اربعہ، مولانا قاضی اطہر مبارک پوری، ص ۱۲۲، ۱۲۷

آخرت کے لیے کچھ آگے بھیجئے!

ایک بار حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ، خلیفہ سلیمان بن عبد الملک کے ساتھ کسی سفر کے لیے نکلے۔ حضرت عمر نے اپنا سامان اور خیمہ وغیرہ پہلے سے آگے نہیں بھجوایا تھا۔ منزل پر پہنچے تو ہر شخص اپنے خیمے میں جو اس نے پہلے سے بھجوا رکھا تھا، چلا گیا اور سلیمان کے لیے جو خیمہ نصب کیا گیا تھا وہ اس میں فروکش ہوا۔

حضرت عمر رحمۃ اللہ علیہ کہیں نظر نہ آئے تو سلیمان نے کہا انہیں تلاش کرو۔ غالباً انہوں نے کوئی خیمہ نہیں بھیجا تھا۔ تلاش کی گئی تو دیکھا کہ ایک درخت کے نیچے بیٹھے رو رہے ہیں۔ سلیمان کو اطلاع کی گئی آپ کو بلایا اور دریافت کیا:

ابو حفص! کیوں رو رہے تھے؟

فرمایا امیر المومنین رونے کا سبب یہ ہوا کہ مجھے قیامت کا دن یاد آ گیا۔ دیکھئے میں نے گھر سے کوئی چیز نہیں بھیجی تھی۔ مجھے یہاں کچھ نہیں ملا۔ اسی طرح قیامت میں بھی جس نے جو چیز آگے بھیجی ہوگی وہی اسے ملے گی اور جس نے کوئی چیز نہ بھیجی ہوگی وہ پریشان ہوگا۔

سیرت عمر بن عبد العزیز، مترجم مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ، ص ۲۰)

جھوٹ سے نفرت

ایک بار حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ، خلیفہ سلیمان بن عبدالمالک کی رفاقت میں تبدیلی آب و ہوا کے لیے کسی پُر فضا مقام میں گئے۔ اتفاقاً وہاں پانی پر ان کے اور خلیفہ سلیمان کے غلاموں کے درمیان کسی بات پر تکرار ہوگئی۔ حضرت عمر رحمۃ اللہ علیہ کے غلاموں نے خلیفہ سلیمان کے غلاموں کی پٹائی کردی۔ انہوں نے جا کر خلیفہ سلیمان سے اس کی شکایت کی۔ سلیمان نے حضرت عمر رحمۃ اللہ علیہ کو بلایا شکایت کے لہجے میں کہا "آپ کے غلاموں نے میرے غلاموں کو مارا ہے۔" آپ نے فرمایا "مجھے علم نہیں" سلیمان بگڑ کر بولا "آپ جھوٹ کہتے ہیں" فرمایا "جب سے ہوش سنبھالا ہے اور مجھے معلوم ہوا کہ جھوٹ آدمی کو نقصان دیتا ہے آج تک میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔"

جہشیاری نے اپنی کتاب "الوزراء والکتاب" میں روایت کیا ہے کہ حجاج نے ایک دن اپنے سیکرٹری سے کہا "لوگ میرے بارے میں کیا کہتے ہیں؟" اس نے معذرت کی۔ کہا نہیں، ضرور بتانا ہوگا۔ اس نے کہا "لوگ آپ کو ظالم، خائن، قاتل، سخت گیر اور جھوٹا کہتے ہیں" کہا سب کچھ ٹھیک کہتے ہیں سوائے جھوٹ کے۔ کیونکہ خدا جانتا ہے کہ جب سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ جھوٹ، جھوٹے آدمی کے لیے عیب کی چیز ہے میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

سیرت عمر بن عبدالعزیز، مترجم مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ ص ۲۰)

ہم خود تعزیت کے مستحق ہیں

جب حجاج بن یوسف کی موت کی خبر آئی تو لوگ ولید بن عبد الملک کے پاس تعزیت کے لیے گئے۔ مگر حضرت عمر رحمۃ اللہ علیہ نہیں گئے۔ ولید کو اس کا رنج ہوا۔ اس نے حضرت عمر رحمۃ اللہ سے کہا ''عمر! حجاج کی موت پر جس طرح دوسرے لوگوں نے میری تعزیت کی تم نے کیوں نہیں کی؟''

جواب دیا امیر المومنین! حجاج ہمارے گھرانے کا ایک فرد تھا۔ اس کی موت پر ہم خود تعزیت کے مستحق ہیں۔ نہ یہ کہ ہم تعزیت کریں۔ ولید بولا آپ ٹھیک کہتے ہیں۔

سیرت عمر بن عبد العزیز، مترجم مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ، ص ۲۰

خلیفہ غلام محمد دین پوری رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ صاحب کی ولادت ۱۲۴۲ھ میں ہوئی۔ ابھی سات برس کے ہی تھے کہ آپ کے والد کو ایک واقعہ سے سخت روحانی و ذہنی صدمہ پہنچا۔ جس کے بعد انہوں نے جھنگ کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا۔ واقعہ یوں ہوا کہ محمد اسماعیل خان مزارعین سے بٹائی کر رہے تھے۔ دیہاتوں میں صدیوں سے رواج چلا آ رہا ہے کہ جب فصل کے ڈھیر لگ جاتے ہیں اور بٹائی شروع ہوتی ہے اس وقت دیہات کے فقراء اور غرباء بھی پہنچ جاتے ہیں اور ان کو بھی حصہ فصل سے ادا کیا جاتا ہے۔

چنانچہ بہت سے غریب لوگ بٹائی کے وقت موجود تھے لیکن تقسیم میں کچھ تنازع ہونے کی وجہ سے غرباء کو کافی دیر انتظار کرنا پڑا۔ اس دوران سردار نور محمد خان بھی موقع پر پہنچ گئے۔ انہوں نے غربا کو دیکھ کر اپنے بیٹے سے کہا کہ پہلے ان لوگوں کو فارغ کر دو جو صبح سے بیٹھے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کا حق مخصوص فرمایا ہے لیکن محمد اسماعیل خان نے والد کی بات پر کوئی توجہ نہ دی اور مزارعین سے حساب کرنے میں مصروف رہے۔ آپ کو اپنے بیٹے کی یہ روش سخت ناگوار گزری۔ ناراضگی کے عالم میں گھر آئے اور حکم دیا کہ میں حج کی نیت سے جا رہا ہوں چنانچہ چند روز کے بعد اپنی اہلیہ، دو بچوں اور دو لڑکیوں کو لے کر سفر حج پر روانہ ہو گئے۔

جب یہ قافلہ ریاست بہاولپور کے قصبہ "ٹبی کرائی" پہنچا تو تھکان اُتارنے کے لیے یہاں چند روز قیام کیا۔ قیام کے دوران مولانا عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ جو بستی مولویاں بہاولپور کے عالم خاندان سے تھے، اُن سے ملاقات ہوئی۔ دونوں میں تعلقات پیدا ہو گئے جو جلد ہی گہرے ہوتے چلے گئے۔ ٹبی کرائی میں قیام کے دوران سردار نور محمد خان بیمار ہوئے۔ یہیں وفات پائی اور اسی قصبہ میں دفن ہوئے۔

اب اس قافلے میں دو کم سن بچے، دو لڑکیاں اور ان کی والدہ تھیں۔ خواجہ صاحب کی والدہ نے ٹبی کرائی میں سکونت اختیار کر لی۔ حضرت کی والدہ محنت مزدوری کرتیں اور اپنے بچوں کا پیٹ پالتیں۔ ''بستی مولویاں'' میں ایک جامع مسجد تھی جس سے ملحق عربی مدرسہ تھا۔ جس میں درسِ نظامی کا انتظام تھا۔ حضرت خواجہ صاحب کو اس مدرسہ میں داخل کروا دیا گیا۔ بعد میں آپ کی والدہ ماجدہ نے ٹبی کرائی سے سکونت ترک کر کے بستی مولویاں میں رہائش اختیار کر لی۔ خواجہ صاحب مدرسہ میں تعلیم حاصل کرتے اور والدہ محترمہ کے ساتھ محنت مزدوری بھی کرتے۔ اس طرح یہ روحانی لعل وگوہر، عرفان کی منزلیں طے کرتا رہا۔

خواجہ صاحب ابھی شرح جامی پڑھ رہے تھے کہ اتفاق سے حضرت حافظ محمد صدیق صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھرچونڈی شریف سندھ والے بستی مولویاں تشریف لائے اور مدرسہ میں طالب علموں کو دیکھا۔ حضرت خواجہ صاحب کو دیکھنے کے بعد آپ نے دریافت کیا کہ یہ لڑکا کس کا ہے؟ جواب ملا یتیم ہے۔ آپ نے فرمایا: درِ یتیم ہے! اسے میرے حوالے کر دیں۔ اس بچے کی پیشانی مستقبل کے ولیٔ کامل کی علامت ہے۔

چنانچہ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے خاندان سمیت حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھرچونڈی شریف روانہ ہو گئے اور پھر بیس سال تک بھرچونڈی کے لنگر خانہ میں خدمت انجام دیتے رہے۔ اس مدت میں حافظ صاحب نے خواجہ صاحب کو بیعت کر لیا اور مجاز کے حقوق عطا کیے۔ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ محترمہ بھی صاحب مجاز تھیں۔ ایک روایت کے مطابق جنات بھی ان کے حلقہ بیعت میں شامل تھے۔

خلیفہ غلام محمد دین پوری، المعرفۃ آرگن، ص ۲

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی مخبری اور چھاپہ

آپ کے برادرِ نسبتی، نہال احمد رئیس دیو بند نے اپنے گاؤں چکوالی میں قیام کے لیے اصرار کیا اور کہا کہ دیو بند میں تو ہر دم خطرات ہیں۔ ہمارا دور افتادہ گاؤں ہے جہاں سے مخبری کم سے کم ہو سکتی ہے۔ جب ان کا اصرار حد سے بڑھ گیا تو آپ چکوالی چلے گئے جو دیو بند سے نانوتہ جانے والی سڑک پر واقعہ ہے۔ چند دنوں بعد مخبر نے پھر پولیس کو اطلاع دی کہ ملزم موضع چکوالی میں ہے۔ پولیس چکوالی پہنچ گئی اور گاؤں کا محاصرہ کر لیا۔ شیخ نہال احمد انتہائی حواس باختہ ہو گئے کہ حضرت میرے ہی گھر سے گرفتار ہو گئے تو زندگی بھر کا داغ مجھ پر لگ جائے گا۔ میں ہی اصرار کر کے لایا اور میرے ہی گھر سے گرفتاری ہوئی۔ بد حواسی کے عالم میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو صورت حال بتائی۔ حضرت نانوتوی نے فرمایا کہ تمہاری بدحواسی مجھے گرفتار کرا دے گی۔ تم اپنے کو مطمئن رکھو۔ چہرے بشرے سے قطعاً کسی پریشانی کا اظہار نہ کرو اور تم اندر رہو اپنا بچاؤ میں خود کر لوں گا۔

پولیس کپتان دروازے پر آ گیا۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ خود باہر آ گئے اور پوچھا کیسے تشریف آوری ہوئی؟ اس نے کہا کہ ہمارا ملزم اس مکان میں ہے۔ ہم اس کی گرفتاری کے لیے آئے ہیں۔ آپ نے خندہ جبینی سے فرمایا تو پھر آپ اندر تشریف لے آئیں۔ ہمارے مکان کی تلاشی لے لیں۔ اگر آپ کا ملزم مل جائے تو ضرور گرفتار کر کے لے جائیں۔ کپتان نے پوچھا آپ مولانا محمد قاسم کو جانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا خوب جانتا اور پہچانتا ہوں۔ کپتان نے گھر کے کونے کونے کو چھان مارا۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ساتھ ساتھ رہے ایک لمحہ کے لیے اس کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ جس کمرے کو کہا کھول دیا جس کمرے میں داخل ہونا چاہا اس کو آگے بڑھ کر کھولتے رہے۔ جب پورے گھر کی تلاشی لے چکا تو مایوس ہو کر کہا لگتا ہے کہ مخبر نے غلط اطلاع دی ہے۔ یہ کہا اور پولیس کو لے کر واپس چلا گیا۔

سوانح میاں جی نور محمد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۶۱

دل کا اطمینان ضروری ہے

افسر الاطباء حکیم احمد سعید امرہوی رحمۃ اللہ علیہ بیعت ہونا چاہتے تھے مگر کسی جگہ نظر نہ ٹکی۔ اسی خیال سے گنگوہ میں بھی حاضری ہوئی۔ حضرت کے کمالِ اتباعِ سنت کو دیکھ کر عقیدت پیدا ہوئی۔ مگر پھر یہ خیال ہوا کہ جب تک ادھر ہی سے قلب کو نہ کھینچا جائے گا بیعت نہ کروں گا۔

کئی دن کے قیام میں معمولاتِ پسندیدہ اور اخلاقِ حمیدہ دیکھ کر بیعت کا ارادہ کر ہی لیا۔ بعض خدام کے واسطے سے درخواست کی۔ حضرت نے صاف انکار فرما دیا کہ ”نہیں، بیعت نہیں کروں گا۔ بڑے لوگوں کو مرید بنا کر جان کو آفت میں ڈالنا ہوتا ہے۔ کوئی سفارش کراتا ہے۔ کوئی الزام لگاتا ہے۔ غرض یہ ٹھیک نہیں۔“

حکیم صاحب بڑے افسردہ ہوئے کہ مجھ میں یہ قابلیت نہیں کہ مرجع خلائق اور کامل راہبر کی دست بوسی نصیب ہو۔ اب اسی افسوس میں کئی دن گزر گئے۔ آخر ایک دن حضرت کو حجرہ میں تنہا دیکھ کر اندر چلے گئے اور عرض کیا کہ حضرت مجھے محرومی کی اُمید نہ تھی۔ گو میں ناقابل ہوں مگر حضرت تو سب قابل ہیں۔

حضرت نے فرمایا: ”اچھا! جلدی کیا ہے؟ ابھی اپنے قلب کا اطمینان تو کر لو۔“

حکیم صاحب اپنے وسوسہ پر بہت نادم ہوئے اور معذرت کی۔ آپ نے فرمایا: ”نہیں نہیں، بیعت سے متعلق انسان کو ہر طرح سے دل مطمئن کر ہی لینا چاہیے۔“ ”بس اب تم واپس جاؤ اور اپنا کام شروع کرو۔ حق تعالیٰ برکت عنایت فرمائے گا۔“

اس کے بعد حکیم صاحب کے دل پر سکون طاری ہونا شروع ہو گیا۔ بے چینی دور ہو گئی اور وہ تعلق قائم ہو گیا جو مرید کو اپنے شیخ سے ہوتا ہے۔ وطن سے حیدر آباد گئے تو دینی برکات کے ساتھ ساتھ دنیاوی برکات بھی حاصل ہوئیں۔ افسر الاطباء کا خطاب ملا اور بڑے بڑے ڈاکٹروں کے مقابلہ کے باوجود ان کا اعزاز دن بدن بڑھتا رہا۔

بیس بڑے مسلمان، عبد الرشید، ص ۲۲۳

ایک نواب صاحب کی تربیت

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک نواب مہمان ہوئے۔ مولانا یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ منتظم تھے۔ انہوں نے نواب صاحب کا قیام خانقاہ سے الگ دوسرے مکان میں تجویز کیا۔ حضرت کا حال یہ تھا کہ معمولی بوریے پر بیٹھتے، دری پر بیٹھتے، بیش قیمت قالین پر بیٹھتے۔ نہ چٹائی پر بیٹھنے سے عار نہ بیش قیمت قالین پر بیٹھنے سے استکبار۔

اتفاق سے اس وقت حضرت کے نیچے تین قالین بچھے ہوئے تھے۔ مولانا نے ایک قالین وہاں سے اُٹھوا کر نواب صاحب کے لیے اس مکان میں بھجوا دیا جہاں ان کا قیام تجویز ہوا تھا۔ جب حضرت تشریف لائے اور بیٹھنا چاہا چونکہ اس وقت بینائی جاتی رہی تھی اس لیے ہاتھ سے ٹٹول کر دریافت فرمایا کہ ایک قالین کہاں ہے؟ خطاب عام تھا کسی نے جواب نہ دیا تو خطاب خاص فرمایا: مولوی صاحب! وہ قالین کہاں ہے؟ مولوی صاحب نے جواب دیا نواب صاحب کے لیے بھجوا دیا ہے۔ اس پر فرمایا اچھا نواب صاحب قالین پر بیٹھنے کے لیے آئے ہیں ان کے ہاں کچھ کمی تھی قالین کی؟ (نواب صاحب کی آدھی نوابی تو یہاں جھڑ گئی۔)

پھر جب کھانے کا وقت ہوا تو حضرت شیخ الہند بھی وہاں موجود تھے۔ یہ وہاں سے کھسکنے لگے کہ اب نواب صاحب کھالیں گے۔ ہم لوگ بعد میں کھالیں گے۔ حضرت نے تاڑ لیا اور فرمایا مولوی محمود کہاں چلے؟ اگر نواب صاحب کو غریب طالب علموں کے ساتھ کھانا پسند نہ ہو تو اپنا کھانا الگ کھالیں ہمارا تمہارا تو مرنے جینے کا ساتھ ہے۔ تم کو نہیں چھوڑ سکتے (آدھی نوابی یہاں جھڑ گئی اور خوب سمجھ میں آ گیا) کہ طالب علموں کی حضرت کے یہاں کیا قدر و قیمت ہے اور ہم نوابوں کی کیا؟ گویا طالب علموں اور نوابوں میں فرق سمجھ میں آ گیا۔ (حضرت لوگوں میں اخلاص اور انکساری پیدا کرنے کے لیے اور ذکر و تزکیہ کا رنگ چڑھانے کے لیے یوں تربیت فرمایا کرتے تھے۔)

ملفوظات فقیہ الامت قسط ۴/ ۶۲

قتل کے لیے آنے والا ہوش کھو بیٹھا

حاجی قائم دین لائل پور میں کپڑے کے بہت بڑے تاجر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دین و دنیا دونوں نعمتیں بڑی فیاضی سے عطا کی تھیں۔ شاہ جی کے مخلص دوستوں میں سے شامل تھے۔ تقسیم سے قبل آگرہ میں تھے۔ انہوں نے واقعہ سنایا کہ ایک دفعہ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ آگرہ میں مارکیٹ کی چھت پر منعقد جلسہ میں تقریر کر رہے تھے۔ حجازی لہجے میں قرآن مجید کی آیات پڑھیں تو ایک نوجوان تڑپ کر چھت کے کنارے کی دیوار سے چھت پر آن گرا۔ مرنے سے تو بچ گیا لیکن وجد اور جذب کی حالت میں ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا۔

لوگوں نے اُٹھایا تو اس سے چھرا برآمد ہوا۔ اسے شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لایا گیا۔ شاہ جی نے اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالا، کچھ پڑھ کر پھونکا اور محبت سے پاس بٹھا لیا۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے انکشاف کیا کہ مجھے تو شاہ جی کے قتل کے لیے بھیجا گیا تھا لیکن شاہ جی کا خطبہ اور قرآن مجید سن کر میں بے تاب اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ ہزاروں لوگ گواہ ہیں کہ آپ کا خطبہ اور خطاب لاجواب ہوا کرتا تھا۔

علمائے دیوبند کے واقعات و کرامات، حافظ مومن خان عثمانی، ص ۴۴۲

یہ بچہ علامہ زماں ہوگا!

فقہ کی مشہور درسی کتاب ہدایہ شریف کے مصنف شیخ الاسلام ابوالحسن علی بن ابو بکر برہان الدین الفرغانی المرغینانی، عالم اسلام کی بہت بڑی شخصیت تھے۔ شیخ برہان الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں تقریباً پانچ برس کا خوردسالہ بچہ تھا اور والد کے ہمراہ کہیں جارہا تھا سامنے سے صاحب ہدایہ، علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ کی سواری آئی۔

میرے والد ہجوم کی وجہ سے دوسرے راستے پر پڑ گئے تھے۔ حضرت کی سواری قریب آئی تو میں نے بڑھ کر سلام کیا۔ انہوں نے میری طرف تیز نظروں سے دیکھا اور فرمایا:

"مجھے اس بچے میں نورِ علم نظر آتا ہے۔"

یہ بات سن کر میں ان کے آگے آگے چلنے لگا۔ پھر فرمایا اللہ مجھ سے یہ کہلواتا ہے کہ یہ لڑکا اس قدر عظیم ہوگا کہ بادشاہ اس کے دروازہ پر حاضری دیں گے۔" پھر اس اللہ والے کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ صادق آئے اور اہلِ زمانہ نے حضرت بلخی رحمۃ اللہ علیہ کی ایسی ہی شان دیکھی۔ سبحان اللہ

فوائد الفوائد فارسی، حضرت امیر علاء سنجری رحمۃ اللہ علیہ، ص ۴۰۶، منظور بک ڈپو دہلی

نمازی بننے کی ترکیب

اٹاوہ میں میرے ایک عزیز رہتے تھے۔ بالکل آزاد اور انگریزی رنگ میں سر سے پاؤں تک رنگے ہوئے تھے۔ ان پر بھی اتنا اثر ہوا کہ انہوں نے میرے ذریعہ سے اپنے نمازی ہو جانے کے لیے کوئی تعویذ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے طلب کیا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ مجھے تعویذ تو کوئی ایسا آتا نہیں کہ میں اس کے اندر ایک سپاہی مع ڈنڈے کے لپیٹ کر رکھ دوں اور جب نماز کا وقت آیا کرے وہ فوراً ڈنڈا لے کر تعویذ کے اندر سے نکل کر زبردستی نماز پڑھوا دیا کرے۔

ہاں ترکیب ایسی بتا سکتا ہوں جس سے دو تین دن میں ہی نمازی ہو جائیں گے لیکن وہ ترکیب محض پوچھنے ہی کی نہیں بلکہ عمل کرنے کی ہے۔ وہ یہ کہ اگر ایک وقت کی نماز قضا ہو تو ایک وقت کا فاقہ کریں اور دو وقت کی قضا ہو تو دو وقت کا اور اگر تین وقت کی قضا ہو تو تین وقت کا فاقہ۔ بس دو تین ہی فاقوں میں نفس ٹھیک ہو جائے گا اور نماز کی پوری پوری پابندی نصیب ہو جائے گی لیکن یہ صرف پوچھنے کی ترکیب نہیں بلکہ اس پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر کسی نے ہمت کر کے اس ترکیب پر عمل کر لیا اور برابر جما رہا تو ناممکن نہیں کہ دو تین روز ہی میں پکا نمازی ہو جائے۔

اشرف السوانح، جلد ۲، ص ۶۸، تالیفات اشرفیہ ملتان

محنت لازم ہے پڑیا سے کام نہ چلے گا!

مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبداللہ صاحب دھرم کوٹی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ رمضان کا آخری ہفتہ مولانا عبداللہ صاحب کا رائے پور میں گزرا۔ اسی موقع پر پنجاب کے ایک صاحب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پہلے وہ کسی اور بزرگ کی خدمت میں گئے تھے۔ ان بزرگ نے فرمادیا تھا کہ تمہارا حصہ رائے پور ہے وہاں جاؤ۔ رائے پور کا نقشہ ایسا تھا کہ خاص طور پر رمضان شریف میں سب مہمان حضرات اکثر اوقات، ذکر، نماز، تلاوت، مراقبہ، بالخصوص ذکر بالجہر میں مشغول رہتے تھے۔

یہ منظر دیکھ کر وہ صاحب کہنے لگے کہ ہم سے تو یہ چکی نہ پیسی جائے گی۔ غالباً کسی نے حضرت سے ذکر کر دیا۔ شام کو کھانے کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دوست آتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے حصہ کی پڑیا بنی رکھی ہے مل جائے گی۔ جیب میں ڈال کر لے آئیں گے مگر یہاں بغیر محنت کے کچھ نہیں ہوتا۔ اس راستہ میں محنت لازمی ہے۔ غالباً اس کے بعد یہ آیت {وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا} پڑھ کر مزید روشنی ڈالی۔ مگر چند دنوں بعد حضرت کے کانوں میں پھر یہی الفاظ ڈالے گئے کہ فلاں صاحب، یہاں دوستوں کی شب و روز محنت دیکھ کر گھبراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اتنی محنت کون کرے؟

دوبارہ بڑے جوش سے فرمایا: اگر کوئی گھر آپ لوگوں کو معلوم ہو جہاں دو روٹیاں پکی پکائی مل جاتی ہوں تو میں بھی ٹوکری پکڑ کر تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں تا کہ کچھ حاصل کرسکوں۔ دوست صرف چکی ہی پیسنے کی شکایت کرتے ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ چکی پینے کا ہنر تو بہت روز میں آتا ہے۔ پہلے تو زمین کو جوتنا ہے۔ اچھا بھلا بیج گھر سے نکال کر کھیت میں بکھیر کر پھر سینچنا ہے تا کہ کھیتی بڑھ کر پکنے کی حد تک پہنچے اور پک جائے تو پھر کاٹنا اور گاہنا اور غلہ کو بھوسے سے علیحدہ کرنا پھر چکی پیسنا، آٹا بن جانے کے بعد پھر اسے مشقت سے

گوندھنا بھی ہے اور آگ جلانے پکانے کا سامان مہیا کرنا ہے۔ پھر جیٹھ کی گرمی بھی برداشت کرنا ہے۔ پک کر تیار ہو جانے کے بعد مشقت سے توڑ کر منہ کے زور سے نگلنا ہے۔ اس ساری کوششوں کے بعد اگر ہضم ہو جائے تو محض میرے مولا کا فضل سمجھنا چاہیے۔ وگرنہ قے ہو کر باہر بھی نکل سکتا ہے۔

کسی دوست نے عرض کیا کہ حضرت ماں اپنے بچے پر کتنی شفیق ہوتی ہے کہ سوئے ہوئے بچہ کو اُٹھا کر دودھ پلاتی ہے۔ اگر بچہ بھوکا ہو تو اس کی چھاتیوں میں ایک قسم کی تحریک سی پیدا ہو کر اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ بچہ بھوکا ہے۔ مگر بزرگ لوگ ماؤں سے زیادہ شفیق ہوتے ہیں اس لیے ان سے ایسی اُمیدیں باندھی جا سکتی ہیں۔

اس پر حضرت رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ بھئی ماں کا کام تو اتنا ہی ہوتا ہے کہ چھاتی بچہ کے منہ میں دے دے لیکن اگر بچہ ہی مردہ ہو اور ہونٹ ہلا کر دودھ کو چوس نہ سکے اور اپنے پیٹ میں نہ پہنچا سکے تو اس میں ماں کا کیا قصور ہے؟

آپ بیتی، شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ، جلد ۲، فصل ۸، ص ۱۳۶

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی کہانی

اُنہی کی زبانی

میں جب اس مقام پر پہنچا جس کا نام باب البستان تھا تو میرے لئے سواری لائی گئی اور مجھے سوار ہونے کا حکم دیا گیا مجھے اس وقت سہارا دینے والا کوئی نہ تھا اور میرے پاؤں میں بوجھل بیڑیاں تھیں سوار ہونے کی کوشش میں کئی بار منہ کے بل گرتے گرتے بچا۔ آخر کسی نہ کسی طرح سوار ہوا اور معتصم کے محل میں پہنچا۔ مجھے ایک کوٹھڑی میں داخل کرکے دروازہ بند کر دیا گیا۔ آدھی رات کا وقت تھا اور وہاں کوئی چراغ نہیں تھا میں نے نماز کے لئے مسح کرنا چاہا۔ ہاتھ بڑھایا تو پانی کا ایک پیالا اور طشت رکھا ہوا ملا۔ میں نے وضو کیا اور نماز پڑھی۔

اگلے دن معتصم کا قاصد آیا اور مجھے خلیفہ کے دربار میں لے گیا۔ معتصم بیٹھا ہوا تھا قاضی القضاۃ ابن ابی دواد بھی موجود تھا اور ان کے ہم خیالوں کی ایک بڑی جمعیت تھی۔ ابوعبدالرحمن الشافعی بھی موجود تھے۔ اس وقت دو آدمیوں کی گردنیں بھی اڑائی جا چکی تھیں۔ میں نے ابوعبدالرحمن الشافعی کو کہا: تم کو امام شافعی سے مسح کے بارے میں کچھ (احکام) یاد ہے؟ ابن ابی دواد نے کہا: اس شخص کو دیکھو اس کی گردن اڑائی جارہی ہے اور یہ فقہ کی تحقیق کر رہا ہے۔

معتصم نے کہا ان کو میرے پاس لاؤ۔ وہ برابر مجھے پاس بلاتا رہا یہاں تک کہ میں اس کے بہت قریب ہو گیا اس نے کہا بیٹھ جاؤ میں بیڑیوں سے تھک گیا تھا اور بوجھل ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے کہا مجھے کچھ کہنے کی اجازت ہے؟ خلیفہ نے کہا: کہو! میں نے کہا میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کس چیز کی طرف دعوت دی ہے؟ تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد اس نے کہا: لا الٰہ الا اللہ کی شہادت کی طرف۔ میں

نے کہا تو میں اس کی شہادت دیتا ہوں۔

پھر میں نے کہا آپ کے جدِ امجد حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب قبیلہ عبد القیس کا وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے ایمان کے بارے میں آپ سے سوال کیا۔ فرمایا: تمہیں معلوم ہے کہ ایمان کیا چیز ہے؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ معلوم ہے۔ فرمایا: اس بات کی گواہی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ نماز کی پابندی، زکوٰۃ کی ادائیگی، مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ نکالنا۔ اس پر معتصم نے کہا: اگر تم میرے پیشرو کے ہاتھ پہلے سے نہ آ گئے ہوتے تو میں تم سے تعرض نہ کرتا۔ پھر عبد الرحمن بن اسحاق کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ تم میں نے تمہیں حکم نہیں دیا تھا کہ اس آزمائش کو ختم کرو۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے کہا اللہ اکبر! اس میں تو مسلمانوں کے لئے کشائش ہے۔ خلیفہ نے حاضرین سے کہا اب ان سے گفتگو کرو اور مناظرہ کرو پھر عبد الرحمن سے بھی کہا تم ان سے گفتگو کرو۔ پھر گفتگو شروع ہو گئی۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اس مناظرہ کی تفصیل یوں بیان فرماتے ہیں کہ صدارتی محل میں ایک آدمی بات کرتا، میں اس کا جواب دیتا، دوسرا بات کرتا اور میں اس کا جواب دیتا۔

معتصم کہتا: احمد! تم پر اللہ رحم کرے تم کیا کہتے ہو؟

میں کہتا: امیر المومنین! مجھے کتاب اللہ یا سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کچھ دکھائیے تو میں اس کا قائل ہو جاؤں۔

معتصم کہتا کہ اگر یہ (امام احمد رحمۃ اللہ علیہ) میری بات قبول کر لیں تو میں اپنے ہاتھ سے ان کو آزاد کر دوں اور اپنے فوج و لشکر کے ساتھ ان کے پاس جاؤں اور ان کے آستانہ پہ حاضر ہوں۔ پھر کہتا: احمد! میں تم پر بہت شفیق ہوں اور مجھے تمہارا ایسا ہی خیال ہے جیسے اپنے بیٹے ہارون کا، تم کیا کہتے ہو؟ میں وہی جواب دیتا کہ مجھے کتاب اللہ یا سنتِ رسول

میں سے کچھ دکھاؤ تو میں قائل ہو جاؤں۔ جب بہت دیر ہوگئی تو وہ اکتا گیا اور کہا جاؤ اسے لے جاؤ پھر میں اپنی پہلی جگہ پر واپس کر دیا گیا اور مجھے قید کر دیا گیا۔

اگلے دن پھر مجھے طلب کیا گیا۔ مناظرہ ہوتا رہا اور میں سب کا جواب دیتا رہا۔ یہاں تک کہ زوال کا وقت ہو گیا۔ جب اکتا گیا تو کہا کہ ان کو لے جاؤ۔ تیسری رات کو میں سمجھا کہ کل کچھ ہو کر رہے گا۔ میں نے ڈوری منگوائی اور اس سے اپنی بیڑیوں کو کس لیا اور جس ازار بند سے میں نے بیڑیاں باندھ رکھی تھیں اس کو اپنے پائجامہ پر باندھ لیا کہ کہیں کوئی سخت وقت آئے تو میں برہنہ نہ ہو جاؤں۔ تیسرے روز مجھے پھر طلب کیا گیا۔ میں نے دیکھا کہ دربار بھرا ہوا ہے۔ میں مختلف ڈیوڑھیاں اور مقامات طے کرتا ہوا آگے بڑھا۔ کچھ لوگ تلواریں لیے کھڑے تھے، کچھ لوگ کوڑے لیے۔ پہلے دو دنوں کے بہت سے لوگ آج نہیں تھے۔ جب میں معتصم کے پاس پہنچا تو اس نے کہا بیٹھ جاؤ۔ پھر کہا ان سے مناظرہ اور گفتگو کرو۔ لوگ مجھ سے مناظرہ کرنے لگے۔ میں ایک کا جواب دیتا، پھر دوسرے کا جواب دیتا، میری آواز سب پر غالب تھی۔ جب دیر ہوگئی تو مجھے الگ کر دیا اور ان کے ساتھ تخلیہ میں کچھ بات کہی۔ پھر ان کو ہٹا دیا اور مجھے بلا لیا۔

اور کہا: احمد! اللہ تم پر رحم کرے!

میری بات مان لو میں تم کو اپنے ہاتھ سے رہا کروں گا۔

میں نے پہلا سا جواب دیا۔ اس پر اس نے برہم ہو کر کہا کہ ان کو پکڑو اور کھینچو اور ان کے ہاتھ اکھیڑ دو۔ معتصم کرسی پر بیٹھ گیا اور جلادوں اور تازیانہ لگانے والوں کو بلایا۔ جلادوں سے کہا آگے بڑھو۔ ایک آدمی آگے بڑھتا اور مجھے دو کوڑے لگاتا۔ معتصم کہتا زور سے کوڑے لگاؤ۔ پھر وہ ہٹ جاتا اور دوسرا آتا اور دو کوڑے لگاتا۔ انیس کوڑوں کے بعد پھر معتصم میرے پاس آیا اور کہا: کیوں احمد اپنی جان کے پیچھے پڑے ہو؟ بخدا مجھے تمہارا بہت خیال ہے۔ ایک شخص عجیف نامی مجھے اپنی تلوار کے دستے سے چھیڑتا اور

کہتا کہ تم ان سب پر غالب آنا چاہتا ہو۔ دوسرا کہتا کہ اللہ کے بندے! خلیفہ تمہارے سر پر کھڑا ہوا ہے کوئی اسے کہتا کہ امیر المومنین آپ روزے سے ہیں اور آپ دھوپ میں کھڑے ہوئے ہیں۔ معتصم پھر مجھ سے بات کرتا اور میں اس کو وہی جواب دیتا۔ وہ پھر جلاد کو حکم دیتا کہ پوری قوت سے کوڑے لگاؤ۔ امام کہتے ہیں کہ پھر اس اثناء میں میرے حواس جاتے رہے۔ جب میں ہوش میں آیا تو دیکھا کہ بیڑیاں کھول دی گئی ہیں۔

تاریخ دعوت وعزیمت ۱/۹۶ تا۹۹، تاریخ اسلام للذہبی، ترجمۃ الامام احمد، ۴۱ تا۴۹ بالاختصار

جنت کے پھل تلاش کر کے لاؤ

شیث کا معنیٰ ہے اللہ کا عطیہ۔ حضرت آدم وحوا علیہما السلام دونوں ماں باپ نے اس فرزند کا یہ نام اس لیے رکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ ہابیل کے بدلے عطا فرمایا تھا۔ یہ حضرت شیث علیہ السلام بہت بڑے پیغمبر ہوئے ہیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اللہ عزوجل نے کل ایک سو صحیفے نازل فرمائے اور چار کتابیں نازل فرمائیں اور (صرف) حضرت شیث علیہ السلام پر پچاس صحیفے نازل فرمائے۔

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو اپنے فرزند حضرت شیث علیہ السلام کو نصیحت و وصیت فرمائی اور دن رات کی گھڑیوں کی پہچان کروائی اور ان اوقات کی عبادتوں کی تعلیم دی۔ بعد میں ایک بڑے طوفان کے وقوع کی پیش گوئی فرمائی۔ کہا جاتا ہے کہ آج تمام لوگوں کے نسب حضرت شیث علیہ السلام پر انتہا کو پہنچتے ہیں کیونکہ ان کے علاوہ دوسری اولاد اختتام کو پہنچ گئی تھی۔ واللہ اعلم

اور جمعے کے دن جب حضرت آدم علیہ السلام وفات پا گئے تو فرشتے حنوط (خوشبو) لے کر حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئے اور اللہ عزوجل کی طرف سے جنت کا کفن بھی لائے۔ پھر سیدنا آدم علیہ السلام کے فرزند حضرت شیث علیہ السلام نے اس کفن میں ان کو کفنایا۔

ابن ضمرۃ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے مدینے میں ایک بزرگ کو دیکھا جو وعظ فرما رہے تھے۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں۔ میں نے سنا وہ فرما رہے تھے: جب حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے بیٹوں کو کہا: اے بیٹو! جنت کے پھل کھانے کو میرا دل چاہ رہا ہے۔ بیٹے چلے کہ جنت کے پھل تلاش کر کے لائیں۔ سامنے سے ان کو فرشتے مل گئے جن کے ساتھ کفن اور خوشبو تھی اور (قبر کھودنے کے آلات) بیلچے، پھاوڑے، ٹوکری وغیرہ اشیاء تھیں تو فرشتوں

نے سیدنا آدم علیہ السلام کے بیٹوں سے پوچھا "اے بنی آدم! کہاں اور کس چیز کی تلاش میں جا رہے ہو؟" کہا ہمارے والد بیمار ہیں اور جنت کے پھل کھانے کو ان کا جی کر رہا ہے۔ تو فرشتوں نے کہا واپس چلو تمہارے والد کا وقت پورا ہو گیا ہے تو سب واپس آ گئے۔ حضرت حواء سلام اللہ علیہا نے فرشتوں کو دیکھا تو پہچان لیا (کہ یہ تو فرشتے ہیں مگر سوچنے لگیں کہ کس مقصد کے لیے آئے ہیں؟) پھر حضرت آدم علیہ السلام کے لیے پناہ مانگنے لگیں (تاکہ فرشتے ان کو چھوڑ دیں) تو حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت حوا کو فرمایا مجھے چھوڑ دو۔ میں تم سے پہلے کا پیدا ہوا ہوں لہٰذا میرے اور میرے رب کے فرشتوں کے درمیان راستہ خالی کر دو۔

تب فرشتوں نے ان کی روح قبض کر لی۔ غسل دیا، کفن دیا خوشبو لگائی۔ پھر گڑھا کھودا قبر بنائی اور حضرت آدم علیہ السلام پر نماز جنازہ ادا کی۔ پھر ان کو قبر میں داخل کیا اور قبر کے اوپر مٹی ڈالی۔ پھر کہا: اے آدم کی اولاد! یہی تمہارا طریقہ ہے۔ (اس حدیث کی اسناد صحیح ہیں۔)

تاریخ ابن کثیر (اردو ترجمہ البدایہ والنہایہ) حصہ اول، ص ۱۲۱

حاکم اُندلس عبدالرحمٰن بن معاویہ کی زندگی کے نشیب وفراز

۱۳۲ھ میں جب خلافت بنواُمیہ کا خاتمہ ہو کر خلافتِ عباسیہ شروع ہوئی تو عبدالرحمن بن معاویہ کی عمر بیس سال کے قریب تھی۔ دریائے فرات کے کنارے عبدالرحمن کی ایک جاگیر تھی۔ جب عباسی لشکر ملک شام میں داخل ہو کر دمشق پر قابض ومتصرف ہوا اور بنواُمیہ کا قتل عام ہونے لگا تو اس زمانے میں عبدالرحمن بن معاویہ دمشق میں موجود نہ تھا۔ بلکہ اپنی جاگیر پہ اپنے گاؤں میں آیا ہوا تھا۔ عبدالرحمن کو جب یہ معلوم ہوا کہ بنواُمیہ اور ان کے ہمدردوں کو چن چن کر قتل کیا جا رہا ہے تو وہ احتیاط کی نظر سے گاؤں کے باہر درختوں کے جھنڈ میں خیمہ نصب کر کے رہنے لگا تاکہ گاؤں پر اگر کوئی آفت آئے تو خطرہ سے واقف ہو کر اپنی جان بچانے کی فکر کر سکے۔

ایک روز وہ اپنے خیمے میں بیٹھا تھا کہ اس کا تین چار سال کا لڑکا جو باہر کھیل رہا تھا خوف زدہ ہو کر خیمہ کے اندر آیا۔ عبدالرحمن اس کے خوف زدہ ہونے کا سبب معلوم کرنے کے لیے خیمے سے باہر نکلا تو اس نے دیکھا کہ عباسیوں کا سیاہ جھنڈا ہوا میں لہرا رہا ہے اور اس کی جانب آ رہا ہے۔ تمام گاؤں میں ہلچل مچی ہوئی ہے۔ یہ دیکھ کر کہ عباسی لشکر بنواُمیہ کو قتل کرنے کو پہنچ گیا ہے وہ اپنے بیٹے کو گود میں اُٹھا کر دریا کی طرف بھاگا۔ ابھی وہ دریا تک نہ پہنچنے پایا تھا کہ دشمنوں نے اس کا تعاقب کیا اور چلا چلا کر کہنے لگے کہ تم بھاگو مت ہم تمہیں کوئی آزار نہ پہنچائیں گے اور ہر طرح تمہاری امداد واعانت کریں گے۔

عبدالرحمن کے پیچھے پیچھے اس کا بھائی تھا۔ عبدالرحمن نے دشمنوں کی ان باتوں کی جانب مطلق التفات نہ کیا اور دریا کے کنارے پہنچتے ہی دریا میں کود پڑا۔ عبدالرحمن کا بھائی تشفی آمیز باتوں سے فریب کھا کر دریا کے کنارے کھڑا ہو کر اور رک کر کچھ سوچنے اور پیچھے

کو دیکھنے لگا۔ دشمنوں نے پہنچتے ہی اس کا سر تلوار سے اڑا دیا۔ عبدالرحمن نے مطلق پس و پیش نہ کی اور دریا میں تیرتا ہوا اپنے بیٹے کو چھاتی سے لگائے دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچ گیا۔ دشمنوں نے دریا میں تیرنے کی جرأت نہ کی۔ بلکہ اسی کنارے پر کھڑے ہوئے تماشا دیکھتے رہے۔

عبدالرحمٰن افریقہ میں:

عبدالرحمن دریا سے نکل کر یہاں سے چھپتا چھپاتا چلتا رہا۔ کبھی کسی گاؤں میں مسافر بن کر ٹھہر جاتا، کبھی جنگل میں کسی درخت کے نیچے پڑا رہتا۔ غرض بھیس بدلے اور بیٹے کو لیے ہوئے بہت سی منزلیں طے کرتا ہوا فلسطین کے علاقہ میں پہنچ گیا۔ وہاں اس کو اتفاقاً اس کے باپ کا غلام بدرؔ مل گیا۔ وہ بھی اسی حالت میں اپنی جان بچاتا اور چھپتا ہوا مصر کی طرف جا رہا تھا۔ بدر کے پاس عبدالرحمن کی ہمشیرہ کے کچھ زیورات اور روپیہ بھی تھا جو اس نے عبدالرحمن کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس طرح عبدالرحمن کی عسرت اور خرچ کی تکلیف رفع ہوگئی۔ اب اس نے اپنا بھیس بدل کر اور معمولی سوداگروں کی حالت بنا کر بدر کی معیت میں سفر شروع کیا۔ مصر میں پہنچ کر بنو اُمیہ کے ہمدردوں سے ملاقات کی۔ یہاں کے چند روزہ قیام کے بعد افریقہ کا قصد کیا۔

عبدالرحمٰن کا اپنی حکومت قائم کرنے کا منصوبہ اور فرار:

گورنر افریقہ کو عبدالرحمن کی آمد کا حال معلوم ہوا تو وہ عزت و محبت کے ساتھ پیش آیا لیکن اس کو چند روز کے بعد معلوم ہوا کہ عبدالرحمن افریقہ میں اپنی حکومت قائم کرنے کی فکر میں مصروف ہے۔ ادھر اس نے عباسیوں کی خلافت کے مستحکم ہو جانے کا حال سنا اور عبدالرحمن کو گرفتار کر کے عباسی خلیفہ سفاح کے پاس بھیجنے کا ارادہ کیا۔ عبدالرحمن کو عین وقت پر اس کی اطلاع ہوگئی اور وہ اپنے غلام بدر اور اپنے بیٹے کو لے کر فوراً روپوش اور بعد

ازاں وہاں سے فرار ہوگیا۔ گورنر افریقہ نے عبدالرحمن کی گرفتاری کے لیے ایک گراں سنگِ انعام مشتہر کیا۔ جا بجا عبدالرحمن کی تلاش شروع ہوگئی لہٰذا عبدالرحمن کو اپنی جان بچانے کے لیے بڑی بڑی مصیبتیں جھیلنی پڑیں۔ وہ کئی کئی روز تک بھوکا رہا۔ صحرا کے گوشوں میں ہفتوں اور مہینوں روپوش رہا۔

ایک مرتبہ عبدالرحمن نے کسی بربری عورت کی جھونپڑی میں پناہ لے لی ادھر گرفتار کرنے والے تعاقب کرتے کرتے وہاں پہنچے تو بوڑھی عورت نے ایک کونے میں عبدالرحمن کو بٹھا کر اس کے اوپر اپنے بہت سے کپڑے ڈال دیے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ کونے میں پرانے کپڑوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ اس طرح متلاشی لوگ دیکھ بھال کر کے چلے گئے۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ کھانے کو روٹی اور پہننے کو کپڑا دستیاب ہونا بھی دشوار ہوگیا۔ غرض اسی پریشانی اور تباہ حالی میں چار پانچ سال تک عبدالرحمن افریقہ میں رہا۔ اس چار پانچ سال کے تجربہ سے عبدالرحمن کو معلوم ہوگیا تھا کہ گورنر افریقہ سے ملک چھیننا اور یہاں کوئی حکومت قائم کرنا آسان کام نہیں ہے۔ پھر سبطہ میں آ کر اس کو اندلس کے حالات سے زیادہ واقفیت حاصل ہوئی۔ کیونکہ یہ مقام جزیرہ نمائے اندلس سے بہت ہی قریب اور قوی تعلق رکھتا تھا۔

جب عبدالرحمن کو یہ معلوم ہوا کہ اندلس میں بدامنی اور خانہ جنگی موجود ہے اور وہاں کا حاکم یوسف باغیوں کی سرکوبی میں مصروف اور پریشان ہے تو اس کی اولوالعزم طبیعت اور ہمت بلند میں ایک تحریک پیدا ہوئی۔ اس نے فوراً اپنے غلام بدر کو اندلس روانہ کیا اور ان لوگوں کے نام جو خلافت بنوامیہ میں سرداری اور عزت کا مرتبہ رکھتے اور بنوامیہ کے ہمدرد تھے خطوط لکھے۔

عبدالرحمٰن اندلس میں:

بدر نے اندلس میں پہنچ کر ابوعثمان اور عبداللہ بن خالد سے ملاقات کی اور نہایت قابلیت کے ساتھ ان کو اپنی خواہش کے موافق آمادہ کرلیا۔ ابوعثمان نے شامی اور عربی سرداروں کو جمع کر کے یہ مسئلہ ان کے سامنے پیش کیا اور وہ سب شہزادہ عبدالرحمٰن کو اندلس بلانے اور اس کی مدد کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے۔ بدر کو جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے اپنے گیارہ آدمیوں کے ہمراہ ایک کرایہ کا جہاز لے کر سبطہ کی جانب روانہ کیا۔ اندلس سے آنے والا یہ جہاز جس میں بدر معہ اندلس کے آدمیوں کے آرہا تھا جب ساحل سبطہ کے قریب پہنچا ہے تو اس وقت عبدالرحمٰن نماز پڑھ رہا تھا۔ یہ لوگ جہاز سے اُتر کر بدر کی رہبری میں عبدالرحمٰن کے سامنے گئے۔ سب سے پہلے اندلس کے گیارہ آدمیوں کے امیر وفد ابوغالب التمام نے آگے بڑھ کر عبدالرحمٰن کو سلام کیا اور کہا کہ اہلِ اندلس آپ کے منتظر ہیں۔ عبدالرحمٰن نے اس کا نام دریافت کیا۔ جب نام سنا تو عبدالرحمٰن خوش ہو گیا اور جوش مسرت میں بے اختیار کہہ اُٹھا کہ ہم انشاء اللہ تعالیٰ ضرور غالب ہوں گے۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن نے مطلق تامل نہ کیا۔ فوراً جہاز میں سوار ہو گیا۔ اپنے چند جاں نثاروں کو جو سبطہ میں موجود تھے اور اس سے محبت و ہمدردی کا تعلق رکھتے تھے ہمراہ لیا اور اندلس کے ساحل پر جا اُترا۔ وہاں پہلے سے ہزارہا لوگ استقبال کے لیے موجود تھے جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے۔

قرطبہ پر عبدالرحمٰن کا قبضہ:

عبدالرحمٰن کے اندلس پہنچتے ہی خیر خواہانِ بنو امیہ اور اہلِ شام سن سن کر دوڑے اور عبدالرحمٰن کی اطاعت و فرماں برداری کے حلف اُٹھائے۔ اس کے بعد اردگرد کے شہروں اور قصبوں پر قبضہ شروع ہوا۔ موسم برسات کے آجانے کے سبب یوسف جلد قرطبہ

نہ آ سکا۔ اس لیے عبدالرحمن کو یوسف کی فیصلہ کن جنگ کے لیے سات مہینے کی مہلت مل گئی۔ آخر عیدالاضحیٰ کے روز لڑائی ہوئی اور دارالسلطنت قرطبہ پر عبدالرحمن کا قبضہ ہوا۔ جب اس لڑائی میں فتح حاصل ہوئی تو یمنی لوگوں کے ایک سردار ابوالصباح نے اپنے قبیلہ کے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ یوسف سے ہم بدلہ لے چکے ہیں۔ اب موقعہ ہے کہ اس نوجوان یعنی عبدالرحمن کو قتل کر دو اور بجائے اس کے یہاں امویوں کی حکومت قائم ہو اپنی قوم کی حکومت قائم کر دو۔ مگر چونکہ عبدالرحمن کے لشکر میں شامیوں اور بربریوں کی تعداد کافی تھی۔ اس لیے علانیہ یمنی لوگ کوئی مخالفت یا بغاوت نہ کر سکے اور خاموش ہو کر خفیہ طور پر عبدالرحمن کی ذات پر حملہ کرنے کی تدبیر سوچنے لگے۔ اتفاق سے عبدالرحمن کو بھی ان لوگوں کے ارادے کا حال معلوم ہو گیا۔ اس نے صرف یہ کام کیا کہ اپنا ایک باڈی گارڈ یعنی محافظ دستہ قائم کر لیا اور بظاہر چشم پوشی اور درگزر سے کام لیتا رہا اور چند مہینے کے بعد ابوالصباح کو اس کی غلطی کی سزا میں قتل کرا دیا پھر سکون سے وہاں حکومت کرنے لگا۔

تاریخ اسلام، مولانا اکبر شاہ صاحب نجیب آبادی، جلد ۳، ص ۴۸ تا ۵۱

آتشِ نمرود کی کیا مجال؟

ہمارے ناقص خیال میں نمرود کی سلطنت میں شاید ایسا کوئی شخص نہ تھا جس نے کم و بیش اس حکم کی تعمیل نہ کی ہو۔ اس لیے تھوڑے وقت میں بے انتہا لکڑیاں جمع ہو گئیں اور خوب آگ جلائی گئی جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منجنیق میں رکھ کر اس آگ میں جسے ایک دنیا کے بت پرستوں نے روشن کیا تھا، ڈالا گیا اس وقت عجیب کیفیت تھی۔ سوائے ثقلین (یعنی انسان اور جنات) کے تمام عالم، زبانِ حال سے اللہ کے حضور کہہ رہا تھا۔ آج اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلا دیا گیا تو کوئی شخص دنیا میں تیرا نام لینے والا باقی نہ رہے گا۔ تو اگر ہمیں اجازت دے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مدد کریں!

جنابِ باری سے حکم ہوا:

اِنِ اسْتَغَاثَ بِشَيٍ مِّنْكُمْ فَانْتَصِرُوْهُ وَاِنْ لَّمْ يَدْعُ غَيْرِيْ فَاِنَّهٗ لَهٗ

"اگر وہ تم میں سے کسی سے مدد چاہیں تو تمہیں اجازت ہے کہ ان کی مدد کرو اور اگر میرے سوا کسی دوسرے کو نہیں بلایا تو میں اس کی مدد کے لیے موجود ہوں۔"

اس اجازت کے بعد بعض نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا مَا اِلَيْكَ حَاجَة (کیا آپ کو کوئی ضرورت ہے؟) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صاف جواب دیا اَمَّا اِلَيْكَ فَلَا (ضرورت تو ہے مگر تجھ سے نہیں) یہ ایک ایسا جواب تھا جو درحقیقت لاجواب تھا اور آپ کی شان کے موافق بھی۔ اس وقت پوری کائنات سوائے انسان و جنات کے یہ تماشا حسرت و افسوس کی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں:

جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ کے ڈھیر کے قریب پہنچے تو آسمان کی طرف سر اٹھا کر بارگاہِ الٰہی میں عرض کی:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الْوَاحِدُ فِی السَّمَآءِ وَاَنْتَ الْوَاحِدُ فِی الْاَرْضِ حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ

"اے اللہ! تو اکیلا ہے آسمان میں اور تو اکیلا ہے زمین میں، کافی ہے مجھ کو اللہ اور وہ بہت اچھا حمایتی ہے۔"

ابھی آگ کے شعلوں کا آپ کے مبارک بدن پر کچھ بھی اثر نہ پہنچنے پایا تھا کہ

یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ (الانبیاء:۶۹)

"اے آگ سرد ہو جا اور سلامتی بن جا ابراہیم علیہ السلام کے لیے۔"

کے خطاب نے اس آگ کو گلزار بنا دیا۔ اللہ جل جلالہٗ عم نوالہٗ سلامًا کا لفظ بردًا کے بعد نہ فرماتا تو ابراہیم کو سردی کی شدت سے روحانی تکلیف پہنچتی اور وہی روح کی جدائی کا سبب بن جاتی، اسی طرح اگر یہ حکم باری مطلق ہو جاتا اور "علیٰ ابراہیم" کی قید نہ لگائی جاتی تو یقیناً دنیا بھر کی آگ ٹھنڈی ہو جاتی اور آج آگ کا کہیں نام ونشان نہ ملتا۔ واللہ اعلم

نمرود کے دماغ میں بہت عرصے تک یہ خیال یقینی صورت اختیار کیے رہا کہ آگ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کام تمام کر دیا ہوگا لیکن ایک روز اتفاق سے اس نے نظر اُٹھائی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں صحیح سالم بیٹھا دیکھ کر حیران ہو گیا۔ اس نے اسی وقت اپنی قوم کو بلا کر کہا مجھ کو شبہ سا ہو گیا ہے کہ ابراہیم زندہ ہے۔ اس وجہ سے میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ میرے لیے ایک ایسی اونچی عمارت بناؤ کہ جس سے میں ابراہیم علیہ السلام کو دیکھ سکوں۔

نمرود کی حیرانی:

نمرود کی زبان سے یہ فقرہ تمام ہونے بھی نہ پایا تھا کہ لوگ دوڑ پڑے اور عمارت بنانے میں مصروف ہو گئے۔ زیادہ مدت نہیں گزری تھی کہ وہ عمارت بن کر تیار ہو گئی اور

نمرود اس عمارت پر چڑھ کر آگ کی طرف دیکھنے لگا۔ اسے اس مرتبہ پہلے سے زیادہ تعجب ہوا کیونکہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلو میں آپ جیسی شکل وصورت کا آدمی بیٹھا ہوا دیکھا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی کے عالم میں دیکھتا رہا۔ جب صبر نہ ہو سکا تو چلا کر کہنے لگا ''اے ابراہیم! تیرا خدا بہت ہی بڑا ہے۔ اس کی قدرت وعزت اتنی زیادہ بڑھ گئی ہے۔ کیا تجھ میں اتنی طاقت ہے کہ اس آگ سے تو صحیح وسالم نکل آئے؟'' سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ ''ہاں ممکن ہے۔ جس خدا نے مجھے یہاں صحیح وسالم رکھا اس کی قوت ومدد سے میں باہر آ سکتا ہوں۔'' حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ کہہ کر اُٹھے اور بہت اطمینان سے خراماں خراماں آگ کے ڈھیر سے باہر آ گئے۔ پھر نمرود نے پوچھا: اے ابراہیم علیہ السلام تمہارے پاس تمہارا ہی ہم شکل کون شخص بیٹھا تھا؟ آپ نے فرمایا: وہ ''ملک الظل'' تھا۔ اللہ جل شانہ نے اسے میرے پاس اس لیے بھیجا تھا کہ وہ مجھ سے باتیں کرے تاکہ تنہائی کی تکلیف مجھے نہ پہنچے۔

تاریخ ابن خلدون مترجم، جلد دوم، حصہ اوّل، ص ۴۹، دارالاشاعت کراچی

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو

آپ نے صبح دوکان کھولی، دوکان کے اندر آپ چاول بھی بیچتے ہیں اور نہ معلوم کیا کیا چیزیں بیچتے ہیں۔ آپ پچاس روپے کے دس کلو چاول دیتے ہیں۔ دوکان کھلی، لوگ آئے، سب کو آپ نے دس دس کلو چاول دیے۔

تمہارے محلے کی ایک غیر مسلم بوڑھی بھی صبح صبح لکڑی ٹیکتے ہوئے تمہاری دوکان پر پہنچ گئی اور اس نے جا کر کہا کہ پچاس روپے کے میرے کو چاول دے دو۔ اس کو آپ نے بجائے دس کلو کے بیس کلو دے دیے۔ اس لیے کہ اس کی پریشانی سے واقف تھے۔ اب وہ جو دوسرے خریدار تھے لالہ جی، سردار جی اور وہ متولی جی بھی تھے جنہوں نے بورڈ لگایا تھا کہ ہماری مسجد میں کوئی بیان نہ کرے۔ تو یہ سارے کے سارے شور کرنے لگے کہ اس کو پچاس روپے میں بیس کلو اور ہم کو دس کلو۔ تو آپ نے کہا دیکھو! میرا بھاؤ تو پچاس روپے میں دس کلو کا ہی ہے اور جو میں نے اس بوڑھی عورت کو دس کلو زیادہ دیے یہ بطور ہمدردی کے ہیں۔ یہ میرے محلے کی عورت ہے اور میں رات کو اس کی چیخ و پکار کو سنتا ہوں۔

اس کے بعد آپ نے پھر بڑی بی سے پوچھا کہ بڑی بی رات کو تم کراہتی بہت ہو کیا پریشانی ہے؟ تو اس غیر مسلم بوڑھی عورت نے کہا کہ میرے سات بیٹے ہیں۔ میں نے ان سب کی شادیاں کر دیں۔ وہ اپنی بیویوں کو لے کر چلے گئے اور میری کوئی خیر خبر نہیں لیتا۔ یہ کہہ کر وہ رونے لگی۔ جب وہ رونے لگی تو اس کا رونا دیکھ کر آپ کو بھی رونا آ گیا۔ کیوں؟

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

عبادت کے لیے تو فرشتے بہت ہیں۔ انسان کو دردِ دل کے واسطے پیدا کیا ہے
لیکن دیکھو یہ مطلب نہیں ہے کہ عبادت کے واسطے نہیں پیدا کیا۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات،۵۶)

''جنات اور انسان کو اللہ پاک نے عبادت کرنے کے لیے پیدا کیا۔'' اور انسان کی عبادت دل میں نرمی اور لوگوں کا درد بھی پیدا کرتی ہے۔ تو آپ رونے لگے۔ وہ بوڑھی بھی رو رہی ہے۔ وہ سارے کے سارے دیکھ رہے ہیں اور تعجب کر رہے ہیں کہ کوئی رشتہ داری نہیں اور پھر بھی اتنی ہمدردی ہو رہی ہے۔

پھر آپ نے اپنے بیٹے سے کہا کہ بیٹا! یہ جو تم دوکان کے اندر تولنے اور بیچنے کا کام کرتے ہو تو وہ ذرا نوکروں کے حوالہ کر دو اور تم اس بڑی بی کو اپنی موٹر کے اندر بٹھاؤ اور لے جا کے ہسپتال میں داخل کراؤ اور یہ لو تین ہزار روپے یہ ڈاکٹر کو ایڈوانس دے دو اور میں ڈاکٹر کو فون کرتا ہوں کہ اس بڑی بی کے علاج کا جو خرچہ ہوگا وہ میری دوکان سے تمہارے پاس پہنچ جائے گا اور بیٹا بڑی بی کی خدمت کے لیے کوئی عورت تجویز کرو۔ اس عورت کی جو تنخواہ ہوگی وہ بھی ہم دیں گے۔ بیٹا موٹر میں بٹھا کر اس بڑی بی کو لے کر چلا گیا۔ آپ نے یہاں سے ٹیلی فون بھی کر دیا۔ اب یہ سارے دیکھ کر لالہ جی بھی خوش، سردار جی بھی خوش، متولی جی بھی خوش اب یہ سارے مانوس ہو گئے اور جب یہ مانوس ہو گئے تو اب ان کو اللہ سے جوڑنے کی فکر کرو۔

اب آپ نے کہا کہ لالہ جی اور سردار جی متولی جی میرا یوں جی چاہتا ہے کہ آپ لوگ میرے گھر پر آئیں اور بیٹھ کر ایک وقت ہم سب کھانا کھائیں اور چائے پئیں۔

آپ کا اخلاق دیکھ کر وہ بہت خوشی خوشی آپ کے یہاں آ گئے۔ آپ نے جو اُن کو روٹی کھلائی تو اس کے ساتھ ساتھ ایمان کی باتیں بھی ان کو پلائیں۔ وہ بہت متاثر ہوئے۔

بیانات مولانا محمد عمر پالن پوری، ص ۴۸-۴۷، پرنٹ لائن پبلشرز لاہور

تیرے در پہ آیا ہوں کہ اسے اپنا بنا لے!

ہمارے بزرگوں میں سے ایک مشہور بزرگ حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ گزرے ہیں۔ وہ اکثر پیدل سفر کرتے تھے اور جہاں شام ہوتی تھی وہیں رات گزار لیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ وہ جلال آباد یا شاملی کی طرف گئے۔ آپ نے مسجد میں جھاڑو دی۔ پھر کافی دیر انتظار کرتے رہے مگر کوئی بھی شخص نماز کے لیے نہ آیا تو آپ کو تعجب ہوا کہ مسلمانوں کی بستی ہے اور کوئی بھی نماز کے لیے نہیں آیا۔

نماز سے فارغ ہو کر اس بارے میں ایک شخص سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ سامنے خان صاحب کا مکان ہے اور وہ شرابی اور رنڈی باز ہے۔ اگر وہ دین کی طرف آئے اور نماز پڑھنے لگے تو دوسرے لوگوں پر بھی اثر ہوگا۔ کیونکہ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ لوگ اپنے وڈیروں اور چوہدریوں کے دین کے تابع ہوتے ہیں۔ وہ اگر درست ہو جائیں تو نیچے والوں پر بھی ضرور اثر ہوگا۔ آپ بلا کسی تکلف کے ان خان صاحب کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت ان کے پاس رنڈی بیٹھی ہوئی تھی اور وہ نشہ میں مست تھے۔

آپ نے خان صاحب سے فرمایا کہ اللہ کے بندے! اگر تم نماز پڑھ لیا کرو تو کچھ دوسرے لوگ بھی نماز پڑھنے لگیں گے اور اللہ تعالیٰ کا یہ گھر آباد ہو جائے گا۔ خان صاحب نے کہا کہ ایک تو مجھ سے وضو نہیں ہوتا اور دوسرے یہ دونوں بری عادتیں ہی مجھ سے نہیں چھوٹتیں۔ آپ پہلے تو اسے سمجھاتے رہے پھر ایک تدبیر کے طور پر آپ نے فرمایا کہ وضو کے بغیر ہی پڑھ لیا کرو اور شراب بھی پی لیا کرو۔

آپ نے خان صاحب کے لیے شراب کو جائز قرار نہیں دے دیا تھا بلکہ حکمتاً اسے اجازت دے دی۔ آپ کو یقین تھا کہ انشاء اللہ اس کی زندگی بدل جائے گی اور وہ شراب

جیسی نجاست کے قریب بھی نہیں جائے گا۔ خان صاحب نے وعدہ کر لیا کہ اچھا میں نماز پڑھ لیا کروں گا۔ آپ وہاں سے تشریف لے گئے اور کچھ فاصلہ پر نماز پڑھی اور سجدے میں خوب روئے۔

ایک شخص نے پوچھا کہ حضرت آج آپ سے دو ایسی باتیں سرزد ہوئی ہیں جو کبھی نہیں ہوئیں۔ پہلی یہ کہ آپ نے شراب اور زنا کی رخصت دے دی۔ دوسری یہ کہ آپ سجدے میں بہت روئے۔

آپ نے پہلی بات کا جواب نہ دیا جس کی وجہ یہ تھی کہ اگر آپ یوں کہتے کہ خان صاحب شراب اور زنا چھوڑ کر زاہد و پارسا بن جائیں گے تو یہ ایک قسم کا دعویٰ ہوتا اور اللہ والوں پر تواضع کا اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ وہ اس قسم کے دعوے پسند نہیں کرتے۔

البتہ دوسرے سوال کا جواب یہ کہ میں نے سجدے میں اللہ تعالیٰ سے التجا کی تھی کہ اے رب العزت میں نے اسے تیرے دربار میں کھڑا کر دیا اب اس کا دل بدلنا تیرے ہاتھ میں ہے۔

ادھر خان صاحب کا حال یہ ہوا کہ جب رنڈیاں ان کے پاس سے چلی گئیں تو نماز ظہر کا وقت ہو گیا۔ انہیں اپنا وعدہ یاد آ گیا کہ مجھے تو مسجد میں جانا ہے اور اگرچہ مولانا سے تو ناپاکی کی حالت میں مسجد میں جانے کی اجازت مانگ رہے تھے مگر دل نے ملامت کی ہوگی کہ آج پہلی بار اللہ کے گھر میں جا رہے ہو آج بھی ناپاک ہی جاؤ گے۔ آج تو پاک ہو کر جاؤ۔

چنانچہ غسل کیا۔ پاک کپڑے پہنے اور نماز پڑھی۔ نماز کے بعد باغ کی طرف چلے گئے۔ عصر اور مغرب اسی وضو سے پڑھی۔ نماز مغرب کے بعد کھانا کھانے کے لیے گھر میں گئے۔ اچانک بیوی پر جو نظر پڑی تو فریفتہ ہو گئے۔ ان کی شادی کو سات سال ہو گئے تھے آج تک نہ کبھی بیوی کے پاس گئے تھے اور نہ اس کی صورت دیکھی تھی۔ یہ بھی عجیب بات

ہے کہ بعض لوگوں کو حرام کا چسکا لگ جاتا ہے اور انہیں حلال میں مزہ نہیں آتا اور جسے حلال کا چسکا لگ جائے تو وہ کبھی حرام کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔

یہاں ضمناً یہ عرض کر دوں کہ ہر انسان کا ضمیر اسے برائی پر ملامت کرتا ہے مگر انسان اسے تھپک کر سلا دیتا ہے۔ کبھی کبھار کسی ٹھوکر سے، کسی واقعہ سے کسی دل میں اُتر جانے والے جملے سے سویا ہوا ضمیر بیدار ہو جاتا ہے اور جب ضمیر بیدار ہو جائے، ایمانی حس جاگ اُٹھے، انسانیت انگڑائیاں لینے لگے تو انسان کی زندگی کا رُخ بدل جاتا ہے۔

خان صاحب نے آج جب بیوی کو دیکھا تو دیکھتے ہی رہ گئے۔ ضمیر نے ملامت کی، تیرے گھر میں حور بیٹھی ہے اور تو کیسا بدنصیب ہے کہ گندی عورتوں کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ فوراً باہر آئے اور رنڈیوں سے کہہ دیا کہ آئندہ میرے مکان پر نہ آنا۔

کہا جاتا ہے کہ فرض تو فرض ان خان صاحب کی پچیس سال تک تہجد کی نماز قضا نہیں ہوئی۔ (یہ واقعہ مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے تذکرۃ الخلیل میں لکھا ہے۔ مزید اس کو وہاں سے دیکھ لیا جائے۔)

ندائے منبر ومحراب، مولانا اسلم شیخوپوری شہید رحمۃ اللہ علیہ، ۵/ ۸۳-۸۰

بہادر ماں، حضور ﷺ کی عزت پہ دس بیٹے قربان!

شاعرِ ختم نبوت سید امین گیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی جیل کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:
"ایک دن جیل کا سپاہی آیا اور مجھ سے کہا آپ کو دفتر میں سپرنٹنڈنٹ صاحب بلا رہے ہیں۔ میں دفتر پہنچا تو دیکھا کہ والدہ صاحبہ مع میری اہلیہ اور بیٹے سلمان گیلانی کے، جس کی عمر اس وقت سوا، ڈیڑھ سال تھی، بیٹھے ہوئے ہیں۔

والدہ محترمہ مجھے دیکھتے ہی اُٹھیں اور سینے سے لگا لیا، ماتھا چومنے لگیں۔ حال احوال پوچھا، ان کی آواز گلوگیر تھی۔ سپرنٹنڈنٹ نے محسوس کر لیا کہ وہ رو رہی ہیں۔ میرا بھی جی بھر آیا، آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ یہ دیکھ کر سپرنٹنڈنٹ نے کہا اماں جی! آپ رو رہی ہیں؟ بیٹے سے کہیں (ایک فارم بڑھاتے ہوئے) کہ اس پر دستخط کر دے تو آپ اسے ساتھ لے جائیں۔ ابھی معافی ہو جائے گی!

میں ابھی خود کو سنبھال رہا تھا کہ اسے کچھ جواب دے سکوں۔

اتنے میں والدہ صاحبہ تڑپ کر بولیں کیسے دستخط؟ کہاں کی معافی؟

میرا جی چاہتا ہے کہ میں ایسے دس بیٹے حضور ﷺ کی عزت پر قربان کر دوں۔ میرا رونا تو شفقت مادری سے ہے۔ یہ سن کر سپرنٹنڈنٹ شرمندہ ہو گیا اور میرا سینہ ٹھنڈا ہو گیا۔

تحریک ختم نبوت کی یادیں، طاہر عبد الرزاق، دفتر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان، ص ۱۹۱

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ اور جنگل کا شیر

مشکوۃ شریف کتاب الکرامات میں ہے کہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ روم میں گرفتار ہو گئے۔ یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ زمانہ فاروقی میں جب لشکرِ اسلام، روم کی زمین میں پہنچا ان کو قید خانے میں کسی طرح یہ خبر پہنچی کہ اس ملک میں لشکرِ اسلام آیا ہوا ہے۔ وہ موقع پا کر راتوں رات قید سے بھاگ نکلے۔ مگر راستہ سے واقف نہ تھے نہ یہ جانتے تھے کہ لشکر کہاں ہے؟ راستہ میں بھاگے جا رہے تھے کہ سامنے جنگل کا شیر آ گیا۔ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا کہ "اے شیر تو جانتا ہے کہ میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں اور راستہ بھول گیا ہوں۔" شیر یہ سن کر دم ہلاتا ہوا ان کے آگے آگے چل دیا۔ یہاں تک کہ لشکر تک پہنچا دیا اور پھر ہم...... ہم...... کرتے واپس چلا گیا۔

اس سے ثابت ہوا کہ جانور بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کو پہچانتے ہیں اور ان کی عزت کرتے ہیں۔ قارئین کرام! ہم بھی غلامانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اگر کبھی ہمارے سامنے کوئی شیر آ جائے تو کیا ہم اسے اس حیثیت سے اپنا تعارف کروا سکتے ہیں؟ یہ فیصلہ میں آپ پر چھوڑتا ہوں۔

تحفظ ختم نبوت، اہمیت اور فضیلت، محمد متین خالد، ص ۳۵۷

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور آلِ رسول ﷺ کا احترام

معروف بزرگ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ پہلے پہل ایک مشہور پہلوان تھے۔ وقت کے بڑے بڑے سورما ان کی طاقت اور فن کا لوہا مانتے تھے۔ ڈیل ڈول، قد و قامت اور رعب و دبدبے میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔ ساری مملکت میں ان کا کوئی حریف نہ تھا۔ انہیں خلیفہ کے دربار میں خاص کرسی ملتی جہاں وہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ خلیفہ کے دائیں طرف بیٹھتے۔ ایک دفعہ دربار لگا ہوا تھا کہ ایک چوبدار نے آ کر اطلاع دی کہ ایک لاغر و نیم جاں شخص آیا ہے اور برابر اصرار کر رہا ہے کہ میرا چیلنج جنید تک پہنچا دیں کہ میں اس سے کشتی کرنا چاہتا ہوں۔ خلیفہ وقت اور اہلِ دربار کا تجس بڑھا۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ اسے حاضر کیا جائے۔ تھوڑی دیر بعد وہ شخص حاضر ہوا۔ ضعف و نقاہت سے اس کے قدم ڈگمگا رہے تھے۔ خلیفہ نے پوچھا ''کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''جنید سے کشتی لڑنا چاہتے ہوں؟'' اس شخص نے جواب دیا۔

اسے بہت سمجھایا گیا کہ ساری ریاست میں جنید کا کوئی مدمقابل نہیں۔ ایسی مضحکہ خیز بات نہ کرو کہ دنیا تمہارا تماشا دیکھے۔ وہ شخص بار بار اصرار کرتا رہا۔ بالآخر کشتی کا وقت مقرر ہوگیا۔ ہر جگہ اس مقابلہ کا تذکرہ ہونے لگا۔ آخرکار وقتِ مقررہ پر بغداد کے وسیع تر میدان میں لاکھوں تماشائی اکٹھے ہو گئے۔ مقابلہ شروع ہوا تو حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے زور آزمائی کے لیے پنجہ بڑھایا۔ اجنبی شخص نے دبی زبان سے کہا کان قریب لائیے! مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا کان اس شخص کے قریب کیا تو اس نے کہا کہ میں کوئی پہلوان نہیں ہوں۔ زمانے کا ستایا ہوا ایک سید گھرانے کا فرد ہوں۔ غربت کا یہ عالم ہے کہ سیدانیوں کے جسم پر کپڑے بھی سلامت نہیں۔ بچے بھوک کی شدت سے نڈھال ہیں۔

خاندانی شرم وحیا کی وجہ سے کسی سے بھیک بھی نہیں مانگ سکتا۔ آج اگر تم مجھ سے چاروں شانے چت ہو جاؤ تو میری آبرو بچ جائے گی۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ کل میدانِ قیامت میں نانا جان (حضور نبی کریم ﷺ) سے کہہ کر تمہارے سر پر فتح کی دستار بندھواؤں گا۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور اس کے ہاتھوں دوسرے ہی لمحے چاروں شانے چت ہو گئے۔ لوگوں نے اس شخص کے حق میں تحسین و آفرین کے نعرے لگانے شروع کر دیے اور اس پر انعام و اکرام کی بارش ہونے لگی۔ خلیفہ وقت نے بھی اسے بے شمار انعامات سے نوازا۔ اسی رات حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی آپ نے انہیں اپنے مبارک سینے سے لگاتے ہوئے فرمایا: جنید! تم نے میرے خاندان کے ایک فرد کی عزت و آبرو کا تحفظ کیا اور خود شکست سے دو چار ہو گئے۔ اس کے صلے میں میں تمہارے لیے فتح و کرامت کی دستار لے کر آیا ہوں۔ آج سے تمہیں علم و عرفان کی مسند پر فائز کیا جاتا ہے۔

برادرانِ گرامی!

غور فرمائیے کہ آلِ رسول میں سے کسی کی عزت و آبرو کے لیے قربانی دینے کا اتنا بڑا صلہ ہے اور اگر کوئی شخص خود حضور نبی کریم ﷺ کی عزت و ناموس کے تحفظ کے لیے کوئی قربانی دیتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور نوازشات کا اندازہ بھلا کون کر سکتا ہے؟

تحفظ ختم نبوت، اہمیت اور فضیلت، محمد متین خالد، ص ۳۵۸ تا ۳۵۹

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور بلبل

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کو پیغام حق سنایا اور راہِ مستقیم دکھایا تو وہ آپے سے باہر ہو گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دلائل و براہین سے لاجواب ہو کر اس کو جو ندامت اور ذلت ہوئی اس سے وہ سخت غضبناک ہوا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دہکتی آگ میں جلانے کا فیصلہ کیا لہٰذا اس کام کے لیے ایک وسیع و عریض جگہ مخصوص کی گئی اور اس میں مسلسل کئی روز تک آگ دہکائی گئی جس کے شعلے آسمان سے باتیں کرتے اور اس کے اثر سے قرب و جوار کی اشیاء تک جھلسنے لگیں۔ آگ کی شعلہ سامانی کا یہ عالم تھا کہ چڑیوں نے ادھر سے گزرنا چھوڑ دیا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منجنیق میں رکھ کر اس میں ڈالا گیا۔

کہتے ہیں اس وقت ایک بلبل دور دراز ایک چشمہ سے اپنی چونچ میں پانی کا ایک قطرہ لے کر آتی اور اوپر اڑتی ہوئی آگ پر وہ قطرہ گراتی تاکہ آگ بجھ جائے۔ کسی نے پوچھا اے بلبل! بھلا تمہاری اس کوشش سے بھی آگ بجھ سکتی ہے؟ بلبل نے بڑا خوبصورت جواب دیا کہ ''میری اس حقیر کوشش سے آگ بجھے یا نہ بجھے میں تو فقط دوستی کا حق ادا کر رہی ہوں۔''

اس وقت اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا کہ وہ ابراہیم علیہ السلام پر اپنی سوزش کا اثر نہ کرے اور ناری عناصر کا مجموعہ ہوتے ہوئے بھی میرے نبی کے حق میں سلامتی کے ساتھ سرد پڑ جائے۔ آگ اسی وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں ''بَرْد و سلام'' بن گئی اور دشمن ان کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہ پہنچا سکا۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے چاہنے والوں کی کس طرح مدد کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دہکتی آگ میں سالم و محفوظ رہے اور دشمن کے نرغہ سے بچ نکلے۔ سچ ہے کہ

دشمن اگر قوی است، نگہباں قوی ترست

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جو لوگ باطل کی طاغوتی طاقتوں کے بالمقابل استقامت کا پہاڑ بن جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی غیبی امداد کی جاتی ہے۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ قادیانیوں کو چونکہ یہود و نصاریٰ کی سرپرستی حاصل ہے اس لیے وہ بہت منظم اور مضبوط ہیں۔ لہٰذا اس فتنہ کے خلاف کام کرنا بہت مشکل ہے۔ بھائیو! ہمیں تو صرف حضور نبی کریم ﷺ کا ایک سچا اُمتی ہونے کا حق ادا کرنا ہے اور جب تک ہماری سانسوں میں سانس ہے، ہم یہ حق ادا کرتے رہیں گے۔

ہوا کرتی ہے اپنا کام اور شمعیں بجھاتی ہے
ہم اپنا کام کرتے ہیں، نئی شمعیں جلاتے ہیں

تحفظ ختم نبوت، اہمیت اور فضیلت، محمد متین خالد، ص ۳۶۰

حضرت یوسف علیہ السلام اور غریب بڑھیا

جب حضرت یوسف علیہ السلام کو غلام سمجھ کر مصر کے بازار میں فروخت کیا جارہا تھا تو ان کے خریداروں میں ایسے ایسے امیر وکبیر لوگ بھی شامل تھے جن کے خزانوں کی چابیاں اونٹوں پر لدی ہوئی تھیں۔ ان خریداروں میں ایک کمزور اور غریب بڑھیا بھی شامل تھی جس کے پاس صرف سوت کی ایک معمولی انٹی تھی جس کی قیمت ایک آدھ درہم سے زائد نہ تھی۔ کسی نے بڑھیا سے پوچھا بی بی! تم اس معمولی سی چیز سے حضرت یوسف علیہ السلام کو آخر کیسے خریدو گی؟ غریب بڑھیا نے بڑا ایمان افروز جواب دیا۔ بیٹا! درست ہے کہ میں بڑے بڑے امیر لوگوں کی موجودگی میں شاید حضرت یوسف علیہ السلام کو نہ خرید سکوں لیکن میں صرف حضرت یوسف علیہ السلام کے خریداروں کی فہرست میں اپنا نام درج کروانے آئی ہوں تاکہ بارگاہِ خداوندی میں مقبول ہوسکوں۔

ہم اعتراف کرتے ہیں کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کے تحفظ اور منکرین ختم نبوت کی سرکوبی کے معاملہ میں ہم مجاہدِ اول تحفظِ ختمِ نبوت، سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، جنگ یمامہ کے شہداء اور غازیوں کی جوتیوں کی خاک کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ ہم تحریک ختم نبوت 1953ء کے شہداء اور غازیوں کی قربانیوں کے بھی پاسنگ نہیں۔ ہم تو صرف بارگاہِ خداوندی میں (اس بڑھیا کی طرح) تحفظ ختم نبوت کا کام کرنے والوں کی فہرست میں اپنا نام لکھوانا چاہتے ہیں تاکہ قیامت کے دن منکرینِ ختمِ نبوت کے خلاف جہاد کرنے والوں میں ہمارا شمار ہوجائے اور ہم شفاعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق دار بن جائیں۔

تحفظ ختم نبوت، اہمیت اور فضیلت، محمد متین خالد، ص ۳۶۱

سجدے سے سر تب اُٹھایا کہ فتح کی خبر آ گئی

حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ نے عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے نہایت شاندار خدمات سرانجام دیں۔ تحریر و تقریر کے حوالے سے اور مناظروں کے ذریعے خوب دفاع کیا۔ اسی طرح کا ایک مناظرہ ۱۹۰۶ء میں آپ کی خانقاہ میں طے پایا۔ مرزا غلام قادیانی کی طرف سے حکیم نور الدین، سرور شاہ اور روشن علی، مرزا کی یہ تحریر لے کر آئے کہ یہ میرے نمائندے ہیں۔ ان کی شکست میری شکست ہے ان کی فتح میری فتح۔

اِس طرف سے مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری ناظمِ تعلیمات دار العلوم دیوبند، علامہ انور شاہ کشمیری، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا عبد الوہاب بہاری، مولانا ابراہیم صاحب سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہم (تقریباً چالیس علماء) بلائے گئے تھے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ عجیب منظر تھا۔ صوبہ بہار کے اضلاع کے لوگ تماشائی بن کر آئے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ خانقاہ میں علماء کی ایک بڑی بارات ٹھہری ہوئی ہے۔ کتابیں اُلٹی جا رہی ہیں، حوالے تلاش کیے جا رہے ہیں اور بحثیں چل رہی ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوا کہ مولانا محمد علی کی طرف سے مناظرہ کا وکیل اور نمائندہ کون ہو؟ قرعہ مولانا مرتضیٰ حسن رحمۃ اللہ علیہ کے نام کا نکلا۔ آپ نے مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کو تحریراً اپنا نمائندہ بنایا۔

علماء کی یہ جماعت میدانِ مناظرہ میں وقتِ مقررہ پر آ گئی۔ اِدھر مولانا مرتضیٰ حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سٹیج پر تقریر کے لیے آئے اور اُدھر مولانا مونگیری رحمۃ اللہ علیہ سجدہ میں گر گئے اور اس وقت تک سر نہ اُٹھایا جب تک کہ فتح کی خبر نہ آ گئی۔ بڑوں کا کہنا ہے کہ میدانِ مناظرہ کا منظر عجیب تھا۔ مولانا مرتضیٰ حسن رحمۃ اللہ علیہ کی ایک ہی تقریر کے بعد جب قادیانیوں سے جواب کا مطالبہ کیا گیا تو مرزا قادیانی کے نمائندے جواب دینے کی بجائے انتہائی بدحواسی اور گھبراہٹ میں کرسیاں اپنے سر پر لیے ہوئے یہ کہتے ہوئے بھاگ اٹھے کہ ہم اس کا جواب نہیں دے سکتے۔

ماہنامہ دار العلوم، ختم نبوت نمبر کامل، مکتبہ مدنیہ لاہور، ص ۲۶۳

قوتِ حافظہ کے چند بے مثال واقعات

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حافظہ کی تاریخی توثیق:

حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن کے تیس پاروں کے حفظ کا رواج خود حدیث کی اور تاریخ کی ان شہادتوں کی زندہ توثیق ہے جو ہماری کتابوں میں حدیث کے راویوں کی قوتِ یادداشت اور حافظے کے متعلق پائی جاتی ہیں۔ آخر آپ ہی بتائیے کہ تیس تیس پاروں کے بے شمار زندہ حفاظ کو دیکھ کر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حافظے کے اس امتحانی نتیجہ کا کیسے انکار کیا جا سکتا ہے جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "کتاب الکنیٰ" میں نقل کیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ مروان بن الحکم جو دمشق کی مروانی حکومت کا سب سے پہلا حکمران ہے اسی کے سیکرٹری ابوالزعیزعہ کا بیان ہے کہ ایک دن مروان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو طلب کیا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کثرت سے جو حدیثیں روایت کیا کرتے تھے اسی سلسلے میں مروان کچھ شکوک وشبہات میں مبتلا تھا۔

بہرحال بلانے پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ مروان نے ان کے آنے سے پہلے ہی اپنے سیکرٹری ابوالزعیزعہ کو حکم دے رکھا تھا کہ پردے کے پیچھے دوات قلم اور کاغذ لے کر بیٹھ جائے۔ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیثیں پوچھوں گا جو حدیثیں وہ بیان کریں ان کو تم لکھتے چلے جانا۔ ایسا ہی کیا گیا۔ مروان حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیثیں پوچھنے لگا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے جاتے تھے اور پس پردہ ابوالزعیزعہ لکھتا جا رہا تھا۔ ان حدیثوں کی تعداد کیا تھی؟

خود ابوالزعیزعہ کا بیان ہے:

فَجَعَلَ يَسْأَلُ وَاَنَا اَكْتُبُ حَدِيْثاً كَثِيْرًا

پس مروان ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھتا رہا اور میں نے بہت سی حدیثیں لکھ لیں۔

''حدیثا کثیرا'' (بہت سی حدیثوں) کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حدیثوں کی کافی معقول تعداد تھی جو اس وقت قلمبند ہوئیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو قطعاً مروان کی اس پوشیدہ کارروائی کی خبر نہ تھی۔ مجلس برخواست ہوگئی۔ حضرت چلے گئے اور مروان نے حدیثوں کے اس مجموعہ کو بحفاظتِ تمام رکھوا دیا۔

ابو الزعزعہ کہتے ہیں کہ مروان نے سال بھر کے بعد سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دوبارہ طلب کیا اور مجھے حکم دیا کہ مکتوبہ حدیثوں کے اسی مجموعہ کو لے کر پردہ کے پیچھے بیٹھ جاؤ۔ میں ان سے انہی حدیثوں کا پھر پوچھوں گا دیکھو اب کی دفعہ وہ کیا بیان کرتے ہیں؟ تم ان مکتوبہ حدیثوں سے ان کو ملاتے جانا۔ حکومت کی طرف سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا گویا یہ امتحان تھا۔

امتحان لیا گیا، نتیجہ کیا نکلا؟ ابو الزعزعہ ہی کی زبانی سنئے:

فَتَرَكَهُ سَنَةً ثُمَّ اَرْسَلَهُ اِلَيْهِ وَاَجْلَسَنِيْ وَرَاءَ السِّتْرِ فَجَعَلَ يَسْأَلُهُ وَاَنَا اَنْظُرُ فِي الْكِتَابِ فَمَا زَادَ وَلَا نَقَصَ (۱)

''پس مروان نے نوشتہ حدیثوں کے مجموعہ کو سال بھر تک رکھ چھوڑا۔ سال بھر کے بعد مجھے پھر پس پردہ بٹھا کر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھنے لگا اور میں اس مجموعہ میں دیکھتا جاتا تھا پس ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نہ کسی لفظ کا اضافہ کیا اور نہ کوئی کمی کی۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ان حدیثوں کے متعلق تو صحیح طور پر نہیں بتایا جاسکتا کہ واقعی ان کی صحیح تعداد کیا تھی۔ بس اتنا معلوم ہوتا ہے کہ چند قلیل روایتیں نہیں تھیں۔ کثیر روایتوں کا یہ مجموعہ تھا جو کتنی حفاظت سے ان کو لفظ بہ لفظ یاد تھا۔ (۲)

علامہ شہاب الدین زُہری کے حافظہ کا امتحان:

اسی مروانی حکومت کے فرمانروا ہشام بن عبد الملک نے زہری کا جو امتحان لیا تھا اس میں تو یہ تصریح بھی موجود ہے کہ چار سو حدیثوں کا یہ مکتوبہ مجموعہ تھا۔ قصہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جیسے مروان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایتوں اور ان کی قوتِ یادداشت کو

جانچنا چاہا تھا اسی طرح اپنے عہدِ حکومت میں ہشام نے بھی ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کا امتحان کرنا چاہا۔ اس نے امتحان لینے کی یہ ترکیب اختیار کی کہ ایک دن دربار میں امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کسی ضرورت سے آئے ہوئے تھے۔ اس نے خواہش ظاہر کی کہ ہمارے شہزادے کے لیے کچھ حدیثیں لکھوا دیجیے۔ زہری راضی ہو گئے کاتب بلایا گیا۔

فَأَمْلَى عَلَيْهِ أَرْبَعَ مِائَةِ حَدِيْثٍ (۳)

"ذہبی نے چار سو حدیثیں شاہزادے کے لیے (زبانی) لکھوا دیں۔"

ایک مہینے کے بعد ہشام کے دربار میں پھر زہری کسی کام سے پہنچے تو ہشام نے افسوس کے انداز میں کہا اِنَّ ذٰلِکَ الْکِتَابَ ضَاعَ یعنی وہ کتاب جو آپ نے شہزادے کے لئے لکھوائی تھی وہ تو کہیں گم ہو گئی ہے) امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تو پریشانی کی کیا بات ہے؟ کاتب کو بلوائیے پھر لکھوائے دیتا ہوں۔ ہشام کی بھی یہی غرض تھی چنانچہ کاتب کو بلایا گیا وہیں بیٹھے بیٹھے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے پھر وہی چار سو احادیث دوبارہ لکھوا دیں۔ پہلا مسودہ درحقیقت غائب نہیں ہوا تھا یہ ہشام کی ایک ترکیب تھی۔ جب زہری دربار سے اُٹھ کر باہر گئے تو......

قَابَلَ بِالْکِتَابِ الْاَوَّلِ فَمَا غَادَرَ حَرْفًا وَّاحِدًا (ص ۴۰۱)

"ہشام نے پہلی کتاب کا دوسری دفعہ لکھائے ہوئے نوشتے سے مقابلہ کیا (تو معلوم ہوا) کہ ایک حرف بھی امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے نہیں چھوڑا۔"

بلاشبہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے حافظہ کا یہ کمال تھا اور جیسا کہ میں نے کہا حفاظِ قرآن کی زندہ مثالیں ہمارے سامنے نہ ہوتیں تو اس امتحانی نتیجہ کے ان الفاظ پر یعنی فَمَا غَادَرَ حَرْفًا وَاحِدًا (جو کچھ پہلی کتاب میں زہری نے لکھوایا تھا اس کے ایک حرف کو بھی دوسری کتاب میں نہیں چھوڑا تھا) اس پر ممکن ہے لوگ تعجب کرتے مگر آج جس کا جی چاہے چار سو حدیثوں کے مجموعے سے بڑا مجموعہ یعنی پورا قرآن پاک کسی حافظ سے سن کر لکھتے جائیے

اور اسی عمل کو دوبارہ کیجیے یعنی سن کر لکھ لیجیے۔اس کے بعد قرآنِ کریم کے ان دونوں نسخوں کا مقابلہ کر لیجیے یقیناً آپ بھی فَمَا غَادَرَ حَرْفًا (نہ چھوڑا اس نے ایک حرف بھی) کہنے پر اپنے آپ کو مجبور پائیں گے۔ (۴)

ابن راہْوَیہ کی قوتِ یادداشت:

امام بخاری کے استاد ابن راہویہ کے تذکرے میں حفظ اور یادداشت ہی کے سلسلے میں لوگ اس قصے کا ذکر کرتے ہیں کہ مشہور خراسانی امیر عبداللہ بن طاہر کے دربار میں ابن راہویہ کی ایک دوسرے عالم سے بعض مسائل پر گفتگو ہو رہی تھی۔کسی کتاب کی عبارت کے متعلق دونوں میں اختلاف پیدا ہوا۔اس پر ابن راہویہ نے امیر عبداللہ سے کہا کہ اپنے کتب خانہ سے فلاں کتاب منگوائیے۔کتاب منگوائی گئی (ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں اس کے بعد لکھا ہے کہ) امیر عبداللہ کو خطاب کر کے ابن راہویہ نے کہا کہ

عُدَّ مِنَ الْكِتَابِ إِحْدٰى عَشَرَةَ وَرَقَةً ثُمَّ عُدَّ سَبْعَةَ أَسْطُرٍ

(جلد ۲ صفحہ ۴۱۳)

''کتاب کے گیارہ ورق شمار کر کے پلٹیے اور گنیے، ساتویں سطر میں وہی ملے گا جو میں کہہ رہا ہوں۔''

دیکھا گیا جو کچھ ابن راہویہ کہہ رہے تھے وہی بات کتاب میں نکلی۔کہتے ہیں کہ امیر عبداللہ نے ابن راہویہ کو خطاب کر کے کہا کہ:

عَلِمْتُ أَنَّكَ قَدْ تَحْفَظُ الْمَسَائِلَ وَلٰكِنِّي أَعْجَبُ لِحِفْظِكَ هٰذِهِ الْمُشَاهَدَةَ

''یہ چیز تو مجھے معلوم ہی تھی کہ مسائل آپ کو خوب یاد ہیں لیکن تمہاری قوتِ یادداشت اور حفظ کے اس مشاہدے نے مجھے حیرت میں ڈال دیا ہے۔''

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ابن راہویہ کی قوتِ یادداشت اور چیزوں کا اتنے وضوح کے ساتھ ان کے دماغ میں محفوظ رہنا حیرت انگیز ضرور ہے لیکن اسی کے ساتھ کیا یہ بھی واقعہ نہیں ہے کہ ہر اسلامی شہر اور قصبہ میں قرآن کے ایسے حافظ آج بھی بہ آسانی آپ کو مل سکتے ہیں جو ٹھیک ابن راہویہ کی طرح آپ کو پارہ، سورہ اور رکوع کے حوالے سے ہر اس آیت کا پتہ دے سکتے ہیں جو ان سے پوچھی جائے اور سچ تو یہ ہے کہ خود حفظِ حدیث کے متعلق بھی ابن راہویہ کی مثال واحد مثال نہیں ہے۔ (۵)

ابوزرعہ کی قوتِ یادداشت:

حافظ ابوزرعہ الرازی رحمۃ اللہ علیہ جو حدیث و رجال کے مشہور ائمہ میں سے ہیں ابن ابی حاتم نے ان کا یہ قصہ نقل کیا ہے کہ ابن وارہ جن کا اصل نام محمد بن مسلم ہے اور فضل بن العباس جو فضلک الصائغ کے نام سے مشہور تھے۔ دونوں حافظ ابوزرعہ کے پاس حاضر ہوئے۔ دونوں میں کسی مسئلہ پر بحث ہونے لگی۔ ابن وارہ نے اپنے دعوے کے ثبوت میں ایک حدیث پیش کی۔ فضلک نے کہا کہ حدیث کے الفاظ یہ نہیں ہیں۔ ابن وارہ نے پوچھا کہ پھر اس حدیث کے صحیح الفاظ کیا ہیں؟ فضلک کے نزدیک حدیث کے جو الفاظ تھے ان کو دہرا دیا۔ دونوں کی گفتگو ابوزرعہ خاموشی کے ساتھ سن رہے تھے۔ آخر ابن وارہ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور بولے کہ آپ فرمائیے واقعی حدیث کے الفاظ کیا ہیں؟ انہوں نے پھر بھی اعراض ہی سے کام لینا چاہا لیکن جب اصرار حد سے بڑھ گیا تب ابوزرعہ نے کہا کہ ذرا میرے بھتیجے ابوالقاسم کو بلائیے۔ ابوالقاسم بلائے گئے۔ حافظ ابوزرعہ نے ان سے کہا:

اُدْخُلْ بَيْتَ الْكُتُبِ فَدَعِ الْقِمَطْرَ الْأَوَّلَ وَالثَّانِيَ وَالثَّالِثَ وَعُدَّ سِتَّةَ عَشَرَ جُزْءًا وَائْتِنِي بِالْجُزْءِ السَّابِعَ عَشَرَ (۶)

''کتب خانہ میں جاؤ، پہلے دوسرے اور تیسرے بستے کو چھوڑ کر اس کے بعد جو بستہ ہے اس سے کتاب نکالو، گن کر سولہ حصوں کے بعد کتاب کا جو سترہواں حصہ ہے وہ میرے

پاس لاؤ۔"

ابوالقاسم گئے اور حسبِ ہدایت مطلوبہ جزء نکال لائے۔ لکھا ہے کہ حافظ ابوزرعہ نے اوراق اُلٹے اور حدیث جس صفحہ پر تھی اس کو نکال کر ابن وارہ کے سامنے پیش کر دیا۔ ابن وارہ نے پڑھا اور اقرار کیا کہ غلطنا (واقعی میں ہم ہی غلطی پر تھے) اس واقعہ کے ساتھ حافظ ابوزرعہ کے اس دعوے کو پیش نظر رکھ لیجیے جسے ابن حجر نے ابوجعفر التستری کے حوالہ سے تہذیب میں نقل کیا ہے کہ وہ ان سے کہتے تھے:

إِنَّ فِيْ بَيْتِيْ مَا كَتَبْتُه، مُنْذُ خَمْسِيْنَ سَنَةً وَلَمْ أُطَالِعْهُ مُنْذُ كَتَبْتُه، وَإِنِّيْ لَأَعْلَمُ فِيْ أَيِّ كِتَابٍ هُوَ فِيْ أَيِّ وَرَقَةٍ هُوَ فِيْ أَيِّ صَفْحٍ هُوَ فِيْ أَيِّ سَطْرٍ هُوَ (۷)

"پچاس سال ہوئے جب میں نے حدیثیں لکھی تھیں اور وہ میرے گھر میں رکھی ہوئی ہیں۔ لکھنے کے بعد اس پورے پچاس سال کے اندر اِن حدیثوں کا میں نے پھر مطالعہ نہیں کیا ہے لیکن جانتا ہوں کہ کون سی حدیث کس کتاب میں ہے۔ اس کتاب کے کس ورق میں، کس صفحہ اور کس سطر پر ہے۔"

یہ بات کہ پچاس سال کے عرصہ میں دوبارہ یاد کی ہوئی اور لکھی ہوئی حدیثوں کے دہرانے اور دیکھنے کا موقعہ حافظ ابوزرعہ کو نہ ملا۔ اس پر بھی اتنی تفصیل کے ساتھ ان حدیثوں کا یاد رہ جانا یقیناً قوتِ یادداشت اور حفظ کی پختگی کا ایک حیرت انگیز نمونہ ہے۔ (۸)

---

(۱) کتاب الکنیٰ للبخاری ص ۳۳
(۲) تدوین حدیث، علامہ سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ ص ۳۷ تا ۷۷، مکتبہ المیزان لاہور
(۳) تذکرہ ص ۲۰۱ ج ۱
(۵،۴) تدوین حدیث، علامہ سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ ص ۳۷ تا ۷۷، مکتبہ المیزان لاہور
(۶) تہذیب جلد ۷ صفحہ ۳۳
(۷) تہذیب جلد ۷ صفحہ ۳۳
(۸) تدوین حدیث، علامہ سید مناظر احسن گیلانی h ص ۳۷ تا ۷۷، مکتبہ المیزان لاہور

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا بے مثال حافظہ

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمہ فتح الباری میں لکھا ہے کہ حاشد بن اسماعیل کا بیان ہے کہ ہم امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بصرہ کے مشائخ کے پاس جایا کرتے تھے۔ ہم لوگ لکھا کرتے تھے اور بخاری نہیں لکھتے تھے۔ بطورِ طعن، رفقاءِ درس، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کرتے تھے کہ آپ خواہ مخواہ اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں کیونکہ آپ احادیث لکھتے نہیں!! زیادہ چھیڑ چھاڑ جب ہوئی تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو غصہ آ گیا اور فرمایا اپنی لکھی ہوئی حدیثیں لے آؤ۔ اس وقت تک پندرہ ہزار احادیث لکھی جا چکی تھیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان احادیث کو سنانا شروع کر دیا تو سب حیران رہ گئے۔ پھر تو حدیثیں لکھنے والے حضرات اپنے نوشتوں کی تصحیح کے لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے حافظہ پر اعتماد کرنے لگے۔

اسی طرح ایک مرتبہ جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بغداد تشریف لائے وہاں کے محدثین نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے امتحان کا ارادہ کیا اور دس آدمی مقرر کیے۔ ہر ایک کو دس دس احادیث سپرد کیں جن کے متون و اسانید (متون، متن کی جمع اور اسانید سند کی جمع) میں تبدیلی کر دی گئی تھی۔ جب امام تشریف لائے تو ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے وہ حدیثیں پیش کیں جن میں تبدیلی کر دی گئی تھی۔ امام صاحب ہر ایک کے جواب میں لَا اَعْرِفُہٗ (یہ میں نہیں جانتا) کہتے رہے۔ عوام تو یہ سمجھنے لگے کہ اس شخص کو کچھ نہیں آتا لیکن ان میں جو علماء تھے وہ سمجھ گئے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان کی چال سمجھ گئے ہیں۔ اس طرح دس آدمیوں نے سو حدیثیں پیش کر دیں جن کی سندوں اور متنوں میں تغیر کیا گیا تھا اور امام نے ہر ایک کے جواب میں لَا اَعرِفُہٗ فرمایا۔ اس کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نمبروار ایک ایک کی طرف متوجہ ہوتے گئے اور بتاتے گئے کہ تم نے پہلی روایت اس طرح پڑھی

تھی جو غلط ہے اور صحیح اس طرح ہے۔ اسی طرح ترتیب وار کل دس افراد کی اصلاح فرمائی۔ اب ان سب پہ واضح ہو گیا کہ امام بخاری کتنے ماہر فن ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”تعجب اس پر نہیں کہ انہوں نے غلطی پہچان لی اور اس کی اصلاح کر دی۔ کیونکہ وہ حافظ حدیث تھے۔ ان کا تو کام ہی یہ تھا تعجب درحقیقت اس بات پہ ہے کہ غلط احادیث کو ایک ہی مرتبہ سن کر ترتیب وار محفوظ رکھا اور پھر ترتیب کے ساتھ ان کو بھی بیان کیا اور بعد ازاں ان کی اصلاح فرمائی۔“

محدثین عظام اور ان کی کتابوں کا تعارف، حضرت مولانا سلیم اللہ خان دامت برکاتہم ص ۲۳،۲۲

دو فرشتے حضور ﷺ کے پاس آئے

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک دفعہ سو رہے تھے کہ آپ کے پاس دو فرشتے آئے۔

ایک کہنے لگا آپ سوئے ہوئے ہیں۔

دوسرے نے کہا آپ کی آنکھ تو سو رہی ہے لیکن دل جاگتا ہے۔

پھر انہوں نے کہا ان کے لیے ایک مثال ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک شخص نے گھر بنایا۔ اس میں ایک دستر خوان بچھایا اور ایک بلانے والے کو بھیجا (جو لوگوں کو یہاں آنے کی دعوت دے) جس نے اس داعی (بلانے والے) کی آواز پر لبیک کہا۔ وہ گھر میں داخل ہوگیا اور اس نے دعوت میں خوب کھایا اور جس نے داعی کی بات نہ مانی وہ نہ گھر آیا نہ اس نے کچھ کھایا۔

پھر انہوں نے کہا مرادِ کلام واضح کرو تا کہ خوب سمجھ جائیں۔ پھر ایک نے کہا آپ تو سوئے ہوئے ہیں۔ دوسرے نے کہا آنکھ تو سوتی ہے مگر آپ کا دل جاگتا ہے۔

پھر انہوں نے کہا گھر سے مراد تو جنت ہے۔

اس کی طرف بلانے والے حضرت محمد ﷺ ہیں۔

جس نے آپ کی بات مانی اس نے اللہ کی بات مانی

اور جس نے آپ کی نہ مانی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔

کیونکہ آپ ﷺ لوگوں کے درمیان نقطہ امتیاز ہیں۔

اس سے ملتی جلتی ایک روایت قاضی ابو محمد الحسن نے بھی روایت کی ہے۔ حضور ﷺ استراحت فرما رہے تھے کہ آپ کے پاس دو فرشتے آئے۔ ایک سر مبارک کی طرف کھڑا تھا اور دوسرا پاؤں مبارک کی طرف۔ جو سر کی طرف کھڑا تھا وہ میری طرف جھکا اور کہا

آپ ﷺ کی آنکھ سوتی ہے کان سنتے ہیں اور دل یاد رکھتا ہے۔حضور ﷺ نے اسے بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ بات اسی طرح ہے۔جیسا کہ اس نے کہی۔

پھر اس نے ایک اور مثال دی:

برکۃ فیھا شجرۃ نابتۃ وفی الشجرۃ غصن خارج فجاء ضارب فضرب الشجرۃ فوقع الغصن ووقع معہ ورق کثیر ... الیٰ ... لا ادری ما وقع فیھا اکثر او ما خرج منھا

ترجمہ: ''ایک تالاب ہے اس میں ایک درخت اُگا ہوا ہے اور درخت سے ایک ٹہنی باہر نکلی ہوئی ہے۔ایک شخص آیا اس نے درخت پر ایک ضرب لگائی ٹہنی گر پڑی اور اس کے ساتھ بہت سے پتے گرے اور وہ تمام پتے تالاب میں ہی گرے۔کوئی باہر نہیں پڑا۔پھر اس نے ایک اور ضرب لگائی اس کے ساتھ بھی بہت سے پتے گرے مگر کوئی باہر نہیں گرا۔پھر اس نے تیسری بار ضرب لگائی اور بہت سے پتے گرے۔میں نہیں جانتا کہ جو پتے اندر گرے وہ زیادہ تھے یا جو باہر گرے وہ زیادہ تھے۔''

پھر اس فرشتے نے جو آپ کے پاؤں کی طرف تھا اس مثال کی یوں شرح بیان کی:

''تالاب سے مراد جنت ہے اور درخت سے مراد اُمت ہے۔ٹہنی سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں۔اس شخص سے جس نے ضرب لگائی مراد، ملک الموت ہے۔اس نے قرنِ اوّل میں پہلی ضرب لگائی تو حضور اکرم ﷺ اور آپ کے عہد کے لوگ اس سے جھڑے (اور جنت میں گئے) پھر اس نے دوسرے قرن میں دوسری ضرب لگائی تو بھی سب پتے جنت میں گرے۔پھر اس نے تیسری ضرب لگائی اس پر نہیں کہا جا سکتا کہ باہر گرنے والے پتے زیادہ تھے یا اندر گرنے والے۔

آثار الحدیث، علامہ ڈاکٹر خالد محمود دامت برکاتہم، ۱/۴۳۹

مدینہ منورہ میں پیدا ہونے والا پہلا خوش نصیب بچہ

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مکہ مکرمہ ہی میں اُمید سے ہوگئی تھی۔ حمل کے دن پورے ہونے کو تھے کہ میں مدینہ منورہ ہجرت کے لیے روانہ ہوئی۔ میں قبا میں اُتری تو وہیں پر میرے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ پھر میں اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر آئی اور میں نے اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں رکھ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور منگوائی اس کو چبایا پھر اس کے منہ میں ڈال دی۔ چنانچہ سب سے پہلے اس کے پیٹ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لعابِ دہن داخل ہوا۔ پھر اس کے تالو میں وہ کھجور لگائی اور اس کے حق میں دعا کی اور مبارک باد دی۔ یہ سب سے پہلا لڑکا تھا جو ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں اہلِ ایمان کے ہاں پیدا ہوا۔ اس وقت لوگ بہت زیادہ خوش ہوئے تھے اس لیے کہ مسلمانوں کے متعلق کہا جاتا تھا کہ ان پر یہودیوں نے جادو کیا ہے اس لیے ان کے ہاں اولاد نہیں ہو رہی۔

ابن سعد نے "طبقات" میں اس واقعے کے متعلق ایک روایت نقل کی ہے جس کا ترجمہ ہے:

"چونکہ یہ بات مشہور ہوگئی تھی کہ یہودیوں نے جادو کیا ہے اور مسلمانوں کے ہاں بچے نہیں ہوں گے۔ اس لیے جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی تو مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر لگایا اور مدینہ منورہ تکبیر کی صداؤں سے گونجنے لگا۔"

طبقات ابن سعد ۲ / ۳۶۵

کشف الباری، حضرت مولانا سلیم اللہ خان دامت فیوضہم، کتاب العقیقۃ، ۱۱ / ۱۹۲

تو اُسے دروازہ جنت پر پائے گا!

حضرت معاویہ بن قرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے والد سے سنا نبی کریم ﷺ جس وقت بیٹھتے آپ کے پاس چند حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی تشریف رکھتے تھے۔ان میں ایک شخص تھا کہ جس کا ایک چھوٹا بچہ اس کی پشت کی جانب سے آتا تھا اور وہ اس کو پکڑ کر اپنے سامنے بٹھلایا کرتا تھا۔اتفاق سے وہ بچہ فوت گیا۔اس شخص نے مجلس میں حاضری چھوڑ دی اس خیال سے کہ بچہ یاد آئے گا۔

نبی کریم ﷺ نے اس کو چند روز نہیں دیکھا تو آپ نے دریافت فرمایا کیا وجہ ہے کہ میں فلاں آدمی کو نہیں دیکھ رہا؟ لوگوں نے عرض کیا کہ اس شخص کا چھوٹا بچہ جس کو آپ نے دیکھا ہوا تھا اس کا انتقال ہو گیا ہے۔آنحضرت ﷺ نے یہ بات سن کر اس شخص سے ملاقات کی اور اس کے بچہ کے متعلق دریافت فرمایا۔اس شخص نے جواب دیا کہ وہ بچہ تو فوت ہو گیا ہے۔آپ نے اس کی تعزیت فرمائی اور اس کی وفات پر اظہارِ افسوس فرمایا۔

پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے شخص! تجھے کون سی بات پسند ہے کہ تو تمام زندگی اس سے نفع حاصل کرے یا تو جس وقت قیامت کے دن جنت کے کسی دروازے پر جائے تو اس کو اپنے سے پہلے وہاں پائے اور وہ تیرے واسطے دروازہ کھولے۔

اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ جنت کے دروازہ پر مجھ سے پہلے ہی پہنچ جائے اور میرے واسطے دروازہ کھولے۔مجھ کو زیادہ محبوب ہے اس کے زیادہ دیر زندہ رہنے سے۔اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تیرے لئے ایسا ہی ہوگا۔

سنن نسائی،اُردو،کتاب الجنائز،ص ۷۵۰

فرشتے کی آنکھ پھوٹ گئی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ملک الموت (عزرائیل علیہ السلام) کو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجا گیا جس وقت وہ ان کے پاس پہنچا اور بتایا کہ میں آپ کی روح قبض کرنے آیا ہوں تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اس کو ایک طمانچہ رسید کیا جس سے فرشتہ کی آنکھ پھوٹ گئی اور وہ پروردگار کے پاس گیا اور عرض کی: اے میرے پروردگار! تو نے مجھ کو ایک ایسے بندے کے پاس بھیجا ہے جو کہ مرنا نہیں چاہتا تھا۔ (دیکھ اس نے میرے ساتھ کیا کیا؟) اللہ عزوجل نے فرشتہ کی آنکھ درست فرما دی اور فرمایا میرے اس بندے اور رسول کے پاس دوبارہ جاؤ اور کہو کہ اپنا ہاتھ ایک بیل کی پشت پر رکھے جس قدر بال ہاتھ کے نیچے آئیں گے ہر سال کے بدلے ایک سال کی عمر عطا کر دی جائے گی۔ چنانچہ موت کا فرشتہ حاضر ہوا اور آپ سے اسی طرح کہا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے رب اس کے بعد کیا ہو گا؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر موت ہو گی۔ کہا تو پھر میرا ابھی مرجانا بہتر ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے دعا فرمائی اے اللہ! مجھے پاک زمین (بیت المقدس) سے نزدیک کر دے۔ (اللہ تعالیٰ نے انہیں بیت المقدس کے قریب کر دیا پھر ان پر اللہ کے حکم سے موت آ گئی۔) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر میں اس جگہ ہوتا تو تمہارے لئے اُن کی قبر کی نشاندہی کرتا جو کہ لال رنگ کے ٹیلے کے نیچے ہے۔

سنن نسائی اردو، کتاب الجنائز، مکتبۃ العلم لاہور، ص ۷۵۱

مجھے زبیر رضی اللہ عنہ کی غیرت یاد آئی

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جس وقت حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے میرا نکاح ہوا روئے زمین پر ان کے گھوڑے کے علاوہ کوئی مال یا غلام یا کوئی اور چیز ان کی ملکیت میں نہ تھی۔ میں ان کے گھوڑے کا چارہ تیار کرتی تھی۔ اس کی ضروریات مہیا کرتی اور اس کی دیکھ بھال کرتی تھی۔ اسی طرح ان کے اونٹ کے لیے گٹھلیاں کوٹتی تھی اس کا چارہ بناتی اور اسے پانی پلاتی تھی۔ ان کے ڈول کو سیتی تھی، آٹا گوندھتی تھی، میں روٹی اچھی طرح نہیں پکا سکتی تھی، اس لیے میری کچھ انصاری پڑوسی خواتین مجھے روٹی پکا دیتی تھیں۔ وہ میری اچھی سہیلیاں تھیں۔ میں گٹھلیاں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی اس زمین سے لایا کرتی تھی جو بعد میں نبی علیہ السلام نے انہیں بطور جاگیر دے دی تھی۔ میں نے انہیں اپنے سر پر رکھا ہوتا تھا اور وہ زمین ہمارے گھر سے ایک فرسخ کے دو تہائی کے قریب بنتی تھی۔ (ایک فرسخ ۴،۸۷ کلومیٹر۔ دو تہائی، قریبا ۳ کلومیٹر فاصلہ)

ایک دن میں وہاں سے آرہی تھی اور گٹھلیوں کی گٹھڑی میرے سر پر تھی کہ راستے میں نبی علیہ السلام سے ملاقات ہوگئی۔ نبی علیہ السلام کے ساتھ کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ نبی علیہ السلام نے مجھے پکارا اور مجھے اپنے پیچھے سوار کرنے کے لیے اونٹ کو بٹھانے لگے (اس وقت تک پردہ کا حکم نہیں آیا تھا) لیکن مجھے مردوں کے ساتھ جاتے ہوئے شرم آئی اور مجھے زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کی غیرت یاد آگئی۔ کیونکہ وہ بڑے غیور آدمی تھے۔ نبی علیہ السلام یہ بھانپ گئے کہ مجھے شرم آرہی ہے۔ لہٰذا آپ چل پڑے۔

میں گھر پہنچی تو زبیر رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا کہ آج مجھے نبی علیہ السلام ملے تھے۔ میرے سر پر کھجوروں کی گٹھلیاں تھیں، نبی علیہ السلام کے ساتھ کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ آپ نے اپنے اونٹ کو

بٹھایا تاکہ میں اس پر سوار ہو جاؤں لیکن مجھے حیا آئی اور آپ کی غیرت کا بھی خیال آیا۔ انہوں نے فرمایا بخدا تمہارا نبی علیہ السلام کے ساتھ سوار ہونے کی نسبت گٹھلیاں لاد کر لانا مجھ پر زیادہ شاق گزرتا ہے۔ بالآخر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کچھ ہی عرصے بعد میرے پاس ایک خادم بھیج دیا اور گھوڑے کی دیکھ بھال سے میں بری الذمہ ہوگئی (اس کام سے کیا خلاصی ملی) ایسا لگا کہ گویا میں آزاد ہوگئی۔

مسند احمد مترجم، ۱۲/ ۱۶۶، رقم الحدیث ۲۷۴۷۶، مکتبہ رحمانیہ لاہور

انہیں جنت کی بشارت سنادو!

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے گھر میں وضو کیا پھر باہر آئے اور کہنے لگے آج میں آنحضور ﷺ کے ساتھ رہوں گا۔ چنانچہ مسجد میں آئے اور دریافت کیا کہ حضور ﷺ کہاں ہیں؟ حاضرین نے کہا اس طرف گئے ہیں۔ تو ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بھی ان کے نشانِ قدم پر اسی طرف چلے گئے۔ آپ ﷺ بئر اُریس میں پہنچ چکے تھے۔ میں دروازہ میں بیٹھ گیا۔ دروازہ لکڑی کا تھا۔ یہاں تک کہ آپ حاجت سے فارغ ہوئے اور وضو فرمالیا تب میں آپ کے پاس گیا آپ کنوئیں پر بیٹھے تھے اس کی منڈیر پر پنڈلیاں کھول کر کنوئیں میں لٹکا رکھی تھیں۔

میں نے سلام کیا پھر میں لوٹا اور دروازہ پر بیٹھ گیا اور (دل میں) کہا کہ آج میں آنحضرت ﷺ کا دربان بنوں گا۔ اتنے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے اندر سے کہا کون؟ بولے ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ میں نے کہا ٹھہریے۔ میں گیا اور عرض کی: یارسول اللہ! ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے ہیں اور اجازت چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا انہیں اجازت دے دو اور جنت کی بشارت بھی سنادو۔ میں آیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا اندر آجائیں اور آنحضرت ﷺ آپ کو جنت کی بشارت دیتے ہیں۔ چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور کنوئیں کی منڈیر پر آپ ﷺ کی داہنی طرف بیٹھ گئے اور اپنے پاؤں کنوئیں میں لٹکا دیے جس طرح کہ آنحضرت ﷺ بیٹھے تھے اور پنڈلیاں کھول دیں۔

میں لوٹا اور دروازے پر آبیٹھا۔ میں اپنے بھائی کو گھر میں وضو کرتا ہوا چھوڑا تھا اور وہ میرے پاس آنے والا تھا میں نے (اپنے دل میں) کہا اگر اللہ تعالیٰ کو اس کی بھلائی منظور ہوگی تو اسے بھی یہاں لے آئے گا۔ یکا یک کسی شخص نے پھر دروازہ بجایا۔ میں نے کہا کون؟ بولے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔ میں نے کہا ٹھہریے، میں

آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، سلام کے بعد عرض کیا: عمر رضی اللہ عنہ اجازت طلب کرتے ہیں۔ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: اجازت دو اور جنت کی بشارت بھی سنا دو۔ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا آ جائیں۔ آنحضرت ﷺ آپ کو جنت کی بشارت دیتے ہیں۔ وہ اندر آئے اور آپ ﷺ کی بائیں جانب کنویں کی منڈیر پر بیٹھ گئے اور اپنے پاؤں کنویں میں لٹکا دیے۔ میں لوٹا اور بیٹھ گیا اور کہا اگر اللہ کو میرے بھائی کی بھلائی منظور ہے تو وہ بھی آ جائے گا۔

پھر کسی نے دستک دی۔ میں نے کہا کون؟ بولے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ۔ میں نے کہا ٹھہریے۔ میں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اطلاع کی تو آپ ﷺ نے فرمایا انہیں اجازت دو اور جنت کی خوشخبری سنا دو اس پریشانی کے ساتھ جو کہ انہیں لاحق ہوگی۔ میں آیا اور کہا اندر آ جائیے، حضور ﷺ آپ کو جنت کی بشارت دیتے ہیں ایک پریشانی کے ساتھ جو آپ کو لاحق ہوگی۔ وہ آئے تو انہوں نے دیکھا کہ منڈیر پر اس جانب جگہ نہیں ہے تو وہ ان کے سامنے دوسری طرف بیٹھ گئے۔ شریک کہتے ہیں کہ سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں نے اس سے یہ سمجھا کہ ان کی قبریں بھی اسی ترتیب سے ہوں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ روضہ اطہر میں مدفون نہ ہو سکے۔ انہیں جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ باقی دونوں اصحاب آپ ﷺ کے ساتھ مدفون ہیں۔

صحیح مسلم، مترجم اُردو ۳ / ۵۱۶ کتاب فضائل الصحابہ، ادارہ اسلامیات لاہور

چند وفود بارگاہِ نبوت میں

معاویہ رضی اللہ عنہ بن حیدہ کی آمد:

بہز بن حکیم رحمۃ اللہ علیہ اپنے دادا معاویہ رضی اللہ عنہ بن حیدہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ کی قسم میں آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوا مگر جب کہ ان انگلیوں کی گنتی سے زیادہ مرتبہ یہ قسم کھا چکا تھا کہ نہ تو میں آپ کے پاس آ کر پھٹکوں گا اور نہ آپ کا دین اختیار کروں گا۔ ''بہز'' نے اپنی دونوں مٹھیاں جمع کر کے (دس کے عدد کی طرف اشارہ کیا۔)

اور میں آپ کی خدمت میں ایک ایسا شخص آیا ہوں جو قطعاً بے علم اور یکسر ناسمجھ ہے۔ بس وہی جانتا ہے جو اللہ اور اللہ کا رسول اس کو بتا دے۔ میں اللہ کا واسطہ دے کر آپ سے پوچھتا ہوں کہ ہمارے پروردگار نے آپ کو ہمارے پاس کیا کیا احکام دے کر بھیجا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (سب سے پہلے) اسلام کا حکم دیا ہے۔ اس نے عرض کیا اسلام کی نشانی کیا ہے؟ (ایک روایت میں ہے اسلام کیا چیز ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تو اقرار کرے کہ میں اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر چکا اور شرک و کفر سب چھوڑ چکا۔ نماز پڑھے، زکوٰۃ دے۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے قابل احترام ہے۔ مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں انہیں ایک دوسرے کا مددگار رہنا چاہیے جو شخص اسلام لانے کے بعد پھر شرک کرے اس کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اس کو چھوڑ کر پھر مسلمانوں کے گروہ میں شامل نہ ہو جائے۔

تعجب ہے کہ میں تو تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر تمہیں دوزخ کی آگ سے بچا رہا ہوں (اور تم ایک نہیں مانتے۔) سن لو! میرا پروردگار (قیامت کے دن) مجھے بلائے گا اور مجھ سے یقیناً یہ سوال کرے گا کہ آپ نے میرے بندوں کو تبلیغ کر دی؟ میں عرض کروں گا

پروردگار! کردی۔ سن لو! تم میں جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ میرا پیغام ان تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں۔ اور ہاں پھر تمہیں بلایا جائے گا اور تمہارا منہ بند کر دیا جائے گا۔ (تا کہ غلط بات نہ بول سکو) پھر سب سے پہلے انسان کا جو حصہ بیان کرنا شروع کرے گا وہ تمہاری ران اور تمہارے ہاتھ ہوں گے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! بس ہمارا دین یہ ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں یہ تو تمہارا دین ہے اور بھلائی جہاں بھی کرو گے تمہیں کافی ہوگی۔

مسند احمد، رقم الحدیث ۱۹۵۷۶

ابو رزین عقیلی کی آمد، کامل مومن کی نشانی

ابو رزین عقیلی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ! ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تو اس بات کی گواہی دے کہ معبود کوئی نہیں مگر اللہ، جو اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ حضرت محمد ﷺ بلا شبہ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

اللہ اور اس کا رسول تجھ کو تمام ماسوا اسے زیادہ محبوب ہو جائیں اور آگ میں جل کر راکھ ہو جانا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے سے تمہیں زیادہ پسند ہو جائے اور جن شخصوں سے رشتہ ونسب کا کوئی تعلق بھی نہ ہو ان سے بھی اللہ کے نام اور ایمان کی وجہ سے محبت ہو جائے۔ جب یہ علامات تم میں پائی جائیں تو (سمجھ لینا کہ) اب تمہارے دل میں ایمان کی محبت ایسی سما گئی ہے جیسے سخت گرمی میں پیاسے کے دل میں پانی کی محبت۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! میں یہ بات کیسے سمجھوں کہ اب میں کامل مومن ہو گیا ہوں؟

آپ ﷺ نے فرمایا میری اُمت میں جب کوئی شخص نیکی کرے اور اس کو محسوس ہو کہ یہ نیکی ہے اور اس پر یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ اس کو ضرور دے گا اور جب کوئی برائی کرے تو اس کا دل کہے کہ یہ برائی ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے اور یقین رکھے کہ بخشنے والا سوائے اللہ کے کوئی نہیں تو یقیناً وہ شخص کامل مومن ہے۔

ترجمان السنۃ جلد اوّل، ۸۸ ،مکتبہ رحمانیہ لاہور

وفد عبدالقیس کی آمد

زرقانی ؒ نے شرح مواہب میں امام بیہقی ؒ سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تمہارے پاس ابھی ایک قافلہ آنے والا ہے جو اہلِ مشرق میں سب سے بہتر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے دیکھنے کے لیے کھڑے ہوئے تو انہیں تیرہ آدمیوں کا ایک قافلہ آتا نظر آیا۔ آپ نے ان کو آنحضرت ﷺ کی یہ بشارت سنائی۔ پھر ان کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی خدمت میں آئے۔ جب ان لوگوں نے دور سے آپ ﷺ کو دیکھا تو بے تاب ہو گئے اور فرطِ اشتیاق سے اپنا سامان اسی طرح چھوڑ کر دیوانہ وار آپ ﷺ کی خدمت میں دوڑ پڑے اور حاضر ہو کر آپ کا دستِ مبارک چومنے لگے۔

شیخ عبدالقیس رضی اللہ عنہ جو ان کے سردار تھے اگرچہ نوعمر تھے سب سے پیچھے رہ گئے تھے۔ انہوں نے پہلے تو سب کے اونٹ باندھے پھر اپنا بکس کھول کر سفر کے کپڑے اُتارے اور سفید لباس پہنا۔ پھر باطمینان آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے دست مبارک کو بوسہ دیا۔ وہ زیادہ خوبصورت نہ تھے۔ جب آنحضرت ﷺ نے ان کی طرف نظر اُٹھائی تو انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! آدمی کی قیمت صرف اس کے ڈھانچے سے نہیں ہوتی اس کی قیمت اس کے دو چھوٹے سے اعضاسے ہوتی ہے زبان اور دل سے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں جن کو اللہ و رسول پسند کرتے ہیں دانائی اور بردباری۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ خصلتیں مجھ میں پیدائشی ہیں یا میں نے اپنے کسب سے حاصل کی ہیں؟ فرمایا پیدائشی ہیں۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب وفد عبدالقیس آپ کی خدمت میں مدینہ طیبہ میں حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا یہ وفد کس قبیلہ کا ہے؟ انہوں نے جواب دیا قبیلہ

ربیعہ کا۔آپ ﷺ نے فرمایا خوش آمدید (تم لوگ خوشی سے مسلمان ہو کر آئے ہو) اس لیے نہ دنیا میں رسوائی کی نوبت آئی نہ آخرت میں شرمندہ ہو گے۔

انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ!

ہم بڑی دور و دراز مسافت طے کر کے آرہے ہیں ہمارے اور آپ کے درمیان کفار مضر کا یہ مشہور جنگجو قبیلہ پڑتا ہے۔اس لیے ہم آپ کی خدمت میں صرف ان مہینوں میں حاضر ہو سکتے ہیں جن میں کفار کے نزدیک جنگ کرنا حرام ہے اس لیے ہمیں تو آپ کوئی ایسی مختصر بات بتا دیجیے جس پر عمل کر کے ہم جنت میں چلے جائیں اور جو لوگ ہم سے پیچھے رہ گئے ہیں ان کو بھی اس کی اطلاع کر دیں۔پھر انہوں نے ان برتنوں کی بابت بھی پوچھا جن میں نبیذ (کھجور کا خاص شربت) بنائی جاتی تھی (کون سے استعمال کئے جا سکتے ہیں اور کون سے نہیں؟)

آپ ﷺ نے ان کو چار باتوں کا حکم دیا اور چار باتوں سے روکا

(۱) صرف اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیا۔

پھر ارشاد فرمایا جانتے بھی ہو اللہ پر ایمان لانا کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔فرمایا اس بات کی گواہی دینا کہ عبادت کے لائق کوئی نہیں مگر ایک اللہ تعالیٰ کی ذات اور یہ کہ محمد ﷺ اس کے پیغمبر ہیں۔

(۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوٰۃ دینا

(۴) ماہ رمضان کے روزے رکھنا اور مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ اللہ کے لیے دینا اور چار (اس وقت کے خاص مروجہ) برتنوں کے استعمال سے منع فرمایا۔دباء سے، حنتم سے، نقیر سے اور مزفت سے اور فرمایا کہ ان باتوں کو یاد کر لو اور جو تم سے اس طرف مسلمان رہتے ہیں ان کو بھی ان باتوں کی خبر کر دینا۔

صحیح بخاری، کتاب الایمان، رقم ۵۳

کون سا عمل آتشِ دوزخ سے نجات دلائے گا؟

مغیرہ اپنے والد عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں خچر خریدنے کے لیے کوفہ گیا۔ بازار پہنچا تو اس وقت تک بازار ٹھیک سے نہ لگا تھا۔ میں نے اپنے رفیق سے کہا اتنی دیر مسجد ہی میں چلیں۔ وہاں جا کر کیا دیکھتا ہوں کہ قبیلہ قیس کا ایک شخص بیٹھا ہوا تھا جس کو ابن المنفق کہتے تھے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ ایک شخص نے مجھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کیا۔ اس کے مطابق میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منیٰ میں تلاش کرنا چاہا تو کسی نے کہا آپ میدانِ عرفات میں ہیں۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہاں پہنچا تو (بھیڑ بہت تھی اس لیے) زبردستی گھسنے لگا۔ کسی نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ سے ایک طرف ہٹ جاؤ۔ اس آدمی کو آنے دو شاید ضرورت مند ہے (دیکھو) اسے کیا ضرورت ہے؟ وہ فرماتے ہیں میں اسی اثنا میں گھس گھسا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا ہی پہنچا اور آپ کی سانڈنی کی مہار پکڑلی۔

میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!

میں دو باتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنا چاہتا ہوں۔

آتشِ دوزخ سے مجھے کون سا عمل نجات دے سکتا ہے؟

اور جنت کے لیے کیا عمل درکار ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا پھر سر مبارک جھکا لیا۔ اس کے بعد میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا اگرچہ تو نے سوال مختصر کیا ہے مگر بات بڑی گہری دریافت کی ہے۔ اچھا تو اب اس کو مجھ سے خوب سمجھ لے۔ صرف خدا تعالیٰ کی عبادت کر اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کر۔ فرض نماز اچھی طرح پڑھا کر، فرض زکوٰۃ دیا کر، رمضان کے روزے رکھا کر اور جو سلوک تو چاہتا ہے کہ لوگ تیرے ساتھ کریں وہی تو ان کے ساتھ کیا کر اور جو معاملہ تو نہیں چاہتا کہ لوگ تیرے ساتھ کریں دوسروں کو بھی اس سے معاف رکھا کر۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا اب میری سانڈنی کا راستہ چھوڑ دے۔

مسند احمد، حدیث ابن المنفق، رقم ۲۶۵۳۷

قبیلہ اَزد کے دانش مند حضور ﷺ کے قدموں میں

سوید اَزدی رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ہماری قوم کے سات آدمی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جن میں ساتواں شخص میں تھا۔ جب ہم آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ سے گفتگو کی تو جو طرز و انداز آپ نے ہمارا دیکھا آپ کو بہت پسند آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم کون لوگ ہو؟ ہم نے عرض کیا اہلِ ایمان۔ آپ ﷺ مسکرائے اور فرمایا ہر بات کی ایک حقیقت ہوا کرتی ہے۔ بتاؤ تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟

ہم نے عرض کیا پندرہ چیزیں ہیں جن میں پانچ تو ایسی ہیں جن کے متعلق آپ کے قاصدوں نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم ان پر یقین رکھیں اور پانچ ایسی ہیں جن کے متعلق کہا ہے کہ ان پر عمل کیا کریں اور پانچ وہ ہیں جن کی عادت ہمیں زمانہ جاہلیت سے پڑی ہوئی ہے اور اب تک ہم ان پر قائم ہیں۔ ہاں اگر آپ ﷺ انہیں پسند نہ کریں تو ہم انہیں چھوڑ بھی سکتے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا بتاؤ وہ پانچ باتیں کیا ہیں جن پر میرے قاصدوں نے تم کو یقین رکھنے کے لیے کہا ہے؟ ہم نے عرض کیا وہ یہ ہیں کہ......

- ہم اللہ تعالیٰ پر
- اس کے فرشتوں پر
- اس کی کتابوں پر
- اس کے سب رسولوں پر ایمان لائیں
- اور مرنے کے بعد جی اُٹھنے کا یقین کریں۔

فرمایا وہ پانچ باتیں کیا ہیں جن پر عمل کرنے کے لیے کہا گیا ہے۔ ہم نے عرض کیا یہ کہ ہم اقرار کریں کہ ایک اللہ کے سوا معبود کوئی نہیں۔ نماز باضابطہ پڑھیں، زکوٰۃ دیں، رمضان کے روزے رکھیں اور اگر زادِ راہ موجود ہو (یعنی استطاعت حاصل ہونے پر)

بیت اللہ کا حج ادا کریں۔

فرمایا اچھا اب وہ پانچ باتیں بتاؤ جن کی کفر کے زمانہ سے تمہیں عادت ہے۔

ہم نے عرض کیا......

✧ فراخی میں شکر ادا کرنا

✧ مصیبت میں صبر کرنا

✧ مقدرات جب سامنے آجائیں تو ان پر خوش رہنا

✧ جنگ میں ثابت قدمی اختیار کرنا

✧ دشمنوں کی مصیبت پر ہنسی نہ اُڑانا۔

آپ ﷺ نے فرمایا تم تو سب کے سب بڑے دانا اور عالم نکلے۔ قریب تھا کہ اس علم و فہم کی بدولت نبی بنا دیے جاتے۔ (لیکن یہ حتمی فیصلہ ہے کہ نبوت کا دروازہ بند ہو چکا۔)

اچھا تو اب پانچ باتیں میں تمہیں بتاتا ہوں تاکہ کل مجموعہ بیس باتوں کا ہو جائے۔ اگر بات اسی طرح سے ہے جیسا کہ تم نے بیان کی تو سنو!

۱۔ حاجت سے زیادہ کھانا جمع نہ کرو!

۲۔ ضرورت سے زیادہ مکانات نہ بناؤ!

۳۔ جس چیز کو چھوڑ کر کل تم نے چلے جانا ہے اس میں ایک دوسرے کی حرص نہ کرو!

۴۔ ایک اللہ سے ڈرتے رہو! جس کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور جس کے سامنے حساب دینے کے لیے پیش ہونا ہے

۵۔ اس گھر کی فکر کرتے رہو! جس میں تمہیں آئندہ جانا اور ہمیشہ رہنا ہے۔

آپ ﷺ کی یہ وصیت پوری توجہ سے سن کر وہ اپنے گھروں کو واپس چلے گئے اور ان پر زندگی بھر عمل کرتے رہے۔

رواہ ابو نعیم فی معرفۃ الصحابۃ وفی الزہد الکبیر للبیہقی، باب الورع والتقویٰ ۹۷۶

زندگی کے آخری سانس میں

ایمان اور دیدارِ رسول ﷺ

صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم نے دیکھا کہ ایک سوار اپنی سواری بھگا تا ہوا آ رہا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمہارے پاس ہی آ رہا ہے۔اتنے میں وہ آ ہی گیا اور سلام کیا۔ہم نے اس کے سلام کا جواب دیا۔آنحضرت ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا کدھر سے آ رہے ہو؟ اس نے عرض کیا بیوی، بچوں اور اپنے خاندان کے پاس سے۔آپ ﷺ نے پوچھا کدھر کا قصد ہے؟ اس نے عرض کیا اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ﷺ کا۔آپ ﷺ نے فرمایا تم ٹھیک مقصد پر پہنچ گئے ہو۔اس نے عرض کیا یارسول اللہ! مجھے سکھائیے ایمان کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس بات کی گواہی دو کہ معبود کوئی نہیں مگر ایک اللہ ہی، محمد ﷺ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔نماز اچھی طرح ادا کرو، زکوٰۃ دو، رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو۔

اس نے عرض کیا اَقْرَرْتُ بِذَالِكَ میں نے ان سب باتوں کا اقرار کیا۔راوی کہتا ہے اس کے بعد اس کے اونٹ کا پیر کسی جنگلی چوہے کے سوراخ میں جا پڑا جس سے اونٹ گرا اور یہ بھی سر کے بل جا گرا اور وہیں اللہ کو پیارا ہو گیا۔

آپ ﷺ نے فرمایا اس شخص کو ذرا قریب لاؤ! فوراً عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور حذیفہ رضی اللہ عنہ اس کو لانے کے لیے لپکے اس کو بٹھایا (تو وہ جان دے چکا تھا) انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! اس کا تو انتقال ہو گیا ہے۔راوی کہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس شخص سے نظریں ہٹالیں اور دوسری سمت دیکھنے لگے۔پھر آپ ﷺ نے فرمایا تم نے دیکھا کہ میں اس شخص کو دیکھنے کی بجائے دوسری طرف متوجہ ہو گیا تھا؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں نے دیکھا دو فرشتے اس کے منہ میں جنت کے میوے ڈال رہے ہیں۔یہ دیکھ کر

میں سمجھا کہ ضرور یہ شخص بھوکا ہوگا۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا خدا کی قسم یہ ان لوگوں میں سے ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ (سورہ مائدہ: ۸۲)

"جو لوگ ایمان لا چکے پھر انہوں نے اپنے ایمان میں معصیت کا ذرا بھی داغ لگنے نہیں دیا یہی لوگ ہیں جن کے لیے امن ہے اور یہی ہدایت یافتہ ہیں۔"

پھر آپ ﷺ فرمایا اپنے بھائی کی تجہیز و تکفین کا انتظام کرو، ہم انہیں اٹھا کر پانی کے پاس لائے۔ غسل دیا، خوشبو لگائی، کفن پہنایا اور قبر میں دفن کے لیے اُٹھا کر لے چلے۔ راوی کہتا ہے آپ ﷺ تشریف لائے اور قبر کے ایک کنارہ پر بیٹھ گئے اور فرمایا بغلی بنانا صندوق نہ بنانا۔ کیونکہ ہمارے لیے بغلی ہی مناسب ہے صندوق والی دوسروں کے لیے ہے۔ (اگرچہ شق والی یعنی صندوق والی قبر جائز ہے لیکن بغلی قبر آپ ﷺ کو زیادہ پسند تھی۔)

معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم الاصبہانی، باب الالف، رقم: ۶۵۶۸

تم عذابِ قبر سے اللہ کی پناہ چاہو!

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ بنو نجار کے کسی باغ میں ایک خچر پر سوار جارہے تھے۔ اس وقت ہم لوگ بھی آپ کے ہمراہ تھے کہ اچانک آپ کی سواری اس زور سے بدکی، قریب تھا کہ آپ گر جاتے۔ دیکھا تو وہاں پانچ، چھ قبریں تھیں۔ آپ نے پوچھا کوئی ہے جو ان مدفون شخصوں کو پہچانتا ہو؟ ایک شخص بولا میں پہچانتا ہوں۔ آپ نے پوچھا یہ مردے کس زمانے کے ہیں؟ اس نے جواب دیا شرک کے زمانے کے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس اُمت کا قبر میں امتحان ہوتا ہے۔ اگر کہیں یہ خطرہ نہ ہوتا کہ مارے دہشت کے تم دفن کرنا ہی بھول نہ جاؤ تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ جو عذابِ قبر میں سنتا ہوں وہ تم کو بھی سنا دے۔

پھر آپ نے ہماری طرف رخ کر کے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عذابِ دوزخ سے پناہ مانگو۔ لوگوں نے فوراً کہا ہم اللہ کے سامنے عذابِ دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں۔ پھر فرمایا: عذابِ قبر سے بھی پناہ مانگو ہم نے فوراً اللہ تعالیٰ سے عذابِ قبر سے پناہ مانگی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام فتنوں سے بھی پناہ مانگو ظاہر ہوں یا پوشیدہ۔ ہم نے فوراً کہا ہم اللہ تعالیٰ سے تمام قسم کے فتنوں سے پناہ مانگتے ہیں خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ۔ آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دجال کے فتنے سے بھی پناہ مانگو۔ ہم نے فوراً دعا مانگی۔ اے اللہ! ہم دجال کے فتنے سے بھی پناہ مانگتے ہیں۔

صحیح مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمہا واہلہا، رقم ۵۲۲۰

اُن کی بہادری کو حضور ﷺ نے سراہا!

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر نبی کا ایک حواری (مخلص رفیق) ہوتا ہے اور میرے حواری زبیر رضی اللہ عنہ ہیں۔ (سنن ابن ماجہ)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے غزوۂ احزاب میں ایک بڑی خدمت سرانجام دی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر فضل و احسان کیا کہ ان پر اس رات سردی اثر انداز نہ ہوئی اور وہ ایک نہایت ٹھنڈی رات میں چھپ چھپا کر کفار و مشرکین کی خبر نبی کریم ﷺ کے پاس لائے۔ اس موقعہ پر جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے زبیر! تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ یہ بخاری کا بیان ہے۔ غزوۂ اُحد کے دن بھی فرمایا تھا یعنی دو مرتبہ حضور ﷺ نے یہ فرمایا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بہت شجاع اور بہادر تھے۔ ایک دفعہ ان کو خبر ملی کہ مشرکین نے حضور ﷺ کو گرفتار کر لیا تو تلوار لے کر مجمع چیرتے ہوئے آستانۂ اقدس پر حاضر ہوئے۔ رسول اللہ نے دیکھا تو فرمایا زبیر! یہ کیا؟ عرض کی مجھے معلوم ہوا تھا کہ خدانخواستہ حضور ﷺ گرفتار کر لیے گئے ہیں۔ اس لیے کفار کا قلع قمع کرنے کے لیے حاضر ہوا تھا۔ سرورِ کائنات ﷺ ان کی یہ بہادری دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور ان کے لیے دعاءِ خیر فرمائی۔

اہلِ سِیَر نے لکھا ہے کہ یہ پہلی تلوار تھی جو جانثاری کی خاطر ایک بچے کے ہاتھ سے نیام سے باہر آئی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سولہ برس کی عمر میں نورِ ایمان سے منور ہوئے۔ ہجرت بھی کی اور غزوۂ بدر میں شرکت کی سعادت بھی حاصل ہوتی حتیٰ کہ جب حضور ﷺ نے دس ہزار مجاہدین کے ساتھ مکہ کا قصد کیا اور پیغمبرانہ جاہ و جلال کے ساتھ اس سرزمین میں داخل ہوئے جہاں سے آٹھ سال قبل طرح طرح کے مصائب و شدائد برداشت کرنے کے بعد نکلنے پر مجبور ہوئے تھے تو اس عظیم الشان فوج کے متعدد دستے بنائے گئے تھے جن میں

ے سب سے چھوٹا اور آخری دستہ وہ تھا جس میں خود آنحضرت ﷺ موجود تھے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس کے علم بردار تھے۔ اس کے بعد غزوہ طائف اور تبوک کی فوج کشی میں شریک ہوئے۔ بعد ازاں بھی بہت سے کارہائے نمایاں سرانجام دیتے رہے۔

سنن ابن ماجہ مترجم، جلد اول، ص ۷۵، کتاب الایمان، مکتبۃ العلم لاہور

اے اللہ! مجھے حضور ﷺ کا اُمتی بنا دے!

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جب توریت نازل ہوئی اور انہوں نے اسے پڑھا تو اس اُمت کا تذکرہ اس میں پایا۔ تب انہوں نے عرض کی اے رب! میں توریت کی تختیوں میں اس اُمت کا ذکر کر پاتا ہوں جن کا زمانہ تو آخری ہوگا مگر ان کا داخلہ جنت میں پہلے ہوگا تو ایسے لوگوں کو میری امت میں شامل فرما دے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ''وہ امت تو احمدِ مجتبیٰ، محمد مصطفی ﷺ کی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار! میں نے ان تختیوں سے یہ جانا ہے کہ وہ امت فرمانبردار ہوگی اور اس کی دعائیں مستجاب ہوں گی تو اسے میری اُمت بنا دے۔ رب عظیم نے فرمایا وہ امت تو احمد مجتبیٰ ﷺ کی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا اے پروردگارِ عالم! میں نے ان اَلواح میں پڑھا ہے کہ وہ ایسی اُمت ہے کہ جس کے سینوں میں کتابِ الٰہی ہے۔ جس کو وہ زبانی پڑھیں گے تو اس امت کو میری امت بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے پھر فرمایا وہ اُمت احمدِ مجتبیٰ ﷺ کی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا میں نے ان الواح میں دیکھا ہے کہ وہ امت زکوٰۃ و صدقات کے اموال کھائے گی (یعنی امت کے مالدار لوگ زکوٰۃ دیں گے اور نادار لوگ کھائیں گے) اور اس پر انہیں اجر و ثواب بھی دیا جائے گا تو اس کو میری اُمت بنا دے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا وہ امت احمدِ مجتبیٰ ﷺ کی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اے رب! میں نے ان اَلواح میں دیکھا ہے کہ اس اُمت کا کوئی شخص اگر نیکی کا ارادہ کرے اور وہ کسی وجہ سے نیکی نہ کر سکے تب بھی وہ نیکی

اس کے حساب میں تحریر کر لی جائے گی اور اگر وہ اس نیکی کو عمل میں لے آئے تو اس کے لیے دس نیکیاں درج کی جائیں گی تو اس اُمت کو میری اُمت بنادے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ اُمت تو احمدِ مجتبیٰ ﷺ کی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اے ربِّ قدیر! میں نے اَلواحِ مقدسہ میں دیکھا ہے کہ جب اس امت میں سے کوئی شخص بدی کا ارادہ کرے اور پھر خوفِ خداوندی سے اس سے باز رہے تو کچھ گناہ نہ لکھا جائے گا اور اگر ارتکاب کرلے تو ایک ہی بدی لکھی جائے گی تو اس اُمت کو میری اُمت بنادے۔ فرمایا وہ تو احمدِ مجتبیٰ ﷺ کی ہی اُمت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اے رب! میں نے ان الواح میں درج پایا ہے کہ وہ امت اولین و آخرین کے علم کی وارث ہوگی اور گم راہ پیشواؤں اور مسیح دجال کو ہلاک کرے گی۔ اس کو میری اُمت بنادے۔ ارشاد فرمایا وہ احمدِ مجتبیٰ ﷺ کی اُمت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اے مہربان پروردگار! پھر مجھے بھی تو احمدِ مجتبیٰ ﷺ کی امت میں شامل فرمادے! اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يٰمُوْسٰۤى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَاۤ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ (سورہ انعام: ۱۴۴)

"اے موسیٰ علیہ السلام! میں نے تمہیں لوگوں میں سے چن لیا اپنی رسالت اور اپنے کلام کے ساتھ۔ پس لے لے جو میں نے تجھے عطا فرمایا اور شکر کرنے والوں میں سے ہوجا۔"

اس ارشاد پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے رب! میں راضی ہوگیا۔

خصائص کبریٰ، علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، جلد اوّل، ص ۲۱

تم تہجد کے لیے اُٹھانے والے کیسے بن گئے؟

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک قصہ لکھا ہے کہ آپ روزانہ تہجد کی نماز کے لیے بیدار ہوا کرتے تھے۔ ایک دن آپ کی آنکھ لگ گئی اور تہجد قضا ہوگئی۔ سارا دن روتے روتے گزار دیا اور توبہ واستغفار کی کہ یا اللہ! آج میری تہجد کا ناغہ ہوگیا۔ اگلی رات جب سوئے تو تہجد کے وقت ایک شخص آیا اور آپ کو تہجد کے لیے بیدار کیا۔ آپ نے بیدار ہو کر دیکھا کہ یہ بیدار کرنے والا شخص کوئی اجنبی معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے اس سے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا کہ میں ابلیس ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تو ابلیس ہے تو تہجد کی نماز کے لیے اُٹھانے سے تجھے کیا غرض؟ وہ شیطان کہنے لگا بس آپ اُٹھ جائیے اور تہجد پڑھ لیجیے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم تو تہجد سے روکنے والے ہو۔ تم اُٹھانے والے کیسے بن گئے؟ شیطان نے جواب دیا کہ بات دراصل یہ ہے کہ گزشتہ رات میں نے آپ کو تہجد کے وقت اُٹھنے نہ دیا اور آپ کی تہجد کا ناغہ کرا دیا لیکن سارا دن آپ تہجد چھوٹنے پر روتے رہے...... اور استغفار کرتے رہے جس کے نتیجے میں آپ کا درجہ بہت زیادہ بلند ہوگیا۔ اس سے اچھا تو یہ تھا کہ آپ تہجد ہی پڑھ لیتے۔ اب لیے آج میں خود آپ کو تہجد کے لیے اُٹھانے آیا ہوں تاکہ آپ اس درجہ تک نہ پہنچ پائیں۔ (معلوم ہوا اللہ کے آگے رونا دھونا بڑے کام کی چیز ہے۔) [صحابیت کا درجہ اپنی جگہ یہ مزید درجاتِ قرب کی بات ہے جو ہر دم نیک اعمال سے بڑھتے رہتے ہیں۔]

ارشاداتِ اکابر، مولانا محمد اسحاق ملتانی ص ۶۰، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کا نرالا شوقِ شہادت

سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بدر میں اپنے سائبان کے اندر تشریف فرما تھے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس جنت کی طرف چلو جس کا عرض (چوڑائی) زمین و آسمان کے برابر ہے اور جو متقیوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ یہ سن کر حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے کہا "واہ! واہ!" حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم نے یہ اظہار مسرت کس وجہ سے کیا ہے؟ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اس آرزو میں کہ کاش میں اہل جنت میں شامل ہو جاؤں اور پھر وہاں کی وسعتوں میں گھوموں اور پھروں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا انشاء اللہ تمہارا ٹھکانہ وہیں ہوگا۔

پھر حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے تھیلے سے کچھ کھجوریں نکالیں اور ان کو منہ میں رکھتے ہوئے کہا "خدا کی قسم! اگر زندہ رہا تو ان کو کھاتا رہوں گا۔ ورنہ جنت کی حیات تو دائمی ہے۔" پھر کچھ خیال آیا اور ہاتھ کی کھجوروں کو پھینک دیا۔ سینہ تان کر جھومتے ہوئے وقار و تمکنت کی چال چلتے میدان کی طرف بڑھے۔ بائیں ہاتھ کی ڈھال کو زمین پر چھوڑ دیا اور دشمنانِ اسلام پر آفتِ ناگہاں بن کر ٹوٹ پڑے اور پھر اس حیاتِ عارضی سے ابدی زندگی کی طرف منتقل ہو گئے اور جنت کی اعلیٰ منزلوں کے حق دار بن گئے۔

الطبقات الکبریٰ، ۳/ ۵۶۵، دار صادر بیروت

توبۃ النصوح، پکی توبہ کا ایک انداز

حضرت نصوح کا واقعہ سنئے جو ایک گنہگار زندگی گزار رہے تھے۔ بڑے خوبصورت تھے، گورے چٹے تھے اور آواز بالکل عورتوں کی سی تھی اور گال پر بال بالکل نہیں آئے تھے۔ اس نے شہزادیوں کو اور بادشاہ کی بیویوں کو نہلانے دھلانے اور مالش کرنے کی نوکری کرلی۔ برقع اوڑھا کرتا تھا۔ اس میں ذرا بھی مردانہ ضعف اور کمزوری نہیں تھی۔ لہٰذا تمام عورتیں جتنی بیگمات کو نہلاتی دھلاتی تھیں سب سے نمبر ون پاس ہو گیا۔ کیونکہ یہ مرد تھا لہٰذا یہ زیادہ طاقت اور زیادہ قوت کے سبب ایسی مالش کرتا تھا کہ بیگمات نے سب خواتین نوکرانیوں سے کہہ دیا تھا کہ بیبیو تم مالش مت کرو۔ یہ جو بڑی بی آئی ہے بس ہم اسی سے مالش کروائیں گی۔

جنگل وہیں قریب تھا بیگمات کی مالش کرنے کے بعد اس جنگل میں جا کر رویا کرتا تھا کہ اے خدا ایک دن موت آئے گی۔ پھر آپ کو کیا منہ دکھاؤں گا؟ ادھر توبہ بھی کرتا اور ادھر مالش کا کام پھر کر کے اپنے نفس کو خوب خوش کرتا۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا نفس اتنا بدمعاش اور سرکش ہو چکا تھا کہ ادھر توبہ کر کے آتا اور ادھر وہی کام شروع کر دیتا۔ ہزاروں بار اس نے توبہ توڑ دی لیکن ایک دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے جذب کا وقت آ گیا۔ دیکھئے جب جذب کا وقت آتا ہے تو اس کے راستے خود بخود کھلنے لگتے ہیں۔

سن لے اے دوست جب ایام بھلے آتے ہیں
گھات ملنے کی وہ خود آپ ہی بتلاتے ہیں

اب جذب کا وقت آ گیا۔ اسی جنگل سے ایک عارف باللہ بزرگ گزر رہے تھے اسی وقت نصوح کو تقاضا ہوا کہ جنگل چل کر آہ وفغاں کرے اور روئے اللہ کے سامنے۔ دیکھا کہ ایک عارف باللہ جا رہے ہیں۔ ان سے عرض کی: ”اپنی دعاؤں میں ہم کو بھی رکھئے گا۔“

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اسی وقت اس اللہ والے نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے اور ساتوں آسمانوں کو اس کی دعا پار کرگئی۔ جذب کا وقت آ گیا تھا اسی وقت اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہوگیا کہ اسے ولی اللہ بنانا ہے۔ اللہ نے اس کو جذب کرلیا اور غیب سے اس کے لیے خلاصی کا ایک راستہ نکال دیا۔

اب جو وہ واپس گیا تو بادشاہ کی بیبیوں میں سے ایک نوجوان بیوی کا ہار گم ہوگیا۔ تلاشِ بسیار کے بعد نہ ملا تو اب یہ اعلان کیا گیا کہ سب نوکرانیوں کے لباس اُتار کر تلاشی لی جائے گی۔ پھر سب کو ترتیب وار ننگا کیا جارہا تھا اور ہار کی تلاشی لی جارہی تھی۔ اب ان نصوح صاحب کا کیا حال ہوا جب آٹھ دس نوکرانیاں رہ گئیں اور اس کی باری آنے والی تھی تو اس کے دل میں اتنا خوف طاری ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا اور رونا دھونا شروع کردیا کہ اے اللہ! آج اگر میری تلاشی لے لی گئی تو میں مرد ظاہر ہو جاؤں گا اور مجھے گردن تک زمین میں گاڑ کر بادشاہ کتوں سے نوچوا دے گا اور مجھے ہلاک کروا دے گا۔ اتنی سخت سزا دے گا جو میری برداشت سے باہر ہے۔

وہ دعا میں کہہ رہا تھا:

اے خدا! ایں بندہ را رسوا مکن

اے خدا اس بندہ کو رسوا نہ کیجیے آج ننگی تلاشی ہو رہی ہے آج اگر میں پکڑا جاؤں گا تو بادشاہ مجھے موت سے کم سزا نہیں دے گا۔

اے خدا ایں بندہ را رسوا مکن
گر بدم من سرِ من پیدا مکن

اگرچہ میں نالائق و بدکار ہوں لیکن آج میرا راز آپ چھپا دیجیے۔ پردۂ ستاریت میں مجھ کو پناہ دے دیجیے۔ اگر آپ نے دامن ستاریت مجھ پر ڈا نہیں کیا تو آج میری وہ سزا ہوگی کہ تاریخ اس کو یاد رکھے گی۔ دوسرے شعر میں اس نے کہا اب میں وعدہ کرتا

ہوں کہ چاہے میری جان چلی جائے میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔
اللہ تعالیٰ کو رحم آ گیا اور اس کو بے ہوش کر دیا۔ اس خوف سے بے ہوش ہو کر گر گیا اور بے ہوشی میں اللہ تعالیٰ نے اس کو جنت و دوزخ کا کچھ مشاہدہ کرا دیا۔ اُدھر تلاشی اِدھر توبہ و استغفار کا سلسلہ چل رہا تھا اتنے میں ایک عورت کے پاس سے ہار مل گیا اور اعلان ہو گیا کہ ہار مل گیا، ہار مل گیا۔ یہ بے ہوش پڑا ہوا ہے۔ اب بیگمات اس کو پنکھا جھل رہی ہیں۔ اپنی پیاری خادمہ کو یعنی حضرت خادم کو پنکھا جھل رہی ہیں اور اس کو جب ہوش آیا تو سب نے ہاتھ جوڑ کر اس سے معافی مانگی کہ ہم لوگوں کی نالائقی معاف کر دو کہ تمہیں ہماری وجہ سے اتنی تکلیف ہوئی کہ تم بے ہوش ہو گئیں۔ وہ تو عورت ہی سمجھ رہی تھیں لیکن اس نے کہا اے بیبیو! میں تمہارے کام کی اب نہیں ہوں میرے ہاتھ پیر سے خدمت کی طاقت اب ختم ہو گئی ہے۔ اس بے ہوشی سے مجھ میں ایک ضعف آ گیا ہے جس سے اب میں تمہاری خدمت کے قابل نہیں رہا۔ مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت دوزخ دکھا کر میرے ایمان کو اس مقام پر پہنچا دیا ہے کہ اب میں نافرمانی کے قابل نہیں رہا۔ اب اگر میں نافرمانی کرنا بھی چاہوں تو مجھ پر اتنی عظمت اور اتنا خوف طاری ہے کہ اب ہمت نہیں کہ میں اللہ کے غضب کو اپنی حرام لذتوں سے خرید سکوں۔ میرا ایک مصرعہ ہے جو اِس وقت یاد آ گیا ہے:

لذت عارضی ملی عزت دائمی گئی

نصوح نے پختہ توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے اس کی لاج رکھ لی اور ستاری کا معاملہ فرمایا۔ تو یہ ہے توبۃً نصوحا کا ایک انداز۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ...... الخ (سورہ تحریم: ۸)

اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ سے توبہ نصوح (پختہ توبہ) کرو قریب ہے کہ وہ تمہارے گناہ

تم سے دور کردے اور تمہیں باغہائے بہشت میں داخل کردے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ۔اس دن اللہ تعالیٰ اپنے نبی اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے رسوا نہیں کرے گا بلکہ ان کا نورِ ایمان ان کے آگے اور دائیں طرف (روشنی دیتا ہوا) چل رہا ہوگا وہ اپنے رب سے التجا کریں گے اے ہمارے پروردگار ہمارے لئے ہمارا نور کامل کردے اور ہماری خطائیں معاف کردے بے شک تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

تجلیاتِ جذب، حکیم محمد اختر رحمۃ اللہ علیہ، حصہ سوم، ص ۱۸ تا ۲۳

توکل کی اہمیت اور دو صحابہ کا معاہدہ

عن سعيد بن المسيب رحمۃ اللہ علیہ ان سلمان رضی اللہ عنہ و عبدالله بن سلام رضی اللہ عنہ التقيا فقال احدهما لصاحبه ان لقيت ربك قبلي... واعلمني ما لقيت وان لقيتُه قبلك لقيتُك واخبرتُك فتوفي احدهما ولقي صاحبه في المنام فقال له توكّل وَابشِرْ فَاِنِّيْ لم ار مثل التوكل قال ذلك ثلث مِرَارًا۔

حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ اونچے درجے کے تابعین، اولیاء کرام اور محدثین میں سے ہیں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ آپس میں ملے۔ یہ دونوں صحابی پہلے اہل کتاب میں سے تھے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پہلے تو نصرانی رہے پھر یہودیت بھی انہوں نے اختیار کی اور بالآخر اللہ تعالیٰ نے اسلام کی توفیق عطا فرمائی اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ پہلے یہودی تھے۔ یہود کے سردار مانے جاتے تھے اور پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام کی توفیق عطا فرمادی۔ اب ان دونوں بزرگوں نے اپنی اس ملاقات میں ایک دوسرے سے ایک معاہدہ کیا ایک نے دوسرے سے کہا کہ اگر تمہارا انتقال پہلے ہو جائے تو تم مجھے خواب میں آ کر بتانا کہ تمہارے ساتھ کیا گزری اور اگر میرا انتقال پہلے ہو گیا تو میں تمہیں خواب میں آ کر بتاؤں گا کہ میرے ساتھ کیا گزری اور کیا حالات وہاں پیش آئے؟

خیر! ان دونوں صحابہ کرام میں سے ایک کا انتقال پہلے ہو گیا تو دوسرے کو اسی بات کا انتظار رہا کہ وہ خواب میں آ کر انہیں وہاں کے حالات بتائیں۔ چنانچہ وہ خواب میں آ گئے، اب ان کو یہ خیال تھا کہ یہ وہاں کے حالات اور کیفیات کے بارے میں بتلائیں گے

لیکن اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو ایسا پردۂ راز میں رکھا ہے کہ کسی کو بھی اس کی خبر کسی طریقے سے نہیں ہو پاتی۔ بس جو علم اللہ تعالیٰ نے دے دیا اور سرورِ کائنات ﷺ نے جو کچھ بتلا دیا اس سے آگے جانے کی کسی میں مجال ہی نہیں ہے۔

عالم برزخ میں توکل کی اہمیت:

بہرحال جو صحابی خواب میں آئے انہوں نے انہیں وہاں کے حالات تو نہ بتائے البتہ ایک ایسا جملہ بتا گئے جو ہمارے اور آپ کے عمل سے تعلق رکھتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں یہاں آنے کے بعد جس چیز کو شدت سے محسوس کر رہا ہوں وہ توکل ہے۔ اگر تم نے اللہ پر بھروسہ کر لیا تو پھر خوشخبری سن لو کہ اس کا انجام بہت بہتر ہے۔ اس لیے کہ اس جہان میں آنے کے بعد میں نے توکل کے علاوہ کسی اور صفت کو نہیں دیکھا جو انسان کے درجات کو اتنا بلند کر دے۔

توکل کی حقیقت، مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم ص ۵) (وفی الزہد والرقائق لابن المبارک، باب ما جاء فی التوکل، ۱/ ۱۴۳و۔ مصنف ابن ابی شیبۃ، کلام سلمان ؓ، ۷/ ۱۲۰

زندگی کے نشیب و فراز اور مکافاتِ عمل

فارس کے ایک بادشاہ نے اپنے حکماء میں سے کسی کو قید میں ڈال دیا تو اس نے ایک رقعہ لکھ کر بھیجا۔ جس میں یہ تحریر تھا کہ: ''میرے اوپر جو گھڑی بھی گزرے گی وہ مجھے نجات سے اور تمہیں مصیبت سے قریب کردے گی۔ میں آزادی کا منتظر ہوں تم آفت کا انتظار کرو۔''

اُندلس کے سلطان ابن عباد پر مُصیبت ٹوٹی۔ وہ عیش وعشرت میں پڑا رہتا تھا۔ صراطِ مستقیم سے دور سارا وقت لونڈی غلاموں سے خرمستی، باجے گاجے، دف اور طنبور، شعرو شاعری اور سماع میں گزارتا۔ موقع سے فائدہ اُٹھا کر اندلس کے نصرانیوں نے تباہی شروع کردی۔ مجبور ہو کر اس نے افریقہ کے ابن تاشفین سے مدد مانگی۔ چنانچہ وہ سمندر پار کر کے آیا اور ابن عباد کی مدد کی۔ ابن عباد نے اس کی میزبانی کی۔ باغات، محلات اور مکانات میں اس کا اعزاز و اکرام کیا۔ ابن تاشفین شیر کی طرح شہر کے اندر باہر کا جائزہ لیتا رہا اور تین دن کے بعد اس کی فوجیں اس کمزور سلطنت پر ٹوٹ پڑیں۔ ابن عباد قید کرلیا گیا اس کی بادشاہت ختم ہوگئی۔ باغات و محلات سب ویران ہوگئے۔ افریقہ کے شہر اغمات میں ابن عباد کو رکھا گیا۔ ابن تاشفین نے اُندلس کی زمامِ اقتدار بھی اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اس کا دعویٰ تھا کہ اہل اندلس نے خود ہی ان کو بلایا تھا اور وہ اس کی حکومت چاہتے تھے۔

دن گزرتے رہے ایک دن ابن عباد کی بھوکی بیٹیاں ننگے پاؤں، چیتھڑے پہنے دھول میں روتی باپ سے ملنے آئیں۔ اس حال میں انہیں دیکھ کر ابن عباد بھی رو پڑا۔ عید کا موقع تھا اس نے یہ دردانگیز شعر کہے جن کا ترجمہ یہ ہے:

ابن عباد ماضی میں تم بھی عید کی خوشیاں منایا کرتے تھے۔ اب اُغمات کی عید نے

تمہیں رنجیدہ کر دیا جہاں تم قید کی حالت میں ہو۔ تم اپنی بیٹیوں کو پھٹے پرانے کپڑوں میں دیکھ رہے ہو وہ بھوکی ہیں۔ ان کے پاس دمڑی بھی نہیں۔ وہ لوگوں کا چرخہ کاتتی ہیں، وہ تمہیں سلام کرنے آئیں کھلے سر اور نگاہیں جھکی ہوئی وہ ننگے پاؤں چلتی ہیں۔ گویا کہ وہ کبھی مشک وکافور پر چلی ہی نہیں۔

پھر ابن اللبانہ شاعر، ابن عباد کے پاس آیا تو اس نے اس سے کہا:

امن وسلامتی کی خوشبوئیں سونگھو! میں تمہیں اسی فضا میں مشک ملی شراب پلایا کرتا تھا۔ تم چونکہ نعمتوں والے تھے اس لیے حقیقت میں نہ سہی مجازا ہی اپنے آپ کو نعمت والے سمجھو۔ زندگی تمہیں روتی ہے، خوشبو چاک گریبان ماتم کر رہی ہے اور بجلی کڑک کر تمہارا نام لیتی ہے۔ [یہ ایک اچھوتا قصیدہ ہے جسے الذہبی نے نقل کیا ہے اور اس کی تعریف کی ہے۔]

غم نہ کریں، ڈاکٹر عائض القرنی، ص ۲۹۲، مترجم ظریف شہباز ندوی

حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرتے ہیں

فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ طواف میں مشغول تھے۔فضالہ ابن عمیر ملوح اس قصد سے طواف میں داخل ہوئے کہ اچانک رسولِ دو عالم ﷺ پر حملہ کر کے آپ ﷺ کو شہید کر دیں۔آنحضرت ﷺ کو ان کے دلی خیال کا انکشاف ہوگیا۔جب طواف کرتے ہوئے فضالہ، آپ ﷺ کے قریب آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا تمہارا نام فضالہ ہے؟ کہا جی میرا ہی نام فضالہ ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا تم دل میں کیا سوچ رہے ہو؟ فضالہ نے بات ٹالنے کے لیے کہا "کچھ نہیں...... میں تو ذکر اللہ میں مشغول تھا۔" آنحضرت ﷺ نے اپنے کریمانہ اخلاق سے ان کے راز کا افشا نہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو اور اس کے ساتھ ہی اپنا دست مبارک فضالہ کے سینے پر رکھ دیا۔فضالہ کہتے ہیں کہ واللہ آپ ﷺ نے جس وقت اپنا دست مبارک میرے سینے سے اُٹھایا تو دنیا کی کوئی چیز میرے قلب میں آپ ﷺ سے زیادہ محبوب نہ تھی۔فوراً مشرف بہ اسلام ہوئے اور وہی فضالہ جو قتل رسول ﷺ کے مجرم بننے کے لیے حرم میں داخل ہوگئے تھے اسیر حُبِّ رسول ﷺ ہو کر واپس ہوئے اور صرف اسی ایک ملاقات کا وہ گہرا رنگ لے کر جاتے ہیں کہ جاہلیت اور کفر کے تمام اخلاق و عادات ایک دم چھوٹ جاتے ہیں۔اپنے گھر واپس آئے تو یہاں ایک عورت سے ان کا تعلق تھا اس کے پاس جایا کرتے تھے، وہ مل گئی۔اس نے کچھ باتیں کرنا چاہیں اس وقت فضالہ (صبغۃ اللہ کے) گہرے رنگ میں رنگے جاچکے تھے اور قدیم پرانی محبت، تقاضائے نفسانی، سب کچھ نبی ﷺ کے قدموں پر نثار کر آئے تھے۔فوراً اس کے جواب میں اشعار پڑھے:

قَالَتْ هَلُمَّ اِلَى الْحَدِيْثَ فَقُلْتُ لَا

يَأْبٰى عَلَيْكِ اللّٰهُ وَالْاِسْلَامُ

''محبوب نے کہا آؤ بات چیت کریں۔میں نے کہا ہرگز نہیں اللہ اور اسلام اس سے منع کرتا ہے۔''(۱)

اس کے ساتھ اور اشعار بھی حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ نے کہے جو اسلام کی حقانیت کا اظہار کرتے ہیں وہ ملاحظہ فرمائیں۔(۲)

---

(۱) معارف مفتی اعظم،ص ۹۵،زمزم پبلشرز کراچی

(۲) البدایہ والنہایہ،صفۃ دخولہ مکۃ،۴/۳۵۲،احیاء التراث

سکونِ قلبی کے متعلق ایک عبرت آموز واقعہ

ایک مرتبہ احقر دعوت وتبلیغ کے کام پر عرب جماعت کے ساتھ ساؤتھ افریقہ میں وقت لگا رہا تھا۔ مغرب کے بعد اپنے ایک عرب ساتھی کی ترجمانی کے لیے احقر گشت میں ساتھ گیا اس موقعہ پر انہوں نے اپنے ایک دوست کے ساتھ امریکا میں گزرا ہوا ایک واقعہ سنایا تھا:

''ایک عرب ساتھی اپنے احباب سمیت گشت کرنے کے لیے امریکہ میں کسی پارک (Park) میں نکلا۔ ساتھیوں نے مختلف حضرات سے وہیں ملاقاتیں کیں لیکن وہ کہنے لگے کہ میں ذرا تھکا ہوا ہوں کچھ دیر یہیں بینچ (Bench) کے اوپر لیٹ کر سو جاتا ہوں۔ چنانچہ وہ لیٹ کر آرام کرنے لگا۔ دوسری جانب یہ ہوا کہ ایک انگریز عیسائی اپنے فلیٹ (Flat) سے اُس کو دیکھ رہا تھا۔ جب اُسے یہ لگا کہ یہ شخص پارک میں شور شرابے کے باوجود آرام سے سویا ہوا ہے تو وہ اُتر کر اس کے پاس پہنچا اور اُس کے بیدار ہونے پر اس سے پوچھا ''آخر اتنے شور میں اور لوگوں کی بھیڑ میں تمہیں یہاں لیٹ کر نیند کیسے آ گئی اور تم نے اُس کے لیے کون سی ٹیبلٹ (Tablet) لی ہے جس سے تمہیں اتنی آرام سے نیند آ گئی۔ کیونکہ میں اپنے شاندار ایئر کنڈیشنڈ (Air Conditioned) کمرے میں دوائی لینے کے باوجود مشکل سے سو پاتا ہوں۔

مگر وہ ایک دوسرے کی زبان نہ سمجھتے تھے۔ جب دوسرے ساتھی گشت سے واپس ہو رہے تھے تو اس ساتھی کے پاس آئے اور پھر ایک دوسرے کی ترجمانی کی اور ان کو یوں جواب دیا کہ ہم لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے ماننے والے ہیں اور اس کلمہ کا ماننے والا بالکل مطمئن اور پرسکون ہوتا ہے۔ ذہنی ٹینشن (Mental Stress) اور (Depression) کا مریض نہیں ہوتا اس لیے اُسے بغیر کوئی دوائی کھائے

جہاں چاہے نیند آ جاتی ہے۔

چنانچہ اُس انگریز کو اس وقت اس بات سے بہت حیرت ہوئی اور تعجب سے اس نے پوچھا کہ کیا میں بھی اس کو پڑھ سکتا ہوں اور سیکھ سکتا ہوں؟ تو ساتھیوں نے بتایا کہ کیوں نہیں۔ آپ ہمارے ساتھ مسجد چلیں۔ چنانچہ وہ ان کے ساتھ مسجد میں گیا۔ وہاں پر تعلیم ہو رہی تھی۔ ساتھیوں نے اُس کو وہاں بٹھا دیا۔ تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ اس کو نیند آنی شروع ہوگئی تو امیر صاحب نے کہا کہ ان کو لے جا کر آرام سے کمرے میں سلا دو۔ وہ کمرے میں لیٹ کر پانچ چھ گھنٹے آرام سے سوتا رہا۔

جب سو کے اُٹھا تو بہت خوش نہایت مطمئن تھا۔ پھر اُسے غسل کرا کر کلمہ پڑھایا یوں وہ حلقہ بگوشِ اسلام ہوگیا۔ اُسے اتنی خوشی اور اتنی فرحت و مسرت ہوئی کہ مارے خوشی کے وہ جماعت کے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ میں تم لوگوں کے لیے کتنے ڈالر کا چیک (Cheque) پیش کروں؟ تو ساتھیوں نے جواب دیا کہ ہمارا یہ کام پیسوں وغیرہ کے لیے نہیں ہے۔ بعد ازاں اس شخص نے پھر بہت سی مساجد اور مکاتب دینیہ قائم کیے اور ایک اچھا مسلمان بن گیا۔

عرفانِ محبت شرح فیضانِ محبت، شاہ حکیم محمد اختر رحمۃ اللہ علیہ ص ۹۸ خانقاہ امدادیہ اشرفیہ

دل حالتِ ایمان پر مطمئن تھا

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو ایک دن مشرکین عرب نے اس قدر پانی میں غوطے دیے کہ بالکل بدحواس ہو گئے اس حالت میں مشرکین عرب نے جو چاہا ان سے اقرار کرا لیا۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی اُن سے جان چھوٹی تو دربارِ نبوت میں حاضر ہوئے۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: عمار! کیا خبر ہے؟ عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نہایت بری خبر ہے۔ آج میری جان اُس وقت تک نہ چھوٹی جب تک کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ناحق الفاظ اور اُن کے معبودانِ باطلہ کے حق میں اچھے الفاظ استعمال نہ کیے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمار! تمہارے دل کی کیا کیفیت تھی؟ عرض کی دل تو اس وقت بھی حالتِ ایمان پر مطمئن تھا اور اب بھی ہے۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت شفقت کے ساتھ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے پونچھے اور فرمایا کچھ مضائقہ نہیں! اگر یہ پھر بھی ایسا ہی کریں تو تم بھی ایسا ہی کر لینا۔ اس کے بعد قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی جس کا ترجمہ ہے:

"جو شخص ایمان لانے کے بعد خدا کا انکار کرے اس حالت میں کہ وہ مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل حالتِ ایمان پر مطمئن ہو تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔" (سورہ نحل: ۱۰۶)

الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ۳/ ۱۸۹، دار الکتب العلمیہ بیروت

قرآن و سنت پہلے، قیاس بعد میں!

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے اول زمانہ اجتہاد میں مشہور ہوئے اور جب حج کے لیے مکہ مکرمہ آئے تو امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کی آپ سے ملاقات ہوئی تو امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ نے امام صاحب سے پوچھا:

اَنْتَ الَّذِیْ حَوَّلْتَ دِیْنَ جَدِّیْ وَاَحَادِیْثَہٗ بِالْقِیَاسِ

آپ وہی ہیں جنہوں نے میرے نانا (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین کو اور ان کی احادیثِ مبارکہ کو قیاس سے بدل دیا ہے؟ آپ نے فرمایا: معاذ اللہ! میں تو ایسے عمل سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ امام صاحب نے فرمایا آپ پہلے تشریف رکھیں تاکہ میں بھی بیٹھ جاؤں۔ اس لیے کہ آپ کی قدر میرے نزدیک وہی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں تھی ان کی زندگی میں۔

اس کے بعد امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھ گئے۔ اور فرمایا کہ میں آپ سے صرف تین سوالات کرتا ہوں آپ مجھے ان کا جواب دیجیے:

اَلرَّجُلُ اَضْعَفُ اَمِ الْمَرْاَۃِ

''مرد زیادہ کمزور ہے یا عورت؟''

امام باقر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عورت کمزور ہے پھر امام صاحب نے پوچھا:

کَمْ سَھْمُ لِلْمَرْاَۃِ

''(ترکہ میں) عورت کے لیے مال کا کتنا حصہ ہے؟''

محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

لِلرَّجُلِ سَھْمَانِ وَلِلْمَرْاَۃِ سَھْمٌ

''مرد کے لیے دو حصے ہیں اور عورت کے لیے ایک حصہ ہے''

امام صاحب نے فرمایا کہ یہ آپ کے نانا (حضرت محمد ﷺ) کا قول ہے۔ اگر میں نے آپ کے نانا کے دین کو بدلا ہوتا تو میں قیاس کے ذریعے کہتا کہ عورت کو دو حصے مل جائیں اس لیے کہ وہ کمزور ہے اور مرد کو ایک حصہ مل جائے اس لیے کہ وہ بہ نسبت عورت کے قوی ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے: اَلصَّلٰوۃُ اَفْضَلُ اَمِ الصَّوْمِ

نماز افضل ہے یا روزہ؟

محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اَلصَّلٰوۃُ اَفْضَلُ نماز افضل ہے۔

امام صاحب نے فرمایا یہ آپ کے دادا کا فرمان ہے کہ......

حائضہ عورت روزے کی قضا کرے گی نماز کی قضا نہیں ہوگی۔

وَلَوْ حَوَّلْتُ دِیْنَ جَدِّكَ لَكَانَ الْقِیَاسُ اَنَّ الْمَرْأَةَ اِذَا طَهُرَتْ مِنَ الْحَیْضِ اَمَرْتُهَا اَنْ تَقْضِیَ الصَّلٰوۃَ وَلَا تَقْضِیَ الصَّوْمَ

اگر میں نے آپ کے دادا کے دین کو بدلا ہوتا تو اپنے قیاس کے مطابق یہ حکم دیتا کہ عورت جب حیض سے پاک ہو جائے تو نماز کی قضا کرے، روزے کی قضا نہ کرے اس لیے کہ نماز افضل ہے۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ بول (پیشاب) زیادہ نجس ہے یا نطفہ (منی)؟

محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ بول زیادہ نجس ہے۔

تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

فَلَوْ كُنْتُ حَوَّلْتُ دِیْنَ جَدِّكَ بِالْقِیَاسِ لَكُنْتُ اَمَرْتُ اَنْ یَّغْتَسِلَ مِنَ الْبَوْلِ وَیَتَوَضَّأُ مِنَ النُّطْفَةِ

اگر میں نے آپ کے دادا کے دین کو بدلا ہوتا میں حکم دیتا کہ پیشاب (چونکہ زیادہ نجس ہے اس لیے اس) کے نکلنے سے غسل کیا جائے اور نطفہ (چونکہ اس سے زیادہ

نجس نہیں ہے اس لیے اس) کے خروج سے وضو کیا جائے۔

وَلٰكِنْ مَعَاذَ اللهِ اَنْ اُحَوِّلَ دِيْنَ جَدِّكَ بِالْقِيَاسِ

میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ آپ کے دادا کے دین کو قیاس سے بدلوں۔

جب یہ مکالمہ ہو چکا......

فَقَامَ مُحَمَّدٌ فَعَانَقَهٗ وَقَبَّلَ وَجْهَهٗ وَاَكْرَمَهٗ

تو امام باقر اُٹھے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے معانقہ کیا، ان کی پیشانی کا بوسہ لیا اور ان کی عزت وتکریم کی۔

اس واقعہ کو غور سے دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ قرآن وسنت کے خلاف، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کبھی اپنی رائے کو مقدم نہیں کیا۔ ہاں بعض مسائل جو قرآن وحدیث میں صراحتاً موجود نہ ہوتے تو اس میں اپنی رائے واجتہاد سے کام لیتے تھے جو مامور من جانب الشرع ہے۔

اجتہاد اور مذہب حنفی کی حقیقت، مفتی علی الرحمن فاروقی ص ۶۷ ادارۃ العلوم والارشاد کراچی

دعا کی...... اے اللہ مجھے اُٹھا لے!

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو جب اپنے اُستادِ محترم امام محمد بن یحییٰ الذہلی رحمۃ اللہ علیہ سے بعض مسائل میں اختلاف پیدا ہوا تو حاکمِ بخارا اور بعض اہلِ وطن کی گہری سازش سے ان کو ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا گیا اور سمرقند سے دو فرسخ کی مسافت پر ایک چھوٹے سے گاؤں خرتنگ میں حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فروکش ہوئے۔ کیونکہ ان کے کچھ رشتہ دار وہاں رہتے تھے۔

امام عبدالقدوس بن عبدالجبار السمرقندی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ

فسمعته ليلة من الليالي وقد فرغ من صلوٰة اللّيل...... الخ

''میں نے ان کو ایک رات تہجد کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد دعا کرتے سنا کہ اے اللہ زمین باوجود کشادہ ہونے کے مجھ پر تنگ ہوگئی ہے۔ سو تو مجھے اپنی طرف اُٹھا لے۔ اس کے بعد ایک ماہ بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اُٹھا لیا اور ان کی وفات ہوگئی اور ان کی قبر وہیں موضع خرتنگ میں ہے۔''

تاریخ بغداد، ج ۲ ص ۳۴ و طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۱۴ طبع مصر

مکہ کا جگر گوشہ دربارِ نبوت میں

ایک دن رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے بھائی سیدنا ولید بن ولید رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''خالد پر اسلام کی سچائی ظاہر ہو چکی ہے پھر وہ اسلام کیوں نہیں لاتا؟''

آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سن کر حضرت ولید رضی اللہ عنہ نے بھائی کے نام درج ذیل خط لکھ کر ارسال فرمایا: ''میرے بھائی!

آج آنحضرت ﷺ نے تمہیں خود یاد کیا ہے۔ فرماتے تھے خالد پر اسلام کی حقانیت تو ظاہر ہو چکی ہے وہ اسلام کیوں نہیں لاتا؟ سنو بھائی! تمہارے لیے یہی مناسب ہے کہ جلد آ کر دولتِ اسلام حاصل کر لو اور اس میں ایک لمحہ کی تاخیر نہ کرو۔''(۱)

حضرت خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بھائی ولید رضی اللہ عنہ کا خط دیکھتے ہی میری یہ حالت ہو گئی کہ بے اختیار میری زبان سے کلمہ توحید جاری ہو گیا اور جی چاہا کہ پَر لگا کر اُڑ جاؤں اور حضرت محمد ﷺ کے پاس پہنچ جاؤں اور اپنا تن من دھن سب کچھ آپ ﷺ پر نثار کر دوں۔ چنانچہ جلد ہی حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید نے مکہ سے مدینہ کا سفر کیا۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ اپنا ایمان لانے کا واقعہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''میں نے مدینہ پہنچتے ہی سفر کے کپڑے اُتار کر عمدہ پوشاک زیب تن کی اور حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضری کا ارادہ کیا۔ میرے پاس میرے بھائی ولید رضی اللہ عنہ آ گئے۔ انہوں نے کہا کئی روز سے مدینہ منورہ کے لوگ آپ کا انتظار کر رہے تھے۔ آنحضرت ﷺ فرما چکے ہیں۔ بہت جلد مکہ کے کئی بہادر ہماری طرف آ جائیں گے۔ اس سے لوگوں میں آپ کا بہت اشتیاق ہے۔ آنحضرت ﷺ بہت انتظار میں ہیں جلدی کرو۔ اس فقرے نے میرے تن بدن میں بجلی پیدا کر دی۔ بس پھر کیا تھا میں جونہی

تاجدارِ رسالت ﷺ کے دربار میں حاضر ہوا میری حالت، فرطِ عقیدت سے غیر ہوگئی۔ میں دیدارِ رسول ﷺ کی خوشی میں دیوانہ ہوگیا اور پروانہ وار آپ ﷺ کے قدموں میں نثار ہو گیا۔

جس وقت حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کلمہ توحید پڑھا تو رسول اللہ ﷺ نے مسکرا کر درج ذیل الفاظ فرمائے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَاکَ اِلَی الْاِسْلَامِ

تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے آپ کو اسلام کی طرف راغب کیا۔

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ! کیا میرے گناہ بھی معاف کر دیے جائیں گے کیونکہ میں نے اسلام کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ آپ نے فرمایا تمہارا اسلام لانا ہی تمام غلطیوں کی معافی ہے۔

(حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے والد کا نام ولید بن مغیرہ تھا اور آپ کے بڑے بھائی کا نام ولید بن ولید تھا۔ والد، اسلام نہ لائے تھے جبکہ بھائی مشرف بہ اسلام ہوئے۔)(۲)

---

(۱) خالد رضی اللہ عنہ بن ولید از سید امیر احمد صفحہ ۱۸

(۲) سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، مولانا ضیاء الرحمن فاروقی شہید رحمۃ اللہ علیہ ص ۶

وہ مجھ سے زیادہ سمجھدار نکلے!

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو میں نے ایک انصاری آدمی سے کہا آج صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑی تعداد میں موجود ہیں آؤ ان سے پوچھ پوچھ کر قرآن و حدیث سیکھیں اور اپنے پاس جمع کر لیں۔ انہوں نے کہا اے ابن عباس! بڑے تعجب کی بات ہے کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنے صحابہ کے ہوتے ہوئے بھی لوگوں کو آپ کی اور میری ضرورت پڑے گی؟ انہوں نے میری بات نہ مانی اور اس کے لیے تیار نہ ہوئے تو میں نے انہیں چھوڑ دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے دین کی پوری آگاہی حاصل کرنے لگا۔ بسا اوقات مجھے پتہ چلتا کہ فلاں صحابی فلاں حدیث بیان کرتے ہیں تو میں ان کے دروازے پر جاتا۔ وہ دوپہر کو آرام کر رہے ہوتے۔ میں ان کے دروازے پر چادر پر ٹیک لگا کر بیٹھ جاتا اور ہوا کی وجہ سے مٹی مجھ پر پڑتی رہتی۔ وہ صحابی اپنے معمول کے مطابق جب باہر آتے تو دروازے پر مجھے دیکھتے اور کہتے ارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی! کیسے آنا ہوا؟ آپ خود کیوں آئے؟ آپ کسی کو میرے پاس پیغام دے کر بھیج دیتے۔ میں آپ کے پاس آجاتا۔

میں کہتا نہیں (مجھے آپ سے علم حاصل کرنا ہے اس لیے) میرا حق بنتا ہے کہ میں آپ کی خدمت میں آؤں۔ پھر میں ان سے اس حدیث کے بارے میں پوچھتا۔ (اس طرح میں نے تفسیر اور احادیث کا بڑا ذخیرہ جمع کر لیا جنہیں حاصل کرنے کے لیے بعد ازاں لوگ میرے پاس آنے لگے) وہ انصاری بہت عرصہ تک زندہ رہے اور جب انہوں نے دیکھا کہ لوگ میرے ارد گرد جمع ہوتے ہیں اور مجھ سے قرآن و حدیث کے بارے میں پوچھتے ہیں تو انہوں نے بڑی حسرت سے کہا یہ نوجوان مجھ سے زیادہ سمجھدار نکلا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے سو قصے، مولانا محمد اویس سرور، ص ۵۶، بیت العلوم لاہور

میں یہ سن کر کانپ اُٹھا!

حضرت عمرو بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اپنی خالہ اروی بنت عبدالمطلب کے پاس ان کی بیمار پرسی کے لیے گیا۔ کچھ دیر بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے آئے میں آپ کو غور سے دیکھنے لگا۔ آپ کی نبوت کا تھوڑا بہت تذکرہ ان دنوں ہو چکا تھا۔ آپ نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا اے عثمان! تمہیں کیا ہوا (مجھے غور سے دیکھ رہے ہو؟) میں نے کہا کہ میں اس بات پر حیران ہوں کہ آپ کا ہم میں بڑا مرتبہ ہے اور پھر آپ کے بارے میں لوگوں میں ایسی ایسی باتیں کہی جا رہی ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا: لا الہ الا اللہ۔ اللہ دیکھ رہا ہے۔ میں یہ سن کر کانپ گیا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ. فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ أَنَّكُمْ تَنطِقُونَ (الذاریات: ۲۲-۲۳)

''اور تمہاری روزی آسمان میں ہے اور وہ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ پس قسم ہے آسمان اور زمین کے رب کی یہ بات حقیقت ہے جیسے کہ تم بولتے ہو۔''

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور باہر تشریف لے گئے۔ میں بھی آپ کے پیچھے چل دیا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان کی دولت سے مالا مال ہو گیا۔

حیاۃ الصحابہ ج ۱ ص ۸۵ بحوالہ استیعاب ج ۴ ص ۲۲۵

اگر تو کہے تو میں دس آدمی لے آؤں؟

جس وقت بادشاہ ارسطولیس نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی یہ گفتگو سنی تو کہنے لگا عربی بھائی! بات دراصل یہ ہے کہ بادشاہ مقوقس کی صلاح لیے بغیر ہم اپنی رائے سے کوئی کام نہیں کرتے۔ رمضان شریف کے مہینہ میں چونکہ وہ خلوت میں رہتا ہے اس لیے اب اس سے کچھ دریافت نہیں کر سکتے۔ البتہ رمضان شریف کے گزرنے کے بعد جس وقت بادشاہ خلوت کدہ سے باہر آئے گا تو اس وقت اس کی رائے پر عمل کیا جائے گا۔ ہاں عربی بھائی! تم سا ہوشیار، قوی دل اور مستقل مزاج آدمی میری رائے میں تو تمہاری فوج میں اور کوئی شخص نہیں معلوم ہوتا۔ آپ نے فرمایا میں تو بہ نسبت اپنے دوسرے دوستوں کے گونگا ہوں کہ گویا مجھے کچھ بولنا ہی نہیں آتا۔ اگر تو ان میں سے کسی کے ساتھ بھی گفتگو کرلے تو پھر تجھے معلوم ہو جائے کہ میں تو ان کے مقابلہ میں پاسنگ بھی نہیں ہوں۔ بادشاہ نے کہا کہ یہ تو خلافِ قیاس اور محال معلوم ہوتا ہے۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بادشاہ! اگر تجھے میری بات کا یقین نہیں ہے تو میں ان میں سے دس آدمیوں کو تیرے پاس بلا دوں تاکہ تجھے میری بات کی تصدیق ہو جائے۔ اس نے کہا بہت بہتر۔ پھر قبطی زبان میں اپنے وزیر سے کہنے لگا اگر ہمیں اس کا گرفتار ہی کرنا منظور ہے تو کیوں نہ دس آدمیوں کو بلا کر دس کے دس کو گرفتار کرلیا جائے۔ ایک کی بجائے دس آدمیوں کا گرفتار کرنا بہر حال بہتر ہے۔ دروانؔ نے اس کی یہ گفتگو سنی پھر آپ کی طرف متوجہ ہو کے کہنے لگا اچھا آپ کسی آدمی کو بھیج کر انہیں بلائیے۔ آپ نے فرمایا اے بادشاہ! وہ کسی قاصد کے بلانے سے قطعاً نہیں آسکتے۔ اگر آپ کو ان کا بلانا ہی منظور ہے تو میں انہیں خود بلا لاؤں گا۔ بادشاہ نے کہا اچھا بلا لائیے۔ آپ یہ سنتے ہی جست مار کے فوراً کھڑے ہو گئے۔ جلدی جلدی باہر آئے۔ آپ کو چونکہ اپنے بچ نکلنے کی بالکل

اُمید نہ تھی باہر آتے ہی بلا توقف گھوڑے پر سوار ہوئے دروانؔ کو ساتھ لیا اور چل پڑے اور بہت جلد مصر سے باہر نکل آئے۔

کہتے ہیں کہ جس وقت آپ بادشاہ کے پاس سے اُٹھ کر تشریف لے آئے تو بادشاہ نے اپنے وزیر سے کہا مجھے اپنے مذہب و ملت کی قسم اگر یہ شخص انہیں یہاں لے آیا تو میں سب کو قتل کرا دوں گا۔

جب آپ مصر سے باہر نکل آئے تو آپ کے غلام دروانؔ نے وزیر کا وہ مشورہ جو قبطی زبان میں اس نے آپ کی گرفتاری کے متعلق بادشاہ کو دیا تھا آپ سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم میں کبھی ایسی جگہ واپس نہیں آ سکتا اور اللہ کی قسم! اے دروانؔ! چونکہ تو نے میرے ساتھ نیکی کی ہے اس لیے میں تجھے اس نیکی کا بدلہ نیکی ہی سے دوں گا۔ یہ کہتے کہتے آپ اپنے لشکر کے قریب پہنچ گئے۔ مسلمانوں نے جب آپ کو تشریف لاتے دیکھا تو آپ کے استقبال اور پیش قدمی کے لیے دوڑے۔

سلام کیا بخیر و عافیت واپس آنے پر مبارک باد دی اور کہا ایہا الامیر! آپ کو چونکہ دیر ہو گئی تھی اس لیے سو طرف گمان جانے لگے تھے۔ آپ نے شروع سے آخر تک تمام قصہ ان کے سامنے بیان کیا۔ بادشاہ کا انہیں گرفتار کرنے کا ارادہ، دروان کا متنبہ کرنا اور یہ کہ اگر وہ دس آدمیوں کو لے کر آنے کی ضمانت نہ کرتے تو ان کا آنا نہایت دشوار تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ سن کر تعجب کیا اور آپ کی سلامتی اور قبطیوں کے ہاتھ سے نجات پانے پر جناب باری میں سجدہ شکر بجا لائے۔

جنگ کی تیاری اور شاہی قاصد کو جواب:

سپیدۂ صبح نے افق مشرق سے سر نکالا اور نور کا تڑکا ہوا تو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو لے کر جناب باری میں دست بستہ کھڑے ہوئے۔ اس کبریا اور متکبر ہستی کے

سامنے اپنے عجز و بندگی کا اظہار کیا۔ نماز سے فارغ ہوئے اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ ساز و سامان اور اسلحہ سے مسلح ہو کر جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔ اچانک خندق کے کنارے پر ارسطولیس کا ایک ایلچی کھڑا دکھائی دیا جو کہہ رہا تھا......

یا مَعشر العرب! والیٔ مصر ارسطولیس تمہارے اُس قاصد اور اس کے دس ساتھیوں کا منتظر ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع کی گئی۔ آپ اس کے پاس تشریف لائے اور فرمایا اے شخص! غدر اور فریب واقعی اپنے فاعل کو ہلاک کر ڈالتے ہیں اور باغی پر ہمیشہ ہزیمت کے دائرے گھومتے رہتے ہیں۔ نہایت افسوس کی بات ہے کہ اول تو تمہارے بادشاہ نے ہمارے قاصد کو بلایا۔ پھر اس کے گرفتار کر لینے کا ارادہ کیا اور چپکے چپکے مشورے کرتا رہا۔ بد بخت! اگر ہم اس وقت تجھے پکڑ کے قتل کر دیں تو تجھے کون بچا سکتا ہے؟ مگر نہیں! ہم باوفا لوگ ہیں۔ وعدہ کر کے کبھی اس کے خلاف نہیں کرتے اس لیے ہم کبھی ایسا نہ کریں گے۔ اپنے بادشاہ کے پاس لوٹ جا اور اس سے کہہ دے کہ اس نے تیری وہ تمام گفتگو جو تو نے اپنے وزیر سے میرے گرفتار کرنے کے متعلق کی تھی سن لی ہے۔ اور باری تعالیٰ جل مجدہٗ نے مجھے تیرے مکر سے بچا لیا ہے اب میں کبھی تیرے پاس نہیں آؤں گا۔

کہتے ہیں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا اس قصہ کے بعد یہ معمول ہو گیا تھا کہ آپ کو جب کسی کام میں قسم کھانے کی ضرورت ہوتی تھی تو آپ اس طرح قسم کھاتے تھے کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے مجھے اس روز قبطیوں کے بادشاہ سے نجات بخشی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فتوحات، ص ۸۴ تا ۸۶، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کا سفرِ ہجرت

حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تمہاری ہجرت کا مقام دکھایا گیا ہے۔ وہ مقام دو پتھریلے میدانوں کے درمیان ایک شوریلی زمین ہے اور وہ جگہ ہجر ہے یا یثرب ہے۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے گئے اور آپ کے ساتھ حضرت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ میرا ارادہ بھی آپ کے ساتھ جانے کا تھا لیکن مجھے قریش کے چند نوجوانوں نے روک لیا۔ میں اس رات کھڑا رہا، بالکل نہیں بیٹھا (وہ لوگ پہرہ دے رہے تھے، مجھے کھڑا دیکھ کر) کہنے لگے اللہ تعالیٰ نے اسے پیٹ کی بیماری میں مبتلا کر کے تمہیں بے فکر دیا ہے (اب یہ کہیں نہیں جا سکتا لہٰذا اب پہرہ دینے کی ضرورت نہیں ہے) حالانکہ مجھے کوئی تکلیف نہیں تھی۔ چنانچہ وہ سب سو گئے تو میں وہاں سے نکل پڑا۔ ابھی میں چلا ہی تھا کہ ان میں سے کچھ لوگ مجھ تک پہنچ گئے۔ یہ لوگ مجھے واپس لے جانا چاہتے تھے۔ میں نے ان سے کہا میں تمہیں چند اُوقیہ سونا دے دیتا ہوں۔ (ایک اُوقیہ بقدر چالیس درہم) وہ لے لو اور میرا راستہ چھوڑ دو، مجھے یہاں سے جانے دو۔ چنانچہ میں ان کے پیچھے چلتا ہوا مکہ پہنچا۔ میں نے ان سے کہا کہ دروازے کی دہلیز کے نیچے کھودو۔ وہاں وہ سونا رکھا ہوا ہے اور فلاں عورت کے پاس جاؤ اور اس سے میرے دو جوڑے بھی لے لو۔ انہوں نے وہ سب کچھ مجھ سے لے لیا اور مجھے جانے دیا۔

میں وہاں سے روانہ ہو کر چند روز کا سفر طے کر کے قبا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ابھی آپ قبا سے مدینہ منورہ میں منتقل نہیں ہوئے تھے جب آپ نے مجھے دیکھا تو فرمایا: اے ابو یحییٰ! (تم نے) اس تجارت میں نفع کمایا (کہ سونا اور کپڑے دے کر ایمان بچا لیا اور ہجرت کی سعادت حاصل کر لی۔) میں نے عرض کیا مجھ سے پہلے تو آپ کے پاس کوئی آیا نہیں لہٰذا حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ہی آپ کو اس واقعہ کی خبر دی ہے۔

رواہ البیہقی وکذا فی البدایہ، ۳/ ۱۷۳، ابو نعیم فی الحلیۃ، ۱/ ۱۵۲

انہوں نے آپ ﷺ کی یادگاروں کو محفوظ کرلیا

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح صحابیات رضی اللہ عنہن بھی رسول اللہ ﷺ کی یادگاروں کو جان سے زیادہ عزیز رکھتی تھیں کیونکہ یہ انوکھا سرمایہ، محبتِ رسول ﷺ کو ہمیشہ مہمیز دیتا ہے۔

❁......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آپ ﷺ کا جبہ محفوظ تھا۔ جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اس کو لے کر محفوظ رکھ لیا۔ چنانچہ جب کوئی شخص ان کے خاندان میں بیمار ہوتا تھا تو شفا حاصل کرنے کے لیے جبہ کو دھو کر اس کا پانی بیمار کو پلاتی تھیں۔ (۱)

❁......جن کپڑوں میں رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو محفوظ کر رکھ لیا۔ چنانچہ ایک دن انہوں نے ایک صحابی کو ایک یمنی تہ بند اور ایک کمبل دکھا کر کہا کہ خدا کی قسم آپ ﷺ نے ان ہی کپڑوں میں داعی اجل کو لبیک کہا تھا۔ (۲)

❁......ایک بار ایک صحابیہ نے آپ ﷺ کی دعوت کی۔ آپ نے کھانے کے بعد جس مشکیزہ سے پانی پیا، انہوں نے اس کو محفوظ رکھ لیا۔ جب کوئی شخص بیمار ہوتا یا برکت حاصل کرنے کے لئے آتا تو وہ اس سے پانی پیتی اور پلاتی تھیں۔ (۳)

❁......اللہ کے پیارے حبیب اور لاڈلے پیغمبر، حضرت محمد ﷺ جب حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لاتے تھے تو ان کی والدہ آپ کے پسینے کو نچوڑ کر ایک شیشی میں بھر لیتی تھیں اور اس کو محفوظ رکھ لیتی تھیں۔ (بخاری کتاب الاستیذان باب من زار قوما فقال عندھم)

❁......غزوہ خیبر میں رسولِ اطہر ﷺ نے ایک صحابیہ بچی کو اپنے دستِ مبارک سے ایک ہار پہنایا تھا۔ وہ اس کی اتنی قدر کرتی تھیں کہ عمر بھر اس کو گلے سے جدا نہیں کیا اور جب انتقال کرنے لگیں تو وصیت کی کہ ان کے ساتھ ہی وہ بھی دفن کر دیا جائے تاکہ میں محشر میں آپ ﷺ کو ہار دکھا کر اپنی شناخت کرا سکوں۔ (۴)

❁......ایک دن آپ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے مکان پر تشریف لائے۔ گھر میں ایک مشکیزہ

لٹک رہا تھا۔آپ نے اس کے دہانے سے اپنا منہ لگا کر پانی پیا۔حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے مشکیزے کے دہانے کو کاٹ کر اپنے پاس بطور یادگار رکھ لیا۔ (۵)

❁......آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت شفا بنت عبد اللہ رضی اللہ عنہا کے یہاں کبھی کبھی قیلولہ فرماتے تھے۔اس غرض سے انہوں نے آپ کے لیے ایک بستر اور ایک خاص تہ بند بنوا لیا تھا۔جس کو پہن کر آپ استراحت فرماتے تھے۔یہ یادگاریں ایک مدت تک ان کے خاندان میں محفوظ رہیں۔ (۶)

❁......عبد الرحمٰن بن ابی عمرہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی دادی جان جنہیں کبشہ رضی اللہ عنہا کے نام سے یاد کیا جاتا تھا،سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر میں تشریف لائے۔گھر میں ایک مشکیزہ لٹک رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منہ لگا کر پانی پیا۔وہ اٹھیں اور مشکیزے کا منہ (جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہونٹ اور لعاب مبارک لگا تھا) کاٹ کر محبت سے یہ سوغات اپنے پاس رکھ لی۔ (۷)

---

(۱) مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۳۴۸
(۲) ابوداؤد کتاب اللباس باب فی لبس الصوف والشعر
(۳) سیر الصحابہ، جلد ۶ حصہ ۱۱، اسوہ صحابیات، ص ۱۷۹ بحوالہ طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت اُم نیاز
(۴) مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۳۸۰
(۵) ابوداؤد کتاب اللباس باب فی لبس الصوف والشعر
(۶) طبقات ابن سعد، ۸ / ۳۱۵
(۷) صحیح ابن حبان، کتاب الاشربۃ، باب آداب الشرب

غزوۂ موتہ میں صحابہ کی جان نثاری

غزوۂ موتہ ۸ ھ میں پیش آیا۔اس کا پس منظر یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ نے ایک صحابی حضرت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کو بصریٰ (شام) کے بادشاہ کے پاس دعوتِ اسلام کے لیے ایک مکتوبِ گرامی دے کر بھیجا تھا۔ابھی وہ بصریٰ پہنچے بھی نہ تھے کہ راستے میں شرحبیل بن عمرو غسانی نے انہیں گرفتار کر کے بصریٰ کے حاکم کے پاس پیش کر دیا اور اس نے آپ کو قتل کر دیا۔

آنحضرت ﷺ کے سفیر، جنہیں شاہانِ مملکت کی جانب دعوتِ اسلام دینے کے لئے مکتوبِ گرامی دے کر بھیجا گیا ان سے حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ وہ تنہا ایلچی ہیں جنہیں اس طرح شہید کیا گیا۔

آنحضرت ﷺ کو جب اس حادثے کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ کو شدید صدمہ ہوا۔ ایلچی کو قتل کرنا اس دور میں بھی بین الاقوامی قوانین اور رسم و رواج کے مطابق بدترین بدعہدی اور انسانیت سے گری ہوئی حرکت تھی اور یہ انتہائی پست قسم کا اعلانِ جنگ بھی سمجھا جاتا تھا۔اگرچہ اس وقت مسلمان طرح طرح کے مسائل میں گھرے ہوئے تھے۔مکہ مکرمہ ابھی فتح نہیں ہوا تھا اور ایسے میں شام اور روم کی طاقت سے ٹکر لے کر ایک نیا خطرناک محاذ کھولنا آسان نہ تھا لیکن ایک صحابی اور وہ بھی ایلچی کو اس طرح بلاوجہ شہید کر دینا ایسی بات نہ تھی جس پر آنحضرت ﷺ خاموش ہو کر بیٹھ جاتے۔

آپ نے اس موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے انہیں اس حادثے کی خبر دی اور ساتھ ہی ایک لشکر ترتیب دیا جس کی سربراہی اپنے متبنٰی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو سونپی اور فرمایا کہ اگر زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ شہید ہو جائیں تو (آپ ﷺ کے چچازاد بھائی) حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا جائے۔اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو حضرت

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو امیر لشکر قرار دیا جائے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو اس وقت مسلمان باہمی مشورے سے جس کو چاہیں امیر منتخب کر لیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس طرح یکے بعد دیگرے تین امیروں کو نامزد فرمانا ایک غیر معمولی بات تھی اور اس میں بظاہر یہ اشارہ تھا کہ یہ تینوں بزرگ اس معرکے میں شہادت سے سرفراز ہوں گے۔ چنانچہ ایک یہودی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ گفتگو سن رہا تھا، اُس نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ "بنی اسرائیل میں یہ بات مشہور تھی کہ جب کوئی نبی کسی مہم پر بھیجتے وقت یکے بعد دیگرے کئی آدمیوں کے بارے میں یہ کہے کہ اگر فلاں شہید ہوگیا تو ایسا کرنا تو وہ ضرور شہید ہوتا تھا۔ لہٰذا اے زید! اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) واقعی نبی ہیں تو تم اب واپس لوٹ کر اُن کے پاس نہیں آؤ گے۔" یہودی شاید یہ سمجھتا تھا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ یہ سن کر خوفزدہ ہو گے لیکن آپ نے نہایت اطمینان سے جواب دیا۔

"تم سن لو! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے نبی ہیں۔"(۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو جھنڈا عنایت فرمایا اور تین ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مشتمل یہ لشکر اس طرح مدینہ منورہ سے روانہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفسِ نفیس اور مدینہ طیبہ کے باشندوں کا ایک بڑا مجمع اسے الوداع کہنے کے لیے ثنیۃ الوداع تک آیا۔ جب لشکر وہاں سے روانہ ہوا تو مجمع نے دعا دی:

صَحِبَكُمُ اللّٰهُ وَدَفَعَ عَنْكُمْ، وَرَدَّكُمْ صَالِحِيْنَ غَانِمِيْنَ

"اللہ تمہارا ساتھی ہو۔ اللہ تم سے بلائیں دور کرے، اللہ تمہیں صحیح سلامت اور کامیاب وکامران واپس لائے۔"

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بڑے قادر الکلام شاعر تھے۔ انہوں نے یہ فقرہ سنا تو درج ذیل اشعار پڑھے:

لکنی أسأل الرحمٰن مغفرة وضربت ذات فرغ تقذف الزبدا

أو طعنة بيدى حرّان مُجهزة　　بحربة تنفذ الأحشاء والكبدا

حتى يقال اذا مروا على جدثى　　أرشده الله من غاز وقد رشدا

''لیکن میں تو اللہ سے مغفرت مانگتا ہوں۔''

''اور تلوار کی ایسی ضرب کا طالب ہوں''

''جو پھیلتی چلی جائے اور خون کی جھاگ اُبال کر رکھ دے۔''

''یا پھر کسی حرانی شخص کے ہاتھوں نیزے کے کاری وار ملے۔''

''ایسا نیزا کہ جو آنتوں اور جگر کے پار ہو جائے۔''

''یہاں تک کہ جب لوگ میری قبر کے پاس سے گزریں تو کہیں''

''کہ اس غازی کو اللہ نے ہدایت دی تھی اور وہ ہدایت کی منزل پا گیا۔''(۲)

اس شان سے شوقِ شہادت کی اُمنگیں دل میں لیے ہوئے یہ قافلہ شام کی طرف روانہ ہوا۔ ذہن میں یہ تھا کہ بصریٰ کے حاکم سے مقابلہ ہوگا۔ بظاہر اس بات کا امکان نظر نہیں آتا تھا کہ روم کی وہ زبردست طاقت تین ہزار افراد کے اس انتقامی حملے کو اتنی اہمیت دے گی کہ اپنی پوری فوجی طاقت اس کے مقابلے پر لے آئے لیکن جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اُردن کے علاقے معان میں پہنچے (یہ علاقہ اب بھی اسی نام سے موجود ہے اور اردن کا ایک اہم شہر سمجھا جاتا ہے) تو پتہ چلا کہ روم کا بادشاہ ہرقل ایک لاکھ کا لشکر لے کر بذاتِ خود مآب تک پہنچ چکا ہے اور لخم، جذام، قین اور بہراء وغیرہ کے قبائل نے ایک لاکھ افراد مزید ان کی مدد کے لیے فراہم کر دیے ہیں۔ اس غیر متوقع خبر کا مطلب یہ تھا کہ تین ہزار کا مقابلہ دو لاکھ سے ہوگا۔

ظاہر ہے کہ یہ صورت حال غور سے مشورے کی متقاضی تھی۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے معان میں ایک مشاورتی اجلاس منعقد کیا۔ بہت سے حضرات نے یہ رائے دی کہ اس صورتِ حال کا چونکہ پہلے اندازہ نہیں تھا اس لیے مناسب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو

اس کی اطلاع بھجوائی جائے۔ ہوسکتا ہے کہ آپ یہ خبر سن کر کچھ کمک روانہ فرمائیں یا کوئی اور حکم دیں۔

بات بظاہر معقول تھی اور ظاہر اسباب کے تحت جنگی تدبیر کا تقاضا بھی یہی تھا چنانچہ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی رائے پر عمل کرنے کی طرف مائل ہو رہے تھے لیکن اتنے میں وہی حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور یہ ولولہ انگیز تقریر فرمائی:

''اے قوم! جس چیز سے تم اس وقت گھبرانے لگے ہو خدا کی قسم یہ وہی چیز ہے جس کی تلاش میں تم وطن سے نکلے تھے اور وہ ہے شہادت! یاد رکھو کہ ہم نے جب بھی کوئی جنگ لڑی ہے تو نہ کثرتِ تعداد کی بنیاد پر لڑی ہے اور نہ ہتھیاروں اور گھوڑوں کی بنیاد پر۔ میں بدر میں شریک تھا تو خدا کی قسم! ہمارے پاس صرف دو گھوڑے تھے۔ میں اُحد میں شامل تھا ہمارے پاس صرف ایک گھوڑا تھا۔ ہاں ہم نے جس بنیاد پر ہمیشہ جنگ لڑی ہے وہ ہے ہمارا یہ دین، جس کا اعزاز اللہ نے ہمیں عطا فرمایا ہے۔ لہٰذا میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ آگے بڑھو۔ دو سعادتوں میں سے ایک سعادت یقیناً تمہارا مقدر ہے یا تو تم دشمن پر غالب آ جاؤ گے، اس طرح اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ وعدہ پورا ہوگا جو کبھی جھوٹا نہیں ہوسکتا یا پھر تم شہید ہو کر جنت کے باغات میں اپنے بھائیوں سے جا ملو گے۔

بس پھر کیا تھا؟ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شوقِ شہادت سے سرشار ہو کر جہاد کے لیے کمر بستہ ہو گئے۔ لشکر معانؔ سے روانہ ہو کر پہلے مشارفؔ اور پھر موتہؔ میں مقیم ہوا اور پھر موتہ ہی کے اس میدان میں یہ زبردست معرکہ پیش آیا۔ دونوں لشکر مقابل ہو کر گتھ گئے۔ جنگ کے دوران حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے پرچم اُٹھا لیا۔ گھمسان کے رن میں چاروں طرف سے نیزوں اور تیروں کی بارش ہو رہی تھی۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے لیے گھوڑے پر بیٹھنا مشکل

ہوگیا۔ نتیجہ یہ کہ وہ گھوڑے سے اُتر پڑے اور پیدل دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ کسی نے وار کیا تو دایاں ہاتھ جس میں پرچم سنبھالا ہوا تھا، کٹ کر گر گیا۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ کسی نے اُس ہاتھ پر بھی وار کیا۔ اب دونوں ہاتھ کٹ گئے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو جیتے جی اس پرچم کو چھوڑنا گوارا نہ تھا۔ انہوں نے اُسے کٹے ہوئے بازوؤں میں دبا کر روکے رکھنے کی کوشش کی لیکن تیسرے وار نے انہیں اپنی منزل پر پہنچا دیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ بعد میں ان کی نعش مبارک دیکھی گئی تو ان کے جسم پر نیزے اور تلواروں کے پچاس زخم شمار کیے گئے جن میں سے کوئی ان کی پشت پر نہیں تھا۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ (۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان فرمودہ ترتیب کے مطابق اب حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی باری تھی، انہوں نے علم اُٹھایا اور دشمن کی طرف بڑھنے لگے۔ نہ جانے کب سے کوئی غذا پیٹ میں نہیں گئی تھی۔ اس لیے چہرے پر شاید بھوک کی نقاہت کے آثار نمایاں ہوں گے۔ ان کے ایک چچازاد بھائی نے دیکھا تو گوشت کی چند بوٹیاں کہیں سے لا کر ان کے سامنے پیش کیں کہ "اِن دِنوں میں آپ نے بہت محنت اُٹھائی ہے، یہ کھا لیجیے۔ تاکہ کم از کم اپنی پیٹھ سیدھی رکھ سکیں۔" حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے گوشت ان کے ہاتھ سے لے کر کھانا شروع ہی کیا تھا کہ ایک گوشے سے مسلمانوں پر شدید حملے کی آواز سنائی دی۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ سے خطاب کر کے فرمایا "اس حالت میں تم دنیا کے کام میں لگے ہوئے ہو؟" یہ کہہ کر گوشت چھوڑ دیا۔ تلوار اُٹھائی اور دشمن کے پروں میں جا گھسے اور وہیں پر لڑتے لڑتے جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ (۴)

ان تین بزرگوں کے بعد کسی کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز نہیں فرمایا تھا بلکہ اسے مسلمانوں کے باہمی مشورے پر چھوڑ دیا تھا۔ چنانچہ حضرت ثابت ابن اقرم رضی اللہ عنہ نے

زمین سے جھنڈا تو اٹھالیا لیکن ساتھ ہی مسلمانوں سے کہا کہ "اپنے میں سے کسی ایک کو امیر بنانے پر متفق ہو جاؤ" لوگوں نے کہا کہ "بس آپ ہی امیر بن جائیے" لیکن حضرت ثابت بن اقرم رضی اللہ عنہ اس پر راضی نہ ہوئے۔ بالآخر مسلمانوں نے اتفاق رائے سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کرلیا۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے پرچم ان کے حوالے کر دیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بے جگری سے لڑے اور اس روز ان کے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹیں بالآخر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے لشکر کو بحفاظت واپس لانے میں کامیاب ہو گئے۔

ادھر مدینہ طیبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس جنگ کے حالات سے بے خبر نہ تھے۔ ابھی شام سے کوئی ایلچی جنگ کی خبر لے کر نہیں آیا تھا کہ ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ "جھنڈا زید رضی اللہ عنہ نے اُٹھایا تھا، وہ شہید ہو گئے۔ پھر جعفر رضی اللہ عنہ نے اُٹھایا وہ بھی شہید ہو گئے۔ پھر ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اُٹھایا وہ بھی شہید ہو گئے۔ یہ فرما کر سرکار کی مبارک آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ پھر فرمایا "یہاں تک کہ جھنڈا اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار (حضرت خالد رضی اللہ عنہ) نے اُٹھایا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح عطا فرمادی۔ (۵)

---

(۱) مغازی الواقدی، ص ۷۵۶، ج ۲

(۲) سیرت ابن ہشام مع الروض الانف، ص ۲۵۶ ج ۲

(۳) صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب ۴۴، حدیث ۴۲۶۰

(۴) سیرۃ ابن ہشام ص ۲۵۸، ج ۲

(۵) جہانِ دیدہ، مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم، ص ۲۲۸ تا ۲۳۳

مدینہ سے ذلیل ترین آدمی کو نکالنے کی بات

رسول اللہ ﷺ غزوہ بنی المصطلق سے فارغ ہو کر ابھی چشمہ مریسیع پر قیام فرما ہی تھے کہ کچھ لوگ پانی لینے گئے۔ ان میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ایک مزدور بھی تھا جس کا نام جَہجَاہ غفاری رضی اللہ عنہ تھا۔ پانی پر ایک اور شخص سنان بن وَبَرَہ جُہَنی سے اس کی دھکم دھکا ہو گئی اور دونوں لڑ پڑے۔

اس دوران جہنی نے پکارا یا مَعشر الانصار (اے انصار کے لوگو! مدد کو پہنچو)

اور جہجاہ نے آواز دی یا مَعشر المہاجرین! (مہاجرین میری مدد کو آؤ)

رسول اللہ ﷺ (خبر پاتے ہی وہاں تشریف لے گئے اور) فرمایا: ''میں تمہارے اندر موجود ہوں اور جاہلیت کی پکار پکاری جارہی ہے۔ اسے چھوڑ دو یہ بدبودار ہے۔'' اس پر بات آئی گئی ہو گی۔

اس واقعے کی خبر عبداللہ بن اُبَی ابن سلول کو ہوئی تو غصے سے بھڑک اُٹھا اور بولا کیا ان لوگوں نے ایسی حرکت کی ہے؟ یہ ہمارے علاقے میں آ کر اب ہمارے ہی حریف اور مدِ مقابل ہو گئے ہیں! خدا کی قسم ہماری اور ان کی حالت پر تو وہی مثل صادق آتی ہے جو پہلوں نے کہی ہے کہ اپنے کتے کو پال پوس کر موٹا تازہ کرو تا کہ وہ تمہی کو پھاڑ کھائے۔ سنو! خدا کی قسم اگر ہم مدینہ واپس ہوئے تو ہم میں سے معزز ترین آدمی ذلیل ترین آدمی کو نکال باہر کرے گا۔ پھر حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر بولا ''یہ مصیبت تم نے خود مول لی ہے۔ تم نے انہیں (مہاجرین کو) اپنے شہر میں اُتارا اور اپنے اموال بانٹ کر ان کو دیے۔ دیکھو! تمہارے ہاتھوں میں جو کچھ ہے وہ دینا بند کر دو تو یہ تمہارا شہر چھوڑ کر کہیں اور چلتے بنیں گے۔''

اس وقت مجلس میں ایک نوجوان صحابی حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ انہوں نے آ کر اپنے چچا کو پوری بات کہہ سنائی۔ ان کے چچا نے رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی۔ اس وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ بولے حضور! عباد بن بشر سے کہیے کہ

اُسے قتل کر دیں۔ آپ نے فرمایا: عمر! یہ کیسے مناسب رہے گا؟ لوگ کہیں گے کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرا رہے ہیں۔ نہیں! بلکہ تم کوچ کا اعلان کر دو۔ یہ ایسا وقت تھا جس میں آپ کوچ نہیں فرمایا کرتے تھے۔ لوگ چل پڑے تو حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور سلام کر کے عرض کیا کہ آج آپ نے بے وقت کوچ کا اعلان فرمایا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تمہارے صاحب (یعنی ابن اُبی) نے جو کچھ کہا ہے تمہیں اس کی خبر نہیں ہوئی؟ انہوں نے دریافت کیا: اس نے کیا کہا ہے؟ آپ نے فرمایا اس کا خیال ہے کہ اگر وہ مدینہ واپس ہوا تو معزز ترین آدمی ذلیل ترین آدمی کو مدینہ سے نکال باہر کرے گا۔

انہوں نے کہا "یارسول اللہ ﷺ! آپ اگر چاہیں تو اُسے مدینے سے نکال باہر کریں۔ خدا کی قسم وہ ذلیل ہے اور آپ ہی باعزت ہیں۔" اس کے بعد انہوں نے کہا "اے اللہ کے رسول! اس کے ساتھ نرمی برتیئے کیونکہ بخدا، اللہ تعالیٰ آپ کو ہمارے پاس اس وقت لے آیا جب اس کی قوم اس کی تاج پوشی کے لیے مونگوں کا تاج تیار کر رہی تھی اس لیے اب وہ سمجھتا ہے کہ آپ نے اس سے اس کی بادشاہت چھین لی ہے۔

پھر آپ ﷺ شام تک پورا دن اور صبح تک پوری رات چلتے رہے۔ بلکہ اگلے دن کے ابتدائی اوقات میں اتنی دیر تک سفر جاری رکھا کہ دھوپ سے تکلیف ہونے لگی۔ اس کے بعد اتر کر پڑاؤ ڈالا گیا تو لوگ زمین پر جسم رکھتے ہی بے خبر ہو گئے۔ آپ ﷺ کا مقصد بھی یہی تھا کہ لوگوں کو سکون سے بیٹھ کر گپ شپ کا موقع نہ ملے۔

ادھر عبداللہ بن ابی کو جب پتا چلا کہ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے بھانڈا پھوڑ دیا ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اللہ کی قسم کھا کر کہنے لگا کہ اس نے جو بات آپ کو بتائی ہے وہ بات میں نے نہیں کہی ہے اور نہ اسے زبان پر لایا ہوں۔ اس وقت وہاں انصار کے جو لوگ موجود تھے انہوں نے بھی کہا: یارسول اللہ! ابھی وہ لڑکا ہے ممکن ہے اُسے وہم ہو گیا ہو اور اس شخص نے جو کچھ کہا تھا اسے ٹھیک یاد نہ رکھ سکا ہو۔ اس لیے آپ ﷺ نے ابن اُبی کی بات سچ مان لی۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس پر مجھے ایسا غم لاحق ہوا کہ ویسے غم سے میں کبھی دو چار نہیں ہوا تھا۔ میں صدمے سے اپنے گھر میں بیٹھ گیا۔ یہاں تک اللہ تعالیٰ نے سورۂ منافقون نازل فرمائی جس میں دونوں باتیں مذکور ہیں۔

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا

''یہ منافقین وہی ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہیں ان پر خرچ نہ کرو تاکہ وہ چلتے بنیں۔''

يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ

''یہ منافقین کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ واپس ہوئے تو وہاں سے عزت والا ذلت والے کو نکال باہر کرے گا۔''

حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (اس کے بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلوایا اور یہ آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ پھر فرمایا اللہ نے تمہاری تصدیق کر دی ہے۔

اس منافق کے صاحبزادے جن کا نام عبداللہ ہی تھا، اُس کے بالکل برعکس نہایت نیک طینت انسان اور خیارِ صحابہ میں سے تھے۔ انہوں نے اپنے باپ سے برأت اختیار کر لی اور مدینہ کے دروازے پر تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے۔ جب ان کا باپ عبداللہ بن اُبی وہاں پہنچا تو اس سے بولے خدا کی قسم آپ یہاں سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دے دیں۔ کیونکہ حضور عزیز ہیں اور آپ ذلیل ہیں۔ اس کے بعد جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لائے تو آپ نے اس کو مدینہ میں داخل ہونے کی اجازت دی اور تب صاحبزادے نے باپ کا راستہ چھوڑا۔ عبداللہ بن اُبی کے ان ہی صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے یہ بھی عرض کی تھی کہ اے اللہ کے رسول! آپ اسے قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو مجھے فرمائیے خدا کی قسم میں اس کا سر لا کر آپ کی خدمت میں حاضر کر دوں گا۔''

الرحیق المختوم، صفی الرحمن مبارک پوری ص ۴۵۱، المکتبۃ السلفیہ لاہور

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا دل سے احترام کیا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے پورے اعزاز و اکرام والا معاملہ کیا۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو جنگ جمل کے روز اس طرح سے رخصت کیا کہ ان کے ساتھ پہرہ داروں کی جماعت بھیجی اور بصرہ کی معزز چالیس خواتین کو ان کی ہمراہی کے لیے منتخب کیا اور بارہ ہزار درہم کی رقم پیش کی۔ اس کو عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ (ابن ابی طالب) نے کم سمجھا اور بہت بڑی رقم ہمراہ کی اور کہا کہ میں اس کا ذمہ دار ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کوئی تکلیف سوائے اس کے نہیں پہنچی کہ تیر سے ہلکی سی خراش لگ گئی تھی۔ جس روز انہوں نے سفر کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے اور کھڑے رہے اور لوگ بھی آئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سب کو رخصت کیا اور فرمایا کہ میرے بچو! ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کا گلہ شکایت نہ کرے، ہمارے اور علی رضی اللہ عنہ کے درمیان پچھلے دنوں اگر کچھ غلط فہمی یا شکوہ شکایت رہی ہے تو صرف اسی قدر جتنا ایک خاتون اور اس کے دیوروں کے درمیان کبھی کبھار ہو جایا کرتی ہے اور وہ میری عزیزانہ شکایت یا تاثر کے باوجود صلحائے اُمت میں سے ہیں۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ واللہ اُم المومنین نے سچ فرمایا۔ ہمارے اور اُن کے درمیان صرف اسی قدر بات تھی اور یہ تمہارے نبی کی دنیا و آخرت میں زوجہ ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کو رخصت کرنے میلوں ساتھ گئے اور اس دن جتنا وقت تھا اُن کی خدمت میں گزارا۔ یہ واقعہ بروز شنبہ یکم رجب ۳۶ھ کا ہے۔

تواتر کے ساتھ یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ندامت کا اظہار کرتی تھیں اور کہا کرتی تھیں ''کاش میں یوم الجمل سے پہلے دنیا سے رخصت ہو گئی ہوتی'' وہ جب بھی اس دن کو یاد کرتیں تو اس قدر روتیں کہ ان کا دوپٹہ تر ہو جاتا۔

جب یہ معرکہ ختم ہو گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مقتولین کی لاشوں کا معائنہ کیا۔ اہل بصرہ میں سے کسی مقتول کی ایسی لاش دیکھتے جس کو پہچانتے تو کہتے کہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ جو لوگ

اس جنگ میں شریک ہیں، وہ ناسمجھ اور غوغائی لوگ ہیں۔ مگر دیکھو یہ لاش فلاں کی ہے اور یہ میت فلاں شخص کی ہے۔ اس کے بعد آپ نے تمام مقتولین کی نماز جنازہ پڑھی اور ایک ساتھ دفن کرنے کا حکم دیا۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جنگِ جمل سے واپس آئے تو راستہ میں ایک وادی پڑی وہاں اتر گئے۔ اس کا نام وادی ابساع تھا۔ ایک شخص نے ان کا پیچھا کیا جس کا نام عمرو بن جرموز تھا۔ وہ اس وقت پہنچا جب کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سو رہے تھے۔ اس نے ان کو اچانک قتل کر دیا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو معرکہ میں ایک سخت تیر لگا (کہا جاتا ہے کہ جس نے ان پر تیر چلایا وہ مروان بن حکم تھا) ان کے جسم سے خون بہنے لگا۔ وہ بصرہ کے ایک گھر میں آئے جہاں ان کا آخری وقت آ گیا۔ یہ بھی روایت ہے کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ معرکہ میں شہید ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ جب مقتولین کی طرف سے گزرے تو دیکھا کہ خاک وخون میں لتھڑے پڑے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے چہرہ سے گرد وغبار صاف کرنے لگے اور فرمایا "اللہ کی رحمت ہو تم پر! اے ابو محمد! میرے لیے یہ انتہائی دردناک بات ہے کہ تم کو آسمان کے تاروں کے نیچے زمین پر یوں پڑا ہوا پاؤں۔ پھر فرمایا کہ میں اللہ ہی سے فریاد کرتا ہوں اپنی ذرا ذرا باتوں کے بارے میں، کاش میں بیس سال پہلے دنیا سے رخصت ہو گیا ہوتا۔"

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو عمرو بن جرموز نے شہید کیا اور ان کا سر تن سے جدا کیا اور اس کو لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا۔ اس کو توقع تھی کہ یہ اس کا کارنامہ سمجھا جائے گا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے یہاں وہ مرتبہ پائے گا لیکن جب اس شخص نے اجازت طلب کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کو اندر آنے کی اجازت مت دو اور اس کو جہنم کی "خوشخبری" سناؤ۔ ایک روایت میں یہ بھی نقل ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا ہے کہ ابن صفیہ رضی اللہ عنہا (زبیر رضی اللہ عنہ) کا قاتل جہنمی ہوگا اس کو جہنم کی خبر دو دے۔

المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، سید ابو الحسن علی ندوی، ص۔ ۲۴۰، مجلس نشریات اسلام کراچی

جسے نبوی فیصلہ منظور نہیں
عمر کی تلوار اس کا یہی فیصلہ کرے گی

ایک یہودی اور ایک منافق کا کسی معاملہ میں جھگڑا ہو گیا۔ یہودی اس میں حق بجانب تھا لہٰذا اس نے منافق سے کہا کہ چلو اس کا فیصلہ تمہارے رسول ﷺ سے کرا لیتے ہیں (یعنی یہودیوں کا بھی یہ ایمان تھا کہ یہ نبی حق ہی کا ساتھ دیتے ہیں) مگر منافق اس سے پس و پیش کرنے لگا۔ اسے یہ خطرہ تھا کہ آپ حق کا ساتھ دیں گے اور فیصلہ میرے خلاف ہو جائے گا۔ لہٰذا وہ لیت و لعل سے کام لینے لگا اور کہنے لگا کہ یہ مقدمہ تمہارے یہودی سردار کعب بن اشرف کے پاس لے چلتے ہیں یہاں اس منافق کو توقع تھی کہ مکر و فریب اور رشوت سے فیصلہ میرے حق میں ہو سکتا ہے۔ مگر یہودی یہ بات نہ مانا کیونکہ اسے بھی اپنے اس سردار کے کردار کا پتہ تھا اور منافق چونکہ کھل کر یہ بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس نہ جاؤں گا اس لیے بالآخر یہی طے پایا کہ فیصلہ رسول اللہ ﷺ سے کرایا جائے۔ آپ نے فریقین کی بات سن کر یہودی کے حق میں فیصلے دے دیا تو منافق کہنے لگا کہ چلو اب یہ مقدمہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لے جاتے ہیں اور ان سے فیصلہ کراتے ہیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان دنوں رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے اور آپ کے نائب کی حیثیت سے مدینہ میں مقدمات کے فیصلے کیا کرتے تھے۔ منافق کا یہ خیال تھا کہ چونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ میں اسلامی حمیت بہت ہے لہٰذا وہ میرے حق میں فیصلہ دے دیں گے۔ چنانچہ یہودی اور منافق نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں جا کر اس مقدمہ کا فیصلہ چاہا پھر اپنے اپنے بیان دیے۔ یہودی نے اپنا بیان دینے کے بعد یہ بھی کہہ دیا کہ ہم یہ مقدمہ پہلے تمہارے نبی ﷺ کے پاس لے گئے تھے اور انہوں نے میرے حق میں فیصلہ دیا ہے۔ یہ سنتے ہی

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اندر گئے اور اپنی تلوار لائے اور آتے ہی اس منافق کا سر قلم کر دیا اور فرمایا:

هٰكَذَا اَقْضِیْ لِمَنْ لَّمْ یَرْضَ بِقَضَاءِ اللّٰهِ وَقَضَاءِ رَسُوْلِهٖ

''جو شخص نبی کے فیصلہ کو تسلیم نہ کرے اس کے لیے میرے پاس یہی فیصلہ ہے۔''

منافق کے قتل کے بعد اس کے وارث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر قصاص کا مقدمہ کرنا چاہا اور مقدمہ کی بنیاد یہ بنائی کہ ہمارا ارادہ آپ کے فیصلہ کے خلاف سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فیصلہ لینا ہرگز نہ تھا بلکہ ہمارا ارادہ یہ تھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان دونوں فریقین کے درمیان صلح اور سمجھوتہ کرا دیں گے اور اپنے اس بیان پر اللہ کی قسمیں بھی کھانے لگے کہ فی الواقع ہمارا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جانے کا مقصد سمجھوتہ ہی تھا۔

مگر اللہ تعالیٰ نے منافق کے وارثوں کی اس چال سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کر دیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے قصاص کے مقدمہ کو یہ آیات نازل فرما کر خارج کر دیا کہ جو لوگ اپنے مالی یا جانی مقدمات میں اللہ کے رسول کو دل و جان سے حَکم تسلیم نہیں کرتے وہ فی الحقیقت مومن ہی نہیں ہیں لہٰذا قصاص کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فاروق کا لقب عطا فرمایا۔

اس ضمن میں نازل کی جانی والی آیات کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

''آپ ان منافقوں کی قطعاً پروا نہ کیجیے۔ البتہ انہیں دل نشین انداز میں وعظ و نصیحت کرتے رہیے اور انہیں یہ سمجھائیے کہ اللہ تعالیٰ اپنا رسول بھیجتا ہی اس لیے ہے کہ اس کے حکم کی اطاعت کی جائے اور اسی کو دل و جان سے حَکم تسلیم کیا جائے۔ اور جب وہ لوگ کوئی غلطی یا زیادتی کر بیٹھے تو انہیں چاہیے تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر اللہ سے معافی مانگتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے لیے معافی مانگتے تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کو قبول فرما لیتا۔

(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم!) کیا آپ نے ان لوگوں (کے حال) پر نظر نہیں کی جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ جو کچھ تم پر نازل ہوا ہے اور جو کچھ تم سے پہلے نازل ہو چکا ہے وہ اس پر

ایمان رکھتے ہیں (لیکن) چاہتے ہیں کہ اپنے مقدمات طاغوت کے پاس لے جائیں۔ حالانکہ انہیں اس سے انکار کرنے کا حکم دیا جا چکا ہے۔ (دراصل بات یہ ہے کہ) شیطان انہیں بھٹکا کر (راہِ راست سے) بہت دور لے جانا چاہتا ہے۔

اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ اس چیز کی طرف آؤ جو اللہ نے نازل کی ہے اور رسول کی طرف آؤ تو آپ منافقوں کو دیکھیں گے کہ وہ آپ کے پاس آنے سے گریز کرتے ہیں۔

پھر اس وقت ان کا کیا حال ہوتا ہے جب ان کے اپنے کرتوتوں کی بدولت ان پر کوئی مصیبت آ پڑتی ہے؟ وہ آپ کے پاس اللہ کی قسمیں کھاتے ہوئے آتے ہیں کہ ہمارا ارادہ تو بھلائی اور باہمی موافقت کے سوا کچھ نہ تھا۔ ایسے لوگوں کے دلوں میں جو کچھ ہے اللہ اسے خوب جانتا ہے۔ سو آپ ان سے اعراض کیجیے، انہیں نصیحت کیجیے اور ایسی بات کہیے جو ان کے دلوں میں اُتر جائے۔ (سورہ نساء، آیت نمبر ۶۰ تا ۶۳)

تفسیر تیسیر القرآن، مولانا عبدالرحمن کیلانی رحمہ اللہ، سورۃ النساء، فائدہ نمبر ۹۳ تا ۹۶

عرب کی ایک بڑھیا حضور ﷺ کا حلیہ بیان کرتے ہوئے

سفرِ ہجرت میں غارِ ثور سے نکل کر پہلے ہی دن اس مبارک قافلے کا گزر، اُمِ مَعبد رضی اللہ عنہا کے خیمے پر ہوا۔ یہ عورت قومِ خزاعہ سے تھی۔ مسافروں کی خبر گیری اور ان کی تواضع کے لیے مشہور تھی۔ سر راہ پانی پلایا کرتی تھی اور مسافر وہاں ٹھہر کر سستایا کرتے تھے۔

انہوں نے یہاں پہنچ کر اس بڑھیا سے پوچھا تمہارے کے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟ وہ بولی نہیں۔ اگر کوئی شے موجود ہوتی تو دریافت کرنے سے پہلے میں خود حاضر کر دیتی۔

خیمہ اُمِ معبد پر آنحضرت ﷺ کا آرام و قیام

نبی ﷺ نے خیمہ کے گوشہ میں ایک بکری دیکھی۔ پوچھا یہ بکری کیوں کھڑی ہے؟
اُمِ معبد نے کہا کمزور ہے، ریوڑ کے ساتھ نہیں چل سکتی۔
نبی ﷺ نے فرمایا ''اجازت ہے کہ ہم اسے دوھ لیں؟''
ام معبد نے کہا ''اگر حضور کو دودھ معلوم ہوتا ہے تو دوھ لیجیے۔''
نبی ﷺ نے بسم اللہ کہہ کر بکری کے تھنوں کو ہاتھ لگایا۔ برتن نیچے رکھا وہ ایسا بھر گیا کہ دودھ اُچھل کر زمین پر گرنے لگا۔ یہ دودھ آنحضرت ﷺ اور ہمراہیوں نے پی لیا۔ دوسری دفعہ پھر بکری کو دوہا۔ برتن بھر گیا اور وہ اُمِ معبد کے لیے چھوڑ کر آپ آگے روانہ ہو گئے۔

کچھ دیر کے بعد اُمِ معبد کا شوہر آیا۔ خیمہ میں دودھ کا بھرا ہوا برتن دیکھ کر حیران ہو گیا کہ یہ کہاں سے آیا۔ اُمِ معبد نے کہا کہ ایک بابرکت شخص یہاں آیا۔ یہ دودھ اس کے

قدوم کا نتیجہ ہے۔ وہ بولا کہ یہ تو وہی صاحب قریش معلوم ہوتا ہے جن کی مجھے تلاش تھی۔
اچھا! تم ذرا ان کی توصیف تو کرو۔

ام معبد بولی:

"پاکیزہ رو، کشادہ چہرہ، پسندیدہ خو، نہ توند نکلی ہوئی نہ چندیا کے بال گرے ہوئے۔ زیبا، صاحب جمال، آنکھیں سیاہ و فراخ، بال لمبے اور گھنے، آواز میں بھاری پن، بلند گردن، سرمگیں چشم، باریک ابرو، سیاہ گھنگھریالے بال، خاموش وقار کے ساتھ، گویا دل بستگی لیے ہوئے، دور سے دیکھنے میں زیبندہ و دلفریب، قریب سے نہایت شیریں و کمالِ حسین، شیریں کلام، واضح الفاظ، کلام کمی بیشی سے معرا، تمام گفتگو موتیوں کی لڑی میں پروئی ہوئی، میانہ قد کہ حقیر نظر نہ آتے، نہ طویل کہ آنکھ ان سے نفرت کرتی۔ زیبندہ نہال کی تازہ شاخ، زیبندہ منظر والا قد، رفیق ایسے کہ ہر وقت ان کے گرد وپیش رہتے ہیں۔ جب وہ کچھ کہیں تو چپ چاپ سنتے ہیں۔ جب حکم دیں تو تعمیل کے لیے جھپٹتے ہیں۔ مخدوم و مطاع، نہ کوتاہ سخن، نہ فضول گو۔" یہ صفت سن کر وہ بولا کہ یہ تو یقیناً وہی صاحب قریش ہیں میں ان سے ضرور جا ملوں گا۔

ﷺ ہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وسلم کثیراً۔

رحمۃ للعالمین، قاضی سلمان منصور پوری رحمہ اللہ، ص ۱۱۰، مرکز الحرمین الاسلامی فیصل آباد

حضور ﷺ کا تاجر ساتھی ایمان لے آیا

حضرت سائب رضی اللہ عنہ تاجر تھے۔جب وہ مشرف بہ اسلام ہوئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ سے ان کا تعارف بڑے شان دار الفاظ میں کرایا۔آپ ﷺ نے فرمایا"میں ان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں"حضرت سائب رضی اللہ عنہ نے اعتراف کیا کہ رسول کریم ﷺ تجارت میں ان کے شریک کار تھے اور معاملات کے نہایت صاف اور کھرے تھے۔

آپ ﷺ بے حد فیاض تھے اور اس جود وسخا کی وجہ سے اکثر مقروض رہتے تھے لیکن کسی قرض دینے والے کے ساتھ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ ﷺ نے اس کا قرض واپس کرنے سے انکار کر دیا ہو یا اس کے تقاضے کا برا مانا ہو بلکہ ایسا ضرور ہوا کہ بعض قرض دینے والوں نے تہذیب اور شائستگی کی بجائے سخت اور تند لہجے میں تقاضا کیا اور آپ ﷺ کے مزاج مبارک کی نرمی کی وجہ سے آپ ﷺ کے ساتھ ناگوار رویہ اختیار کیا۔ابتلا کے ایسے موقع پر بھی آپ ﷺ نے نہ صرف خود تحمل سے کام لیا بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگر برہم ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کو بھی تقاضا کرنے والے پر سختی کرنے سے منع فرمایا۔

معاملات کی صداقت اور صفائی آپ ﷺ کی ہر ہر ادا سے نمایاں تھی۔اجنبی بھی آپ ﷺ کے طرزِ رفتار وگفتار سے آپ ﷺ کے صدق کا یقین رکھتے تھے۔

ایک بار مدینہ منورہ کے باہر ایک مختصر سا قافلہ آ کر رکا۔ایک سرخ رنگ کا اُونٹ ان کے پاس تھا۔اتفاقاً ادھر سے آپ ﷺ کا گزر ہوا۔آپ ﷺ نے سرخ رنگ کے اونٹ کی قیمت پوچھی۔لوگوں نے قیمت بتائی۔رسول اللہ ﷺ نے کمی بیشی کرائے بغیر وہ قیمت منظور کر لی اور اونٹ کی مہار پکڑ کر شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔بعد میں قافلے کے لوگوں کو خیال ہوا کہ ہم نے اپنا جانور ایک انجان آدمی کے حوالے کیوں کر دیا؟ قافلے

کے ساتھ ایک خاتون بھی تھی اس نے کہا مطمئن رہو۔ہم نے کسی شخص کا چہرہ ایسا روشن نہیں دیکھا جتنا ان کا دیکھا ہے یعنی ایسے شخص سے دھوکے کا اندیشہ نہیں ہے۔رات ہوئی تو آپ ﷺ نے اونٹ کی قیمت اور اتنی ہی کھجوریں بھی بھجوا دیں۔مزید برآں رات کا کھانا بھی بھجوادیا۔اس جود وسخا اور اخلاقِ کریمانہ کی مثال کہاں مل سکتی ہے؟

حضور ﷺ بحیثیت تاجر، حافظ عارف گھانچی، ص ۵۳، ۵۵ مکتبہ فیض القرآن کراچی

کاش میں چوتھا مسلمان ہوتا!

عفیف کندی، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے دوست تھے۔ عطر کی تجارت کرتے تھے۔ اسی سلسلہ تجارت میں یمن بھی آمدورفت رہتی تھی۔ عفیف کندی فرماتے ہیں کہ ایک بار میں منیٰ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا کہ ایک شخص آیا۔ اول نہایت عمدہ طریقہ سے وضو کیا اور پھر نماز کے لیے کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد ایک عورت آئی اس نے بھی اسی طرح وضو کیا اور پھر نماز کے لیے کھڑی ہو گئی۔ پھر ایک گیارہ سالہ لڑکا آیا اس نے بھی وضو کیا اور آپ کے برابر نماز کے لیے کھڑا ہو گیا۔

میں نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: یہ کون سا دین ہے؟

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ میرے بھتیجے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے ان کو رسول بنا کر بھیجا ہے اور یہ لڑکا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب بھی میرا بھتیجا ہے، جو اس دین کا پیرو ہے اور یہ عورت، محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ کی بیوی ہیں۔

سیدنا عفیف کندی رضی اللہ عنہ بعد میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور بڑی حسرت سے یہ کہا کرتے تھے کہ کاش میں چوتھا مسلمان ہوتا یعنی اس وقت ایمان لے آتا جب ان تین کو دیکھا تھا۔

سیرت المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۶۱، الطاف سنز کراچی

ایک غیر منقوط کتاب سیرت، سیرت کا اعجاز

{ مقدمہ سے ایک اقتباس }

مجھے تحقیق سے معلوم نہیں ہے کہ سب سے پہلے غیر منقوط تحریر کس نے لکھی؟ لیکن میں نے اس کمال کا سب سے پہلا مظاہرہ بچپن میں ابو القاسم حریری کی ''مقامات'' میں دیکھا تھا۔ یہ کتاب درسِ نظامی کے نصاب میں داخل ہے اور اس کا اٹھائیسواں مقامہ ایک ایسے خطبے پر مشتمل ہے جس کے کسی حرف پر نقطہ نہیں ہے۔ بلکہ حریری نے اس سے بھی زیادہ مشکل صنعت کا مظاہرہ انیسویں مقامے میں کیا ہے۔ جس میں ایک خط اس التزام کے ساتھ لکھا ہے کہ اس کا ایک لفظ نقطوں سے یکسر خالی ہے اور دوسرے لفظ کے ہر حرف پر نقطے ہیں اور شروع سے آخر تک یہ پابندی برقرار ہے۔ اس خط کے یہ ابتدائی جملے آج تک میرے حافظے میں محفوظ ہیں:

اَلکرم ثبّت اللهُ جَیْشَ سُعُوْدِكَ یَزِیْنُ
وَاللُّؤمُ غَضَّ الدَّهرُ جَفْنَ حَسُوْدِكَ یَشِیْنُ

لیکن یہ دونوں تحریریں صرف چند صفحات پر مشتمل ہیں اور چند صفحات کی عبارت میں اور پھر یہ ساری کاوشیں عربی زبان میں تھیں جس کی وسعت کے بارے میں یہ کلیہ بڑی حد تک صحیح ہے کہ کسی بھی تین حرفوں کو جوڑ دیجیے عربی زبان کا کوئی نہ کوئی بامعنی لفظ ضرور بن جائے گا۔ اس زبان میں ایک ایک مفہوم کو ادا کرنے کے لیے بیسیوں الفاظ موجود ہیں۔ اس لیے اس میں غیر منقوط الفاظ کی تلاش آسان ہے۔ اس کے برعکس اردو زبان اول تو عربی کے مقابلے میں یوں بھی بہت تنگ دامن ہے۔ پھر اس کا صرفی ڈھانچہ کچھ ایسا ہے کہ اس میں نقطوں سے صرفِ نظر کر لی جائے تو تقریباً تین چوتھائی صیغوں سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔

اُردو میں غیر منقوط تحریر لکھنے کا مطلب یہ ہے کہ نفی یا نہی کا کوئی صیغہ تو کبھی استعمال ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ اس میں لازماً "نہ"، "نہیں" یا "مت" آئے گا اور ان میں سے ہر لفظ منقوط ہے۔ چنانچہ اُردو کی غیر منقوط تحریر صرف مثبت جملوں ہی پر مشتمل ہو سکتی ہے۔

پھر مثبت جملوں میں بھی "مضارع مطلق" (مثلاً گرتا ہے) اور "مستقبل" (مثلاً گرے گا) کے صیغوں کا استعمال بھی ممکن نہیں۔ کیونکہ ان میں ت یا یائے منقوط کے بغیر چارہ نہیں۔ نیز ماضی میں بھی ماضی بعید اور ماضی استمراری کے استعمال کی کوئی صورت نہیں۔ کیونکہ ان میں لازماً لفظ "تھا" لانا پڑتا ہے۔ ماضی قریب کی اُردو میں چار صورتیں ہوتی ہیں (گرا ہے، گر گیا ہے، گر چکا ہے، کر لیا ہے) ان میں سے صرف پہلی صورت غیر منقوط تحریر میں استعمال ہو سکتی ہے۔ باقی تین صورتوں کا استعمال ممکن نہیں۔

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ غیر منقوط تحریر میں صرف ماضی مطلق، مضارع استمراری (گر رہا ہے) اور ماضی قریب کی صرف ایک صورت بمشکل استعمال ہو سکتی ہے اور وہ بھی مثبت جملے میں۔ ان میں بھی صرف "ماضی مطلق" ایسا ہے کہ اُس کے تمام صیغے، واحد، جمع، مذکر اور مؤنث استعمال ہو سکتے ہیں ورنہ مضارع استمراری اور ماضی قریب دونوں میں جمع کے صیغے استعمال نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ان میں لازماً لفظ "ہیں" لانا پڑے گا جو منقوط ہے۔

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اُردو میں نقطوں سے بے نیاز ہو کر لکھنے کی کوشش اپنے آپ کو کس قدر تنگ دائرے میں مقید کرنے کے مترادف ہے۔ اس محدود دائرے میں رہ کر سیرتِ طیبہ جیسے موضوع پر تقریباً چار سو صفحات کی کتاب لکھنا ایک ایسا کارنامہ ہے جس کی کماحقہٗ تعریف کے لیے الفاظ ملنے مشکل ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خصوصی کرم کے سوا کوئی اور توجیہ اس کی ممکن نہیں ہے۔

احقر نے برادرِ معظم کی اس تاریخی تالیف کے اکثر حصوں کے مطالعے کی سعادت حاصل کی ہے اور بفضلہ تعالیٰ یہ کہنے میں احقر کو کوئی باک نہیں کہ اس تالیف میں اللہ تعالیٰ

کی خصوصی توفیق اُن کے شامل حال رہی ہے۔میں جب اس نازک اور مشکل کام کا تصور کرتا ہوں تو دانتوں کو پسینہ آتا ہے لیکن برادرِ معظم موصوف اس راہ کے ہر مرحلے سے ایسی سلامتی اور خوب صورتی کے ساتھ گزرے ہیں کہ بایدوشاید، اتنی شدید پابندیوں کے باوجود زبان کی سلاست وروانی بیشتر مواقع پر برقرار ہے۔بلکہ غیر منقوط الفاظ کی پابندی نے بسا اوقات زبان میں اور مٹھاس پیدا کر دی ہے۔سرکارِ دوعالم ﷺ کی ولادتِ باسعادت کا تذکرہ ملاحظہ ہو۔

لکھتے ہیں:

"اللہ اللہ! وہ رسولِ اُمم مولود ہوا کہ اس کے لیے صدہا سال لوگ دعا گو رہے۔اہلِ عالم کی مرادوں کی سحر ہوئی۔دلوں کی کلی کھلی، گمراہوں کو ہادی ملا۔گلے کو راعی ملا، ٹوٹے دلوں کو سہارا ہوا، اہلِ درد کو درماں ملا، گمراہ حاکموں کے محل گرے۔سال ہا سال کی دہکی ہوئی وہ آگ مٹ کے رہی کہ لاکھوں لوگ اُس کو الٰہ کر کے اُس کے آگے سر ٹکائے رہے اور رودِ ساوہ ماءِ رواں سے محروم ہوا۔"

اس کے ساتھ الحمدللہ! موصوف نے احتیاط اتنی برتی ہے کہ واقعات کے بیان، مکالموں کی نقل اور آیات واحادیث کے مفہوم میں اپنی طرف سے کوئی کمی بیشی گوارا نہیں کی۔مختلف مقامات پر عربی عبارتوں کے جو ترجمے کیے ہیں وہ تقریباً لفظ بہ لفظ ہیں۔مثلاً حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضور ﷺ کے نکاح کے موقع پر حضرت ابوطالب نے جو خطبہ دیا اُس کے عربی الفاظ یہ ہیں:

الحمدلله الذی جعلنا من ذرية ابراهيم وذرع اسماعيل وضئضئ معدّ و عنصر مضر وحضنة بيته وسُوّاس حرمه وجعل لنا بيتا محجوباً وحرمًا آمنا وجعلنا الحكام على الناس. ثم ان ابن اخی محمد بن عبدالله لا يوزن به رجل الا

رجح به وإن كان فى المال قلّ، فإن المال ظلّ زائل وأمر حائل۔ ومحمد من قد عرفتم قرابته منى قد خطب خديجة بنت خويلد وبذل لها من الصداق ما أجله من مالى عشرين بعيرا وهو والله بعد هذا له بناء عظيم۔

اس خطبے کا یہ غیر منقوط ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

"ساری حمد اللہ کے لیے ہے، اُسی کے کرم سے ہم معمارِ حرم (سلام اللہ علیٰ روحہ) کی اولاد ہوئے اور اُس کے ولدِ اوّل کے واسطے سے ہم کو سلسلہ مَعد کی طاہر اصل ملی۔ اُسی کے کرم سے ہم کو حرم کی رکھوالی کا اکرام ملا اور ہم کو وہ مسعود گھر عطا ہوا کہ دور دور کے اَمصار و ممالک کے لوگ اُس کے لیے راہی ہوئے۔ وہ حرم عطا ہوا کہ لوگ وہاں آ کر ہر طرح کے ڈر سے دور ہوں۔ اسی گھر کے واسطے سے ہم کو لوگوں کی سرداری ملی۔ لوگو! معلوم ہو کہ محمد (صلی اللہ علیٰ رسولہ وسلم) وہ مردِ صالح ہے کہ مکے کا ہر مرد اُس کی ہمسری سے عاری ہے۔ ہاں! مال اُس کا کم ہے مگر مال سائے کی طرح ہے۔ اِدھر آئے اُدھر ڈھلے، اُس کو دوام کہاں؟ سارے لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ مری سگی اولاد کی طرح ہے اور وہ اِس صالحہ سے عروسی کے لیے آمادہ ہے اور ہمارے مال سے دس اور دس سواری اس کا مہر طے ہوا اور اللہ گواہ ہے کہ اس مردِ صالح کا معاملہ اہم ہے۔ وہ سارے لوگوں سے مکرم ہوگا اور اُس کی اساس محکم ہوگی۔"

کتاب پوری آپ کے سامنے ہے۔ اس لیے اس کے زیادہ نمونے یہاں پیش کرنے کی ضرورت نہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ غیر منقوط تحریر میں عربی عبارتوں کی ایسی ترجمانی اور اس میں احتیاط کا اتنا لحاظ ایک ایسا قابلِ ستائش کارنامہ ہے جس کا صدور اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق کے بغیر ممکن نہیں۔

ہادیٔ عالم ﷺ، ۔۔۔ نادلی رازی ص ۱۲ تا ۱۷، ادارہ اسلامیات لاہور

میدانِ جنگ میں یادِ الٰہی

معرکہ ہائے جنگ میں سپہ سالاروں کو اپنے بہادر سپاہیوں کی قوت پر ناز ہوتا ہے لیکن اسلام کے قائد اعظم کو صرف ربِّ ذوالجلال کی قوت پر ناز تھا۔ عالم اسباب کے لحاظ سے گو آپ ﷺ نے اصولِ جنگ کے مطابق ہر میدان میں اپنی فوجیں مرتب کیں لیکن اصل اعتماد اور بھروسا اسبابِ کائنات سے ماورا قادرِ مطلق کی ذات پر تھا۔ بدر میں دو صحابی حاضر ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ! ہم کو کافروں نے اس شرط پر رہا کیا ہے کہ ہم جنگ میں شرکت نہ کریں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ "ہم کو صرف اللہ کی مدد درکار ہے" بدر کا میدان خون سے لالہ زار ہو رہا ہے اور آپ خشوع و خضوع سے دونوں ہاتھ پھیلا کر بارگاہِ ایزدی میں عرض کر رہے ہیں کہ "خدایا! اپنا وعدۂ نصرت پورا کر" محویت اور بے خودی میں ردائے مبارک کندھے سے گر پڑتی ہے اور آپ ﷺ کو خبر نہیں ہوتی کبھی سجدے میں گر پڑتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ خدایا! اگر آج یہ چند نفوس مٹ گئے تو پھر قیامت تک تیری عبادت نہ کی جائے گی۔ اسی اثنا میں حضرت علی رضی اللہ عنہ تین دفعہ میدانِ جنگ سے حاضر خدمت ہوتے ہیں اور ہر دفعہ یہ دیکھتے ہیں کہ وہ مقدس پیشانی خاک پر سر بہ سجود ہے۔

غزوۂ احد کے خاتمہ پر ابوسفیان مسرت سے ہُبل کی جے پکارتا ہے لیکن آپ ﷺ اس دل شکستگی کے عالم میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیتے ہیں کہ تم یوں کہو۔

اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ اَللّٰهُ اَعْلٰى وَاَجَلّ

"اللہ ہمارا آقا ہے تمہارا کوئی آقا نہیں، اللہ بڑا اور بلند ہے۔"

غزوۂ احزاب میں آپ خود اپنے دست مبارک سے خندق کھودنے میں مصروف تھے اور لب مبارک پر یہ الفاظ جاری تھے:

اَللّٰهُمَّ لَا خَيْرَ اِلَّا خَيْرُ الْاٰخِرَة فَبَارِكْ فِي الْاَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَة

"اے اللہ! بھلائی صرف آخرت کی بھلائی ہے انصار اور مہاجرین کو برکت عطا فرما"

دشمن اس شدت سے حملہ پر حملہ کر رہے تھے کہ کسی مسلمان کا اپنی جگہ سے ہٹنا ممکن نہ تھا اور یہ محاصرہ ۲۰، ۲۲ دن تک قائم رہا لیکن اس مدت میں صرف ایک یا زیادہ سے زیادہ چار وقت کی نمازیں (اضطراری حالت میں) قضا ہوئیں۔ ایک دن عصر کے وقت دشمنوں نے اس زور کا حملہ کیا کہ ایک لمحہ کے لیے بھی مہلت نہ مل سکی۔ آخر عصر کا وقت ختم ہو گیا۔ آپ کو سخت رنج ہوا حملہ رکنے پر سب سے پہلے با جماعت (قضا) نماز ادا فرمائی۔

غزوۂ خیبر میں جب آپ ﷺ شہر کے قریب پہنچے تو زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے اللہ اکبر خَرِبَتْ خَيْبَرُ اللہ اکبر! خیبر ویران ہو چکا۔ عمارتیں نظر آئیں تو صحابہ سے ارشاد فرمایا ٹھہر جاؤ پھر یہ دعا مانگی۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ خَيْرَ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ وَخَيْرَ اَهْلِهَا وَخَيْرَ مَا فِيْهَا وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ اَهْلِهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا

"اے اللہ! ہم تجھ سے اس آبادی کی۔ آبادی والوں کی اس آبادی کی چیزوں کی بھلائی چاہتے ہیں اور ان سب کی برائیوں سے تیری پناہ کے طلب گار ہیں"۔

حنین کے معرکہ میں بارہ ہزار فوج آپ کے ساتھ تھی لیکن اول ہی حملہ میں اس کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ اس فوج کا سالار اگر انہی آدمیوں کے بھروسہ پر میدان جنگ میں اترتا تو شاید وہ سب سے پہلے بھاگ کر اپنی جان بچاتا لیکن آپ کو جس قوت پر اعتماد تھا۔ آپ اس کو اس تنہائی میں بھی اسی طرح ناصر و مددگار سمجھتے تھے جس طرح فوج و لشکر کے ساتھ۔ عین اس وقت جب دس ہزار تیر انداز تیروں کا مینہ برساتے ہوئے سیلاب کی طرح بڑھتے چلے آتے تھے اور آپ کے پہلو میں چند جان نثاروں کے سوا کوئی اور باقی نہیں رہا تھا۔ آپ سواری سے اتر آئے اور فرمایا "میں اللہ کا بندہ اور پیغمبر ہوں" پھر بارگاہِ الٰہی میں

دست بدعا ہو کر نصرتِ موعودہ کی درخواست کی۔ دفعتاً ہوا کا رخ پلٹ گیا اور نسیمِ فتح علمِ اسلام کو لہرانے لگی۔ دس ہزار دشمن کے بے پناہ تیروں کو یکہ وتنہا مناجات وزاری کی ڈھال پر روکنے کی جرأت پیغمبروں کے سوا اور کس سے ظاہر ہو سکتی ہے؟

اس موقع کا سب سے مؤثر منظر غزوہ بنی مصطلق میں نظر آتا ہے۔ سامنے دشمن پڑاؤ ڈالے پڑے ہیں اور غفلت کے منتظر ہیں کہ دفعتاً نماز کا وقت آ جاتا ہے اور آپ ﷺ امام بن کر آگے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت مقتدی ہو کر نماز میں مصروف ہو جاتی ہے اور دوسری دشمنوں کا سامنا کر لیتی ہے۔ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں اس سے بھی زیادہ خطرناک موقع پیش آیا۔ آنحضرت ﷺ مکہ کے پاس عسفان میں خیمہ زن تھے۔ قریش کے مشہور جرنیل خالد بن ولید آس پاس کی پہاڑیوں میں دشمنوں کی فوج کا ایک دستہ لیے ہوئے موقع کی تاک میں تھے۔ آخر قریش کی یہ رائے قرار پائی کہ مسلمان جب نماز کے لیے کھڑے ہوں تو عین اس وقت ان پر بے خبری میں حملہ کی جائے۔ خداوند کارساز کی بارگاہ میں قصر صلوٰۃ کی ایک عمدہ تقریب پیدا ہو گئی۔ چنانچہ قصر کی آیتیں نازل ہوئیں۔ عصر کا وقت آیا تو آپ ﷺ نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ دشمن اپنی فوج کا پرا لیے آپ ﷺ کے سامنے تھے۔ صحابہ دو حصوں میں منقسم ہو گئے۔ ایک حصہ نے آپ ﷺ کے پیچھے آ کر نماز کی صفیں قائم کر لیں اور دوسرا حصہ دشمنوں کے مقابل کھڑا ہو گیا۔ پہلی جماعت فارغ ہو کر بتدریج دشمنوں کے مقابل آ گئی اور دوسری ترتیب کے ساتھ پیچھے ہٹ کر آپ ﷺ کے ساتھ نماز میں جا ملی۔ یہ تمام تبدیلیاں مقتدیوں کی صفوں میں ہو رہی ہیں لیکن خود سپہ سالار خون آشام تلواروں کے سایہ میں تمام خطرات سے بے پرواہ عبادتِ الٰہی میں مصروف ہے۔ سبحان اللہ! کیا مقامِ نبوت ہے اور کیا شانِ رسولِ ہاشمی ﷺ ہے۔

سیرت النبی ﷺ، مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ سید سلمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ ص ۵۲۱، المیزان لاہور

مقامِ ابراہیم پر ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی اپنے بیٹے سے ملاقات

سلطان العارفین، تارکِ سلطنت، حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ دس سال تک نیشاپور کے جنگل میں یادِ الٰہی میں مصروف رہنے کے بعد حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے۔ ایک دن طواف کرنے کے بعد مقامِ ابراہیم پر دوگانہ پڑھ کر بیٹھے تھے کہ ایک نوجوان پر نظر پڑی جو طواف کر رہا تھا۔ دل میں اس کی طرف کشش محسوس ہوئی۔ جب بھی طواف کرتے ہوئے سامنے سے وہ گزرتا بے ساختہ نگاہیں اس کی طرف اُٹھتیں اور دل کھنچتا۔ جب وہ نوجوان اپنا طواف پورا کر کے مقامِ ابراہیم پر آیا، نفل نماز پڑھ لی تو حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے آگے بڑھ کر اس سے مصافحہ کیا اور......

اس سے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟

اس نے اپنا نام بتایا۔

پھر دریافت کیا تمہارے والد کا نام کیا ہے؟

اس نے کہا ابراہیم بن ادھم۔

کہا: تمہارے والد کہاں ہیں؟

اس نے کہا وہ سلطنت چھوڑ کر جنگل میں چلے گئے تھے، ان کا کوئی علم نہیں۔

یہ سن کر حضرت نے فرمایا کہ میں ہی تمہارا باپ ابراہیم بن ادھم ہوں۔ یوں باپ بیٹا ایک دوسرے سے بغل گیر ہو کر دیر تک روتے رہے۔ بتانا یہ ہے کہ اللہ والوں نے اللہ کے لیے کیسی کیسی قربانیاں دی ہیں۔ اور کتنی جدائیاں برداشت کیں۔

سفرنامہ رنگون و برما، شاہ حکیم محمد اختر رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۱۵

مولانا سید تاج محمود امروٹی کی شانِ ولایت

آپ جلالی شان کے بزرگ تھے۔ بقول مولانا ابوالحسن ندوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا سید تاج محمود امروٹی رحمۃ اللہ علیہ پر جلال اور جذبہ جہاد غالب تھا۔ کراماتِ جلیلہ کا ان سے ظہور رہوا۔ کئی بار انگریزوں کو چیلنج کیا اور ان کے مقابلہ میں آ گئے۔ حکومت نے شورشِ عام کے خطرہ سے طرح دی۔ (۱)

آپ کے برعکس حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ جمالِ اَتم تھے۔ ایک میں صدیقی سیرت کی جھلکیاں نمایاں تھیں تو دوسرے (حضرت امروٹی رحمۃ اللہ علیہ) میں فاروقی جلالت کے آثار پائے جاتے تھے۔ آپ سے خَرقِ عادات و کرامات بہت مشہور ہیں۔

ایک دفعہ ایک انگریز کلکٹر آپ سے ملنے آیا۔ باتوں باتوں میں وہ آپ کی جہاد کی تیاری، پرانے زمانے کے اسلحہ اور بے سروسامانی کے متعلق طنزیہ بات کہہ گیا۔ اس پر آپ جلال میں آ گئے۔ خادم سے فرمایا کہ جا کر لنگر کے پیازوں کی کوٹھڑی میں سے ایک پیاز لے آؤ۔ وہ پیاز لے آیا تو آپ نے چاقو کھول کر پیاز کے دو ٹکڑے کر دیے۔ پھر انگریز کو فرمایا کہ جا کر کوٹھڑی میں دیکھو وہ وہاں گیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ کوٹھڑی میں پڑا ہوا پیازوں کا تمام ڈھیر دو ٹکڑے ہو چکا تھا۔ آپ نے فرمایا کلکٹر صاحب! فقیروں کو اللہ نے یہ طاقت دی ہے کہ آپ لوگوں کی گردنیں اسی طرح اُتار دیں۔

ایک دفعہ جوش میں آ کر فرمایا کہ کئی بار ایسا ارادہ کیا کہ قصر بر منگھم میں جا کر جارج پنجم کی گردن مروڑ دوں مگر مشیتِ ایزدی نہ تھی۔ حجاب مانع آ جاتا رہا۔ انگریزوں نے کسی شقی القلب کے ہاتھوں آپ کو زہر دلا دی تھی جس کے اثر سے آپ کے تمام جسم مبارک پر پھوڑے پھنسیاں نکل آئیں اور خارش کی تکلیف رہنے لگی۔ آخر زہر کے اسی اثر سے

امت کا یہ بطل جلیل، حریت وطن کا عظیم رہنما، شیخ الہند کا ایک مخلص ساتھی، حضرت دین پوری کا پیارا بھائی اور سندھ کا مشہور روحانی مقتداء ۴ اور ۵ نومبر ۱۹۲۹ء کی درمیانی شب (ایک بجے رات) بمطابق ۳ جمادی الثانی ۱۳۴۸ھ کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (۲)

(۱) پرانے چراغ صفحہ ۱۴۸ (۲) المعرفۃ آرگنائزیشن، ص ۳

۱۹۵۰ء میں جانے والی ایک جماعت کی ایمان افروز کارگزاری

اگست ۱۹۴۷ء میں تقسیمِ ہند کے بعد بہت سے مسلمان مشرقی پنجاب کی ریاستوں میں مرتد ہو گئے تھے۔ جب حضرت جی مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو ان حالات کا علم ہوا تو سخت صدمہ ہوا تو آپ مارچ ۱۹۵۰ء میں تبلیغی مرکز نظام الدین میں لگاتار ۸ دن تک اسی موضوع پر بیان فرماتے رہے اور ترغیب دیتے رہے کہ مجھے چلہ تین چلہ نہیں چاہئیں بلکہ ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے جو یا تو مر جائیں (یعنی اللہ کے راستے میں اپنی جان دے دیں) یا مشرقی پنجاب کے مرتدوں کو دوبارہ اسلام میں لے آئیں۔ اب اس پر جتنا بھی وقت لگ جاوے، لگے، وقت کی قید نہیں۔ چنانچہ اس مطالبہ پر ۲۲ آدمیوں نے نام پیش کیے اور آپ کا مطالبہ منظور کر لیا اور وعدہ کیا کہ انشاء اللہ تعالیٰ ہم آپ کے فرمان کے مطابق اپنی جان دے دیں گے یا مشرقی پنجاب کے مرتدوں کو محنت کر کے دوبارہ اسلام میں لے آئیں گے۔ چنانچہ ان بائیس احباب کی دو جماعتیں گیارہ گیارہ افراد پر مشتمل تشکیل کی گئیں۔ ایک جماعت کے امیر محمد اقبال صاحب اور دوسری جماعت کے امیر حاجی کمال الدین صاحب سہارن پور والے کو بنایا گیا۔ مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے ننگے پاؤں مسجد سے باہر نکل کر خوب رو رو کر دعا کی اور دونوں جماعتوں کو اللہ کے سپرد کر کے دیر تک ان کو دیکھتے رہے اور دعا فرماتے رہے۔

پانی پت پہنچ کر شہر سے باہر نکل ایک ویران مسجد میں جو امام صاحب کی مسجد کے نام سے مشہور تھی، اس میں ٹھہر گئے۔ دونوں جماعتوں نے مشورہ کر کیطے کیا کہ یہاں سے دونوں جماعتیں الگ الگ رخوں پر ایک ایک ہفتہ کام کر کے چلہ پور کے مقام پر اکٹھی ہو جائیں۔ چنانچہ پروگرام کے مطابق یہ جماعتیں کام کرتی ہوئی مقررہ وقت پر چلہ پور پہنچ گئیں۔

یہاں پر پانچ مسجدیں تھیں اور بارہ گھر مسلمانوں کے تھے۔ جو سب کے سب مرتد ہو چکے تھے۔ انہوں نے ایک مسجد کے منبر کو توڑ کر اس کی جگہ بت بنا رکھا تھا جس کی یہ پوجا کیا کرتے تھے۔ ہم نے ان سے بات کی اور ترغیب دے کر ان کو دوبارہ اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی تو ان میں سے ایک آدمی بطور رہبر کے ساتھ ہو گیا اور ہم کو دوسرے دیہاتوں میں لے گیا۔ ایک گاؤں میں ۱۰-۱۲ آدمی چھپ کر نماز پڑھتے تھے۔ باقی سب کے سب مرتد ہو چکے تھے۔ ہم ان کو دوبارہ چھپ کر اسلام میں آنے کی ترغیب دیتے رہے ان میں دو امام مسجد بھی تھے، جنہوں نے ڈاڑھیاں منڈا کر سر پر چوٹی رکھی ہوئی تھی۔

پہلی آزمائش:

ہم نے اس علاقہ میں ایک ہفتہ کام کیا اور یہاں سے ہماری جماعتیں جیند ریاست میں چلی گئیں۔ جیند میں دس مسجدیں تھیں اور مسلمانوں کی کافی تعداد تھی۔ ان میں سے اکثر مرتد ہو گئے تھے اور باقی چھپ کر نمازیں پڑھتے تھے۔ ان میں سے پانچ ساتھی ہمارے ساتھ چلے۔ اس جگہ چار دن کام کیا۔ بہت سے احباب نے اذان دے کر نماز ادا کرنی شروع کر دی۔ اس علاقہ میں ہماری شہرت ہو گئی کہ اس قسم کے لوگ آئے ہوئے ہیں جو کہ مرتدوں کو دوبارہ اسلام میں داخل کر رہے ہیں۔ پولیس کو ہماری رپورٹ کر دی گئی جس پر پولیس کے بیس سپاہی ایک ٹرک میں سوار ہو کر آ گئے اور جس مسجد میں ہماری جماعت ٹھہری ہوئی تھی اس میں داخل ہو گئے اور جماعت کے ساتھیوں کو لاٹھیوں سے اور بندوقوں کے بٹوں سے مارنا شروع کر دیا۔ ایک ایک آدمی کے اوپر تین تین چار چار سپاہی چڑھ جاتے، مارتے اور گالیاں دیتے رہے۔ جس سے ہمارے تمام ساتھیوں کا بول و براز خطا ہو گیا اور سب، مار کھا کے بے ہوش ہو گئے۔ ان ظالموں نے ہم سب کو بے ہوشی کی حالت میں اُٹھا اُٹھا کر ٹرک میں ڈال دیا اور انبالہ کی جیل میں لے گئے اور جیل کے

اندر ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں ہم سب کو بند کر دیا۔ صبح ہم سب کو کوٹھڑی سے نکالا اور تمام جیل کی گندگی ہم سے اُٹھوائی۔ اسی حالت میں تین دن گزر گئے۔ نہ ہمیں کھانے کو دیا نہ کچھ پینے کو۔

پہلی غیبی مدد:

چوتھے دن ہم تعلیم کر رہے تھے کہ ایک افسر آیا۔ اس نے ہمیں دیکھا تو دریافت کیا کہ تم یہ کیا پڑھ رہے ہو؟ ہم نے اسے اپنی تعلیم کا مقصد سمجھایا مگر اس کی سمجھ میں نہ آیا۔ اس نے ہمارے پاس سے تعلیمی نصاب کی کتاب لے لی۔ تھوڑی دیر پڑھتا رہا اور کہنے لگا کہ جب میں انقلاب سے پہلے ملتان میں تھا تو ہم اپنے بچوں کو جب ان کو کوئی تکلیف ہو جاتی تھی ان مسلمانوں کے پاس لے جاتے جو کہ تمہاری ہی طرح کے تھے۔ ان کو تبلیغی جماعت والے کہتے تھے تم بھی انہی میں سے معلوم ہوتے ہو۔ وہ لوگ اللہ کا کلام پڑھ کر دم کر دیا کرتے تھے اور ہمارے بچوں کو آرام آ جاتا تھا۔

وہ بہت اچھے لوگ تھے مجھے ان سے بڑی محبت ہو گئی تھی اگر تمہیں کسی قسم کی تکلیف ہو تو میں تمہاری مدد کرنے کو تیار ہوں۔ ہم نے کہا کہ ہمیں تنگ کوٹھڑی میں بند کیا ہوا ہے اور ہم سے قیدیوں کا پاخانہ اُٹھوایا جاتا ہے جس سے ہمارے کپڑے ناپاک ہو جاتے ہیں۔ نیز تین دن ہمیں فاقہ کرتے ہو گئے ہیں۔ اس پر اس نے جیل کے ذمہ دار افسران کو بلایا اور حکم دیا کہ فوراً ان کو بڑا کمرہ دیا جائے اور پاخانہ وغیرہ بالکل نہ اُٹھوایا جائے اور ان کا راشن جاری کیا جائے۔ آج کے بعد ان کو کوئی تکلیف نہ دی جائے۔ یہ حکم دے کر اور ہم سب سے مصافحہ کر کے وہ چلا گیا۔ اللہ پاک نے ہماری غیبی مدد فرمائی اس کے بعد ہمیں اس جیل، میں کافی آسانی ہو گئی۔ ہم اذان دے کر نماز پڑھنے لگ گئے۔ تلاش کرنے پر معلوم ہوا کہ اس جیل کے اندر ۲۵۰ مسلمان قیدی اور بھی ہیں۔ ہم نے ان کو دعوت دی تو

ان میں سے تقریباً اسی آدمی ہمارے ساتھ نماز پڑھنے لگ گئے اور تعلیم میں بھی ان میں سے اکثر شامل ہونے لگے۔ یوں اس جیل کے اندر ہمارے ۱۸ یوم گزر گئے اس کے بعد رہا کر دیا گیا۔

جیل سے رہا ہو کر ہم ریاست بوڑھیا میں چلے گئے۔اس جگہ کے حالات بھی بہت خراب تھے۔اس کی وجہ سے ہمارے گیارہ ساتھی مع دونوں جماعتوں کے امیر صاحبان چھپ کر نکل گئے۔باقی صرف گیارہ ساتھی رہ گئے۔جس کا باقی ماندہ ساتھیوں کو بڑا قلق ہوا۔مگر اللہ پاک نے ہماری مدد کی اور وہ وعدہ جو کہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ سے کیا تھا یاد دلایا جس کی وجہ سے تمام ساتھیوں کے حوصلے بلند ہو گئے اور کام کرنے کا عہد کیا۔

وہاں ایک مولانا عبدالکریم صاحب تھے۔ہم سب ساتھی مولانا کے پاس گئے اور ان کی خدمت میں عرض کر کے درخواست کی کہ آپ ہماری کارگزاری اپنی معرفت نظام الدین تبلیغی مرکز میں، حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں روانہ فرما دیں جس میں ہم نے حضرت جی کی خدمت میں یہ بھی عرض کیا تھا کہ اب ہم امیر کس کو بناویں اور آئندہ کام کیسے کریں؟ اس پر حضرت جی نے جواب میں لکھ بھیجا کہ امیر سلیمان میواتی کو بنایا جاوے اور مقامی احباب کو زیادہ تعداد میں ساتھ نہ رکھا جاوے اور قیام ہر حال میں مسجد میں کیا جاوے خواہ مسجد آباد ہو یا غیر آباد۔جماعت کو آگے بڑھایا جائے۔

دوسری آزمائش:

نظام الدین مرکز سے جب یہ پیغام پہنچا تو ہم نے یہاں سے آگے اپنا سفر شروع کر دیا۔دس یوم مختلف مقامات پر کام کرتے ہوئے ہم "اروتی" پہنچ گئے۔اس جگہ ایک بہت بڑی مسجد تھی جو ویران پڑی تھی۔ہم اس میں ٹھہر گئے۔اس جگہ پر پاکستان سے آئے ہوئے سکھ آباد تھے۔جب ان کو ہمارا پتہ چلا تو یہ سکھ بندوقیں اور رائفلیں لے کر مسجد

میں آ گئے اور ہمارے قتل کے درپے ہو گئے ۔جب ہم نے یہ حال دیکھا تو کہا کہ تم ہم کو قتل تو کرو گے ہی ہماری ایک بات مان لو کہ ہمیں قتل سے پہلے نماز پڑھ لینے دو۔اس پر وہ آمادہ ہو گئے ۔ہم نے نماز پڑھنی شروع کی اور نماز کے اندر ہم رو رہے تھے اور مالکِ حقیقی سے مدد مانگ رہے تھے کہ ان ظالموں نے نماز کی حالت ہی میں بندوقوں سے گولیاں برسانی شروع کر دیں ۔تمام ساتھی لہولہان ہو گئے ۔ہر ساتھی کے جسم کو گولیاں چیر کر پار ہو چکی تھیں اور مسجد کا صحن خون سے رنگین ہو گیا تھا ۔امیر صاحب کے پاؤں میں سے چار گولیاں پار ہو گئی تھیں ۔اللہ کی شان خود بخود گولیاں چلنی بند ہو گئیں ۔ہمارے ساتھیوں میں سے کچھ بے ہوش اور کچھ ہوش میں تھے ۔

دوسری غیبی مدد:

جب ان سکھوں نے دیکھا کہ بندوقوں سے فائر بند ہو گئے ہیں تو وہ ہم سے کہنے لگے کہ تم یہ کیا منتر پڑھ رہے ہو کہ ہماری بندوقیں خود بخود بند ہو گئیں ۔ہم فائر کرنا چاہتے ہیں مگر بندوقیں نہیں چلتیں ۔ہم نے کہا نہ ہم منتر جانتے ہیں اور نہ کوئی منتر وغیرہ پڑھتے ہیں ۔ہم تو اس مالک کا کلام پڑھ رہے ہیں جس کے قبضہ میں ہماری جان ہے ۔وہی ہماری جان کا محافظ ہے ۔موت اور زندگی اسی کے قبضہ میں ہے ۔ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں اور اسی سے دعا مانگتے ہیں وہی ہمارا خالق و مالک ہے ۔یہ سن کر وہ سب کے سب چلے گئے ۔

سکھوں پر اثر:

ہم سب ساتھیوں نے کپڑے جلا کر اپنے زخموں کو بھرا اور تمام رات اسی حال میں گزار دی ۔صبح دن نکلنے پر وہی سکھ آئے اور اپنے ساتھ ایک ڈاکٹر کو لائے ۔اس نے ہمارے زخموں پر مرہم پٹی کی اور ایک بالٹی بھی لائے جس میں دودھ تھا ۔ہم سب کو دودھ

پلایا اور کہنے لگے کہ ہم سے غلطی ہوئی ہے لیکن اب تم یہاں سے چلے جاؤ۔ایک سکھ ہماری رہبری کے لیے ہمارے ساتھ چلا جو مسلمانوں کو بلاتا اور ہم سے ملواتا۔ بات کراتا، یہ سکھ پانچ دن ہمارے ساتھ رہا اور پنجابی زبان میں اس نے چھ نمبر لکھے اور یاد بھی کیے۔کلمہ، نماز کے متعلق ہم سے پوچھتا رہا۔اس کے جانے کے بعد ہم اس علاقے میں چھ دن تک کام کرتے رہے۔

ہماری گرفتاری:

یہاں سے ہماری جماعت خضر آباد کی جامع مسجد میں پہنچ گئی۔اس مسجد کے ایک حصہ میں حکومت نے محکمہ ''گھر بساؤ گڈ مشن'' قائم کیا ہوا تھا۔اس محکمہ والوں نے ہمارے نام لکھ لیے اور پولیس کو اطلاع دے دی۔ان کی رپورٹ پر پولیس آ گئی اور ہم سب کو گرفتار کر لیا۔خضر آباد سے باہر ایک بہت بڑی حویلی تھی جس کی بڑی سی چار دیواری اور اندر ایک کنواں تھا۔انقلاب کے زمانے میں یہاں پر مسلمانوں کا قافلہ آ کر ٹھہرا تھا۔ مسلمانوں پر حملہ کر کے سب کو ختم کر دیا گیا تھا اور ان کی لاشوں کو اس حویلی کے اندر جو کنواں تھا اس میں ڈال دیا تھا۔چنانچہ ہم کو اس حویلی کے اندر بند کر کے دروازے پہ قفل لگا دیا گیا۔جب ہمیں پیاس نے ستایا تو اس کنویں کے اندر ہم نے پانی نکالنے کے لیے بالٹی ڈالی۔بالٹی میں بدبودار پانی آیا۔ہم نے بہ امر مجبوری اس سے اپنی پیاس بجھائی۔چھ روز تک ہم اسی حویلی میں بھوک اور پیاس کی حالت میں پڑے رہے۔چھ دن کے بعد پولیس والوں نے حویلی کا دروازہ کھولا تو ہمیں زندہ دیکھ کر حیران رہ گئے کیونکہ ان کا گمان تھا کہ یہ بھوکے پیاسے مرجائیں گے اور پھر ان کو بھی اسی کنویں میں پھینک دیں گے۔پولیس والوں نے اردگرد کے رہنے والے لوگوں سے پوچھا کہ تم میں سے کسی نے حویلی کا دروازہ تو نہیں کھولا ہے۔دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ کسی نے بھی نہیں کھولا۔اس کے بعد انہوں نے ہم کو حویلی کے اندر سے نکالا اور کہنے لگے کہ حکومت کا

حکم تھا اس لیے ہم نے تم کو یہاں بند کر دیا تھا۔ ہم نے تمہارے اندر کوئی شر کی بات نہیں دیکھی۔ لہٰذا اب تم یہاں سے پہاڑی علاقہ ناہا میں چلے جاؤ چنانچہ ہم یہاں سے علاقہ ناہان میں آ گئے۔

تیسری آزمائش:

اس علاقہ میں ہم نے پندرہ دن کام کیا اور مرتدوں کو دوبارہ اسلام میں داخل کیا۔ اس علاقہ میں مایوس ہو کر مرتد ہو جانے والوں کی ہماری باتوں سے بڑی حوصلہ افزائی ہوئی اور کافی تعداد میں وہ دوبارہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ مگر ان میں جو منافق قسم کے لوگ تھے انہوں نے پولیس کو اطلاع دے دی کہ اس قسم کے لوگ علاقہ میں آئے ہوئے ہیں جو مرتد مسلمانوں کو دوبارہ اسلام میں داخل کر رہے ہیں۔ اس رپورٹ پر پولیس آ گئی اور ہم سب کو گرفتار کر کے دریائے جمنا کے پل مقام تاجے والا پر لے گئے۔ راستہ میں ہمیں بندوقوں کے بٹوں سے مارتے، گالیاں دیتے، جب ہم مقام تاجے والا کے پل پر پہنچ گئے تو انہوں نے ہماری تلاشی لی اور پیسے وغیرہ سب چھین لیے اور ہمارے کپڑے وغیرہ سب اُتروا لیے اور ایک ایک کر کے سب کو پل پر سے دریا میں پھینکنا شروع کر دیا۔ اس وقت دریا میں زبردست طغیانی آئی ہوئی تھی کہ دریا کے کنارے جو پانچ دیہات آباد تھے یہ پانچ گاؤں مدھا، لیش پور، کڈھی، اروتی وغیرہ بہہ گئے تھے۔ جب ہمیں دریا میں پھینکا جاتا، پانی سے غوطہ کھا کر اوپر آتے تو سوائے پانی اور آسمان کے ہمیں کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اس دوران ہمارے سب ساتھی بے ہوش ہو گئے۔

تیسری غیبی مدد:

ہم اسی بے ہوشی کی حالت میں بہتے چلے جا رہے تھے کہ اللہ پاک کی شان کہ دریا کے اندر ایک بہت بڑا کیکر کا درخت مع شاخوں کے پڑا ہوا تھا۔ ہم تمام ساتھی اس درخت میں جا کر اُلجھ گئے۔ جس وقت ہم درخت میں اُلجھے ہوئے تھے تو ایک آواز سنائی

دی کوئی کہہ رہا ہے کہ ہائے میرا اسحان خاں رہ گیا۔ جب یہ آواز کان میں پڑی تو دیکھا کہ تمام درخت میں اُلجھے پڑے ہیں اور یہ آواز ہمارے ایک ساتھی کی تھی۔ جو بے ہوشی کی حالت میں اپنے بیٹے کے لیے کہہ رہا تھا۔ میں نے (میاں جی سلیمان امیر جماعت) سے کہا یہ وقت اہل وعیال کو یاد کرنے کا نہیں ہے بلکہ اس پاک ذات کو یاد کرنے کا ہے جس نے ہمیں اب تک ان حالات میں بچایا اور زندہ رکھا اب اس بات کی دعا کرو کہ اللہ پاک موت دے تو ایمان پر دے اور اگر اس پاک ذات نے ہم سے اپنے دین کا کام لینا ہے تو اسلام پر قائم رکھے۔ اللہ پاک ہمیں اپنے فضل سے ذریعہ بنا کر مشرقی پنجاب کے تمام مرتدوں کو دوبارہ اسلام کی دولت سے نواز دے گا۔ یہ ہمارا ایمان ویقین ہے۔ اللہ پاک ہمارے ساتھ ہے۔ جس ذات نے اب تک بچایا ہے وہ ہی ہم سے اپنے دین کا کام لے گا۔

چوتھی آزمائش اور نصرتِ ایزدی:

اب تم درخت کا سہارا چھوڑ دو اور اللہ کے بھروسے پر دریا کے کنارے کی طرف چلو۔ یہ بات ہو رہی تھی کہ دریا کے اندر زبردست لہر آئی جو ہم کو بھی بہا کر لے گئی اور وہ درخت بھی دریا کی لہروں میں بہہ گیا۔ پھر ہمیں کسی کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ اللہ پاک بہتر جانتے ہیں کہ اس ذات نے کس طرح بچایا اور ہم سب کو دریا سے نکال کر خشک زمین پر پھینک دیا۔ حالات یہ تھے جس جگہ ہم ریت پر پڑے تھے وہاں سے دریا کا رخ دو طرف کو ہو جاتا ہے۔ یعنی دریا کی ایک شاخ کھدر آباد کی طرف اور دوسری بجنور کی طرف جاتی ہے۔ درمیان میں خشک ریت ہے۔ اس جگہ سے آگے عبد اللہ پور کے مقام پر ایک پل ہے۔ اس پل کے نیچے لوہے کی جالیاں لگی ہوئی ہیں اور یہاں پر پولیس چوکی بھی ہے اور ایک ہسپتال بھی۔ اگر کوئی لاش وغیرہ بہہ کر آوے، ان جالیوں میں اٹک جاوے اور

اس کو نکال لیا جاوے اور اگر کوئی زندہ بچ جائے تو اس کو ہسپتال میں داخل کر دیا جائے۔ چنانچہ جس پولیس نے ہمیں دریا میں پھینکا تھا اس نے عبداللہ پور کے مقام پر پولیس کو اطلاع دے دی تھی کہ ہم نے ۱۲ مسلمانوں کو دریا برد کیا ہے۔ ان کی لاشوں کو مت نکالنا بلکہ آگے دریا میں بہا دیا جاوے۔ اللہ کی شان کہ اس نے ہمیں دریا سے نکال کر پہلے ہی ریت پر ڈال دیا تھا۔ دریا کے کنارے مچھلی پکڑنے والے اور دھوبی کپڑے دھونے والے موجود تھے جو ہم کو دیکھ کر دور ہٹ گئے۔ جب سورج کی تپش سے ہمارے جسم گرم ہوئے تو ہوش آیا تو دیکھا کہ ہمارے آنکھ، کان، ناک میں مٹی بھری ہوئی تھی اور ہمارے تمام ساتھیوں کے جسم اکثر ننگے تھے۔ ہم نے اپنی انگلیوں سے اپنے کان، ناک اور آنکھوں سے مٹی نکالی اور سب ایک جگہ اکٹھے ہو گئے۔ کیونکہ ہم سب ساتھی ایک مربع زمین کے فاصلے سے جگہ جگہ پڑے ہوئے تھے۔

کپڑے پھاڑ کر ستر چھپایا:

اس وقت دن کے بارہ بج چکے تھے اور جمعہ کا دن تھا۔ ہمیں دریا میں جمعرات کو بارہ بجے پھینکا گیا تھا۔ گویا چوبیس گھنٹے ہم پانی میں رہے اور ہمارے جسموں پر جو زخموں کے نشان تھے وہ پانی کی وجہ سے سفید ہو گئے تھے۔ اللہ پاک نے غیبی امداد فرمائی کہ ہمارے ایک ساتھی نے اپنے کپڑوں کی گٹھڑی کمر سے باندھ رکھی تھی۔ خدا کی شان ان پولیس والوں نے اس ساتھی کو کپڑوں سمیت دریا میں پھینک دیا تھا اور یہ گٹھڑی بدستور اس کی کمر پر بندھی ہوئی تھی۔ اس میں دو چادر ایک کرتہ اور ایک پگڑی تھی۔ ہم سب ساتھیوں نے پھاڑ پھاڑ کر اپنے ستر ڈھانکے اور یہاں سے خضر آباد کی جامع مسجد میں پہنچ گئے، جمعہ کا دن تھا اس مسجد میں دیہات کے لوگ جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے آئے ہوئے تھے۔ یہ لوگ ہمیں دیکھ کر گھبرا گئے اور مسجد کے اندر داخل نہیں ہونے دیا۔ کہنے

لگے تم کون لوگ ہو۔ مگر ہم زبردستی مسجد میں داخل ہو گئے اور مسجد کے ایک کونے میں بیٹھ کر ذکر اذکار میں مشغول ہو گئے۔ ان لوگوں نے اسی پولیس کو جس نے ہمیں تاج والا کے مقام پر پل پر سے دریا میں پھینکا تھا، اطلاع دے دی کہ اس قسم کے ۱۱ آدمی ہیں اور جامع مسجد خضر آباد میں موجود ہیں۔ انہوں نے فوراً دو سپاہی بھیج دیے تاکہ مسجد کے اندر سے کسی کو باہر نہ نکلنے دیں۔ ان دونوں سپاہیوں نے مسجد کے دروازہ پر پہرہ لگا دیا اور حکم دیا کہ مسجد کے اندر جس قدر بھی لوگ ہیں سب مسجد کے اندر رہیں۔ اگر کوئی شخص باہر آئے گا تو ہم اس کو گولی مار دیں گے۔ اس حکم کو وہ لوگ سن کر بہت گھبرائے اور ہمیں برا بھلا کہنے لگے کہ یہ کہاں سے آ گئے۔ انہوں نے اپنے ساتھ ہم کو بھی مصیبت میں پھنسایا ہے نہ معلوم اب ہمارا کیا حشر ہو گا۔

غیبی مدد، سکھوں کا مسلمان ہونا:

تھوڑی دیر کے بعد اور پولیس آ گئی جن میں انسپکٹر کرتار سنگھ، سب انسپکٹر کرم سنگھ، درگا پرشاد، جیسا لال اور سمیر سنگھ وغیرہ تھے۔ انہوں نے مسجد کے اندر داخل ہو کر تمام مجمع کو ایک جگہ اکٹھا کر لیا ان میں ہم بھی شامل تھے۔ انسپکٹر کرتار سنگھ نے سب کے سامنے تمام حالات بیان کیے کہ جس طرح ہم کو دریا میں ڈالا تھے کہنے لگے کہ ہم نے ان کے ساتھ بڑے ظلم کیے تھے۔ ان سب کو ننگا کر کے دریا میں ڈالا تھا کہ یہ ختم ہو جاویں اور دریا میں ڈوب کر مر جائیں۔ عجیب ماجرا ہے کہ یہ کیسے بچ گئے۔ معلوم ہوتا ہے ان کے ساتھ کوئی زبردست طاقت ہے۔ جو ان کو ہر جگہ اور ہر حال میں بچا رہی ہے۔ آج ہم بھی اسی غیبی طاقت پر جو ان کی محافظ اور نگہبان ہے ایمان لاتے ہیں اور اسلام میں داخل ہوتے ہیں۔ انہوں نے ہم سے کہا کہ اب تم ہم کو اسلام میں داخل کر لو۔ ہم نے اس مذہب کے اندر کھلی غیبی مدد دیکھ لی ہے۔ ہم نے ان سے کہا کہ ہم تو سب ان پڑھ ہیں۔ ہم خود دین کو سیکھنے کے لیے

نکلے ہیں۔اس مجمع کے اندر عالم اور دین دار لوگ موجود ہیں جن میں پانی پت کے امام مسجد اور علاقہ کے ذمہ دار محمد تقی صاحب تھے۔انہوں نے ان کو غسل دلا کر کلمہ پڑھایا اور پورے طریقہ سے دین اسلام میں داخل کرلیا۔انہوں نے ہم سے کہا اب تم بالکل آزاد ہو۔تم پر آج سے کوئی پابندی نہیں ہے۔

نصرتِ خداوندی کا نظارہ:

ہماری آزادی اور سکھوں کے اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے ہمارے لیے کپڑے منگائے۔دودھ، مٹھائی اور کھانا وغیرہ خوب کھلایا۔جس وقت ہم کھانے پر بیٹھے اس وقت چھ بج چکے تھے۔گویا تیس گھنٹے کے بعد اللہ پاک نے ہمیں کھانا کھلایا اور اپنی قدرت سے یہ تیس گھنٹے کا عرصہ اپنی حفاظت میں رکھ کر پورا فرمادیا اور ہمارا یہ عشرہ بڑے اعزاز واکرام میں گزرا۔دور دراز سے مسلم اور غیر مسلم ہماری زیارت کو آتے اور دعائیں کراتے تھے۔بہت سے مرتد خود بخود دوبارہ اسلام میں داخل ہوگئے۔

یہاں سے ہم نے اپنی کارگزاری تبلیغی مرکز کو روانہ کی۔حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے میاں جی دین محمد مرچونی صاحب کو رقم وغیرہ دے کر ہمارے پاس بھیجا اور فرمایا کہ میاں جی کے ہمراہ واپس نظام الدین آجائیں۔چنانچہ ساڑھے پانچ ماہ کا کم وبیش عرصہ گزار کر ہم میاں جی کے ہمراہ مرکز نظام الدین، حضرت مولانا محمد یوسف نوراللہ مرقدہ کی خدمت میں پہنچ گئے۔حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیل سے ہماری تمام کارگزاری سنی اور خوب دعائیں دیں۔

کارگزاری مطبوعہ صدیقی کتاب گھر، بستی حضرت نظام الدین دہلی، ص ۲۵۔۸، مختصر

اپنی ذات کے لیے عمر بھر کھانا نہیں کھایا، کرامت

قصبہ پانی پت کا ضلع کرنال ہے۔ان دونوں کے درمیان جمنا چلتی تھی۔معلوم نہیں ابھی ایسا ہے یا نہیں۔جمنا کا ہر جگہ دستور یہ ہے کہ خشکی کے زمانہ میں لوگ جاتے ہاتھ میں لے کر پار ہو جاتے ہیں۔جہاں پانی زیادہ ہو وہاں کشتیاں کھڑی رہتی ہیں۔ملاح دو چار پیسے لے کر ادھر سے اُدھر پہنچا دیتے ہیں لیکن جب جمنا طغیانی پر ہو تو پھر عبور کرنا ناممکن ہوتا ہے۔ایک شخص پانی پت کا رہنے والا جس پر خون کا مقدمہ کرنال میں تھا اور جمنا میں طغیانی اور نہایت زور۔وہ ایک ایک ملاح کی خوشامد کرتا مگر ہر شخص کا ایک جواب کہ تیرے ساتھ اپنے آپ کو بھی ڈبوئیں گے۔

وہ بے چارہ غریب پریشان روتا پھر رہا تھا۔ایک شخص نے اُس کی بدحالی دیکھ کر کہا کہ اگر میرا نام نہ لے تو ترکیب بتلاؤں۔جمنا کے قریب فلاں جگہ ایک جھونپڑی ہے اُس میں ایک صاحب مجذوب قسم کے رہتے ہیں، ان کے سر ہو جا۔خوشامد، منت سماجت جو کچھ تجھ سے ہو سکے کسر نہ چھوڑنا اور وہ جتنا بھی برا بھلا کہیں حتیٰ کہ اگر تجھے ماریں بھی تو منہ نہ موڑنا۔چنانچہ یہ شخص ان کے پاس گیا اور اُن کی خوشامد کی۔انہوں نے اپنی عادت کے موافق خوب ملامت کی کہ میں کوئی خدا ہوں، میں کیا کر سکتا ہوں اللہ سے مانگو۔مگر جب یہ روتا ہی رہا (اور رونا تو بڑے کام کی چیز ہے اللہ تعالیٰ مجھے بھی نصیب فرمائے) تو ان بزرگ نے کہا کہ جمنا سے کہہ دے کہ اس شخص نے جس نے عمر بھر اپنی ذات کے لیے نہ کچھ کھایا نہ خواہش سے بیوی کے پاس گیا اس نے بھیجا ہے کہ مجھے راستہ دے دے۔ چنانچہ یہ گیا یوں کہا اور جمنا نے راستہ دے دیا۔اس کا تو کام ہو گیا۔اس میں کوئی استبعاد نہیں۔پہلے انبیاء کے معجزات اس اُمت کی کرامات ہیں اور پانی پر چلنے کے قصے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تواریخ میں منقول ہیں اور کراماتِ صحابہ رضی اللہ عنہم تو مستقل ایک رسالہ حضرت

تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے لکھا گیا تھا جس میں علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ صحابی کی ماتحتی میں ایک جہاد میں جو کسریٰ سے ہوا تھا سمندر میں گھوڑے ڈال دینا اور سمندر کو پار کر لینا جس میں زینیں بھی نہ بھیگیں نقل کیا گیا۔ عامل کسریٰ یہ دیکھ کر ایک کشتی میں بیٹھ کر یہ کہتا ہوا بھاگ گیا کہ ہم ان سے ہم نہیں لڑ سکتے۔ اس واقعہ کو ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ اور تاج الدین سقطی رحمۃ اللہ نے بھی مختصراً ذکر کیا ہے۔

اس جھونپڑی میں جس کا اوپر ذکر آیا اُن بزرگ کے بیوی بچے بھی تھے۔ بعض دین داروں کی بیویاں ذرا ٹیڑھے مزاج کی ہوتی ہیں۔ یہ بے چارے اس فکر میں رہتے ہیں کہ زیادتی نہ ہو جائے وہ اس سے غلط فائدہ اُٹھا کر سر پر چڑھ جاتی ہیں۔ ان بزرگ کی بیوی نے رونا شروع کیا کہ تو نے عمر بھر کچھ کھایا نہیں بغیر کھائے پل رہا ہے، اس کو تو جانے تیرا اللہ جانے۔ مگر تو نے جو یہ کہا کہ میں بیوی کے پاس کبھی نہیں گیا تو یہ اولاد کہاں سے آ گئی؟ انہوں نے ہر چند سمجھایا کہ یہ میری ہی اولاد ہے۔ میں نے ان کے اولاد ہونے سے انکار نہیں کیا۔ مگر اس نے رونا چلانا شروع کیا کہ تو نے میرا منہ کالا کر دیا۔ وہ ساری دنیا میں جا کر کیا کہے گا کہ پیر صاحب بیوی کے پاس تو گئے نہیں یہ اولاد کہاں سے آ گئی۔ ہر چند پیر صاحب نے سمجھانا چاہا مگر اس کی عقل میں نہیں آیا۔ جب بہت دیر ہو گئی تو ان پیر صاحب نے یوں کہا کہ میں نے ساری عمر خوب کھایا اللہ کا شکر ہے اور صحبت بھی کی تجھے بھی معلوم ہے لیکن بات یہ ہے کہ میں نے بچپن میں ایک مولانا سے وعظ میں ایک بات سنی تھی وہ یہ کہ جو کام اللہ کے واسطے کیا جائے وہ دنیا نہیں دین بن جاتا ہے اور عبادت اور ثواب بن جاتا ہے۔ اس وقت سے میں نے جب بھی کوئی چیز کھائی تو اس نیت سے کھائی کہ اس سے اللہ کی عبادت پر قوت حاصل ہو یا اس نیت سے کھائی کہ لانے والے اور کھلانے والے کا دل خوش ہو۔ اسی طرح میں شادی کے بعد تیرے پاس گیا لیکن وہ بات پہلے سے سنی ہوئی تھی اس لیے جب بھی میں تیرے پاس گیا تیرا حق ادا کرنے کی نیت پہلے سے کر لی

کہ اللہ نے بیوی کا حق رکھا ہے میں اللہ کا حکم پورا کر رہا ہوں۔

میں نے یہ قصہ اپنے والد صاحب سے بار بار ایسے ہی سنا۔ مگر مولانا الحاج ابوالحسن علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت الحاج شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی نقشبندی بھوپالی رحمۃ اللہ علیہ کے جو ملفوظ جمع کیے ہیں اس کے صفحہ ۱۶۵ ۳ پر یہ قصہ کچھ دوسری نوع سے نقل کیا ہے۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں:

خدا یاد آئے جن کو دیکھ کر وہ نور کے پتلے
نبوت کے یہ وارث ہیں یہی ہیں ظل رحمانی
یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
انہیں کے اتقاء پر ناز کرتی ہے مسلمانی
انہیں کی شان کو زیبا نبوت کی وراثت ہے
انہیں کا کام ہے دینی مراسم کی نگہبانی
رہیں دنیا میں اور دنیا سے بالکل بے تعلق ہوں
پھریں دریا میں اور ہرگز نہ کپڑوں کو لگے پانی
اگر خلوت میں بیٹھے ہوں تو جلوت کا مزہ آئے
اور آئیں اپنی جلوت میں تو ساکت ہو سخن دانی

اکابر کا سلوک و احسان از شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ ص ۲۹ تا ۳۱، ادارہ اسلامیات لاہور

ماں......! تیری ممتا کو سلام!

ماں کمرے میں اپنے ننھے بچے کو لیے بیٹھی تھی کہ اچانک زلزلہ آیا اور پوری عمارت دھڑام سے آ گری اور ڈھیر میں تبدیل ہو گئی۔ایک بڑی دیوار ماں اور اس کے ننھے بچے پر اس طرح آ گری کہ نیچے کچھ خلا رہ گیا جس میں ماں اور بچہ کچلنے سے محفوظ رہ گئے تھے۔ماں کو اپنے سے زیادہ اپنے ننھے بچے کی فکر تھی جس پر ٹنوں من وزنی ملبہ پڑا تھا اور نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔تاہم ماں کو کچھ اُمید تھی کہ شاید کچھ دنوں بعد ملبہ ہٹالیا جائے اور ہم موت کے منہ سے بچ نکلیں۔اس دوران بچہ رویا تو ماں نے تڑپ کر اُسے سینے سے لگا کر دودھ پلایا جس سے بچہ چپ ہو گیا۔جب بچہ روتا تو ماں اپنے سینے سے لگا کر دودھ پلا دیتی جس سے وہ چپ ہو جاتا۔آخر دودھ کم ہوتا گیا۔دوسرے دن ماں کے سینے میں بچہ کے لیے بہت کم دودھ رہ چکا تھا۔بچہ بھوک سے روتا رہا۔ماں کی پریشانی اب بڑھتی جارہی تھی۔آخر تیسرے دن دودھ بالکل ختم ہو گیا۔بچہ کی بھوک سے بے تاب حالت دیکھ کر ماں تڑپ اُٹھی۔بالآخر ماں اور بچہ نڈھال ہو کر بے ہوش ہو گئے۔ماں کو جب ہوش آیا تو اس نے خود کو ہسپتال کے بیڈ پر پایا۔ارد گرد ڈاکٹر موجود تھے جو ماں کے ہاتھوں کی زخمی انگلیوں کو دیکھ کر حیران تھے۔ہوش آنے پر ڈاکٹروں نے خاتون سے پوچھا کہ آپ کے ہاتھوں کی سب انگلیاں کیوں زخمی ہیں؟

ماں نے بتایا کہ جب تیسرے دن میرے سینے میں دودھ بالکل ختم ہو گیا اور بچہ بھوک میں تڑپ رہا تھا تو میں بہت پریشان تھی اور سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ آخر بچے کی بھوک کس طرح دور کروں؟ اچانک میرے ذہن میں ایک تدبیر آئی۔اگلے ہی لمحے میں نے دانتوں سے اپنی ایک انگلی کاٹی جس سے خون بہنا شروع ہو گیا۔میں نے وہ انگلی بچے کے منہ میں ڈالی تو بچے نے اُسے چوسنا شروع کر دیا اور چپ ہو گیا۔پھر جب بچہ رو دیا

تو دوسری انگلی کاٹی اور بچے کو چوسوائی۔ اب جب وہ روتا تو میں ایک انگلی دانتوں سے کاٹتی اور بچے کے منہ میں ڈال دیتی۔ بچہ خون پی لیتا اور چپ ہو جاتا۔ اسی طرح میں اپنے ننھے بچے کو اپنی انگلیوں کا خون پلاتی رہی۔ اب میری کسی قدر پریشانی کم ہوئی کہ بچے کے لیے خون کی خوراک کا انتظام ہو گیا تھا۔ بالآخر میں نڈھال ہو کر بے ہوش ہو گئی اور بچہ بھی غذا نہ ملنے کی وجہ سے نڈھال ہو کر بے ہوش ہو گیا۔ لوگ ماں کی اس عظیم قربانی اور اس حیرت انگیز محبت کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ دینی اعتبار سے کسی کو خون پلانا اگرچہ درست نہیں لیکن یہ ماں کی ممتا تھی کہ اس نے اس مصیبت کے وقت میں اپنی جان داؤ پر لگا دی۔

ماہنامہ علم و عمل لاہور، اکتوبر ۲۰۱۴ء ص ۳۲

کہیں تم اخلاق بگاڑنے والے ماحول میں نہ پھنس جاؤ

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی ملاقات جب اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام سے مصر میں ہوئی تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا ابا جی! آپ نے میری جدائی میں رو رو کر اپنی آنکھیں بھی سفید کر لی ہیں آپ میری جدائی میں چالیس سال روتے رہے۔ یہاں تک کہ بینائی بھی چلی گئی۔ اگر دنیا میں ہماری ملاقات نہ ہوتی تو قیامت کے دن میدانِ محشر میں تو ہو ہی جاتی۔ پھر آپ اس قدر کیوں روئے؟ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جو جواب دیا وہ آج بھی سنہری حروف میں لکھ کر ہر والد اپنی اولاد کے لیے گھر میں ایسی جگہ لگائے جہاں چوبیس گھنٹے نظر پڑتی رہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا ''میرے پیارے یوسف! میں تیری جدائی میں نہیں رویا، میں نے ایک آنسو بھی تمہاری جدائی میں نہیں نکالا۔ میں تو اس لیے روتا رہا کہ جب تم مجھ سے جدا ہوئے تو تمہارا بچپن تھا اور مجھے ہر وقت خطرہ محسوس ہوتا رہتا تھا کہ تم کسی ایسے ماحول میں نہ چلے جاؤ یا کہیں ایسے اخلاق خراب کرنے والے لوگوں کی صحبت میں نہ پھنس جاؤ جو تمہیں خاندانِ نبوت کے اخلاق سے دور کر دیں۔

تفسیر کبیر، علامہ فخر الدین الرازی

خطبات فقیر، پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم، ۴/ ۱۷۶

زادِ راہ کے بغیر سفرِ حج

مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حج کے راستوں میں ایک نوجوان لڑکے کو دیکھا جو بدون زادِ راہ کے جارہا تھا۔ میں نے کہا کہ تم بغیر زادِ راہ کے اتنا لمبا سفر کرتے ہو؟ کہا:

وفدت علی الکریم بغیر زاد　　من الحسنات والقلب السلیم
فان الزاد اقبح کل شئ　　اذا کان الوفود علی الکریم

ہاں میں یوں ہی خالی ہاتھ جارہا ہوں۔ کیونکہ کریم کے گھر پر توشہ باندھ کر لے جانا نازیبا ہے۔ اس جواب سے میں سمجھا کہ نوجوان عارف ہے معمولی آدمی نہیں۔ اس کے بعد احرام کا وقت آیا تو سب نے احرام باندھ کر لبیک کہا مگر اس لڑکے کا چہرہ مارے خوف کے زرد ہوگیا اور اس کے منہ سے لبیک نہ نکلا۔ میں نے کہا صاحبزادے تلبیہ کیوں نہیں کہتے؟ کہا ڈرتا ہوں کہ میں تو لبیک کہوں اور وہاں سے جواب آئے:

لَا لَبَّیْكَ وَلَا سَعْدَیْكَ وَحَجُّكَ مَرْدُوْدٌ عَلَیْكَ

غرض تمام اعمال حج میں اس کی ایک نئی شان ظاہر ہوتی تھی حتیٰ کہ منیٰ میں جب حجاج قربانی کرنے لگے تو نوجوان نے حسرت کے ساتھ آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور عرض کیا اے اللہ! آپ کے سب بندے آپ کی جناب میں نذریں پیش کر رہے ہیں مگر میرے پاس کچھ نہیں جو پیش کروں ہاں یہ جان حقیر ہے اگر قبول ہو تو جان حاضر ہے۔ یہ کہنا تھا کہ دفعتاً ایک چیخ ماری اور جاں بحق ہوگیا۔

مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس نوجوان نے ہم سب کو میدانِ عشق میں پیچھے چھوڑ دیا اور عشاق کے دل پر خاص نشان لگا دیا۔ اس کے بعد ہم نے اس کو غسل د

کفن دے کر نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا۔ پھر مجھے غنودگی طاری ہوئی تو میں نے ایک غیبی آواز سنی کہ اے مالک! اس سال اس نوجوان کی برکت سے سب حاجیوں کا حج قبول کیا گیا اور اس کی قربانی کی برکت سے سب کی قربانیاں قبول ہو گئیں۔

تو حاجو! جو ایسا عاشق ہو اس کو بغیر زادِ راہ کے سفر حج کی اجازت ہو سکتی ہے ہر شخص کو نہیں۔

مواعظ اشرفیہ، جلد ۱۰، ص ۱۳۵

بادشاہوں کے ساتھ سواری کے قابل

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حضر موت (ایک علاقے کا نام ہے) میں زمین کا ایک ٹکڑا بطور جاگیر عطا فرمایا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے ساتھ بھیجا تھا کہ وہ زمین ان کے حوالے کر دیں۔

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ حضر موت کے نواب اور بڑے سردار تھے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ "حضر موت" کی طرف روانہ کیا تو حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ اونٹ پر سوار تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی سواری نہیں تھی۔ اس لیے وہ پیدل ان کے ساتھ روانہ ہوئے۔ راستے میں جب صحرا (ریگستان) میں دھوپ تیز ہوگئی اور گرمی بڑھ گئی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاؤں جلنے لگے۔ انہوں نے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ گرمی بہت ہے اور میرے پاؤں جل رہے ہیں۔ تم مجھے اپنے ساتھ اونٹ پر سوار کرلو تاکہ میں گرمی سے بچ جاؤں تو انہوں نے جواب میں کہا۔

لَسْتَ مِنْ اَرْدَافِ الْمُلُوْكِ

"تم بادشاہوں کے ساتھ سوار ہونے کے قابل نہیں ہو"

ہاں ایسا کرو کہ میرے اونٹ کا جو سایہ زمین پر پڑ رہا ہے تم اس سایہ میں چلتے ہوئے میرے ساتھ آجاؤ۔ چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ سے یمن تک پورا راستہ اسی طرح طے کیا۔ اس لیے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھ جانے کا حکم فرمایا تھا جس کی تعمیل بہر حال ضروری تھی چنانچہ وہاں پہنچ کر زمین ان کے حوالے کی پھر واپس تشریف لے آئے۔ بعد میں اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خود خلیفہ بن گئے۔ اس وقت یہی حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ جو پہلے ایمان لائے تھے، جنہیں وہ زمین دی گئی تھی جنہوں

نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ سوار بھی نہیں کرایا تھا جب وہ آپ سے ملاقات کے لیے یمن سے دمشق تشریف لائے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے باہر نکل کر ان کا استقبال کیا اور ان کی عزت وتکریم کی اور ان کے ساتھ حسن سلوک کیا۔ یعنی اس سابقہ واقعہ کی وجہ سے انہیں کسی طرح شرمندہ بھی نہیں کیا۔

درس ترمذی، از افادات مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ العالی، جلد ۴، ص ۳۴۷
مشاہیر علماء الامصار، ابو حاتم الدارمی، ۱/ ۷۷، دار الوفاء للطباعۃ

اپنے معاملات میں بہتری لائیے!

ایک بزرگ نے بڑی عبرت کا واقعہ سنایا کہ ان کے زمانے میں ایک بہت بڑے عالم تھے۔ جب ان کا انتقال ہوگیا۔ انتقال کے بعد ان کے کسی شاگرد نے ان کو خواب میں دیکھا کہ وہ برہنہ جسم کے ساتھ ایک چٹیل میدان میں دوپہر کی سخت گرمی سے بے چین ہوکر اور پریشان ہوکر ادھر سے ادھر دوڑ رہے ہیں۔ شاگرد نے ان سے پوچھا کہ حضرت! آپ نے تو ساری زندگی اطاعت میں، عبادات میں، خدمتِ دین میں گزاری، مخلوق کی اصلاح اور تربیت میں گزاری، کیا ان میں سے کوئی عبادت قبول نہیں ہوئی؟ انہوں نے جواب میں ارشاد فرمایا ایسا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے جن اعمال صالحہ کی توفیق دی تھی وہ سب قبول ہوگئے لیکن جس عذاب کے اندر میں مبتلا ہوں وہ ایک سوئی کی وجہ سے ہو رہا ہے۔

شاگرد نے پوچھا وہ کیسے؟ انہوں نے جواب دیا کہ انتقال سے چند روز پہلے میں اپنا ایک کپڑا سینے کے لیے سوئی مانگ کر لایا تھا کپڑا سی کر میں نے سوئی الماری میں رکھ دی واپس کرنا یاد نہ رہا اور اس کے بعد میرا انتقال ہوگیا۔ اب یہ عذاب جو تم دیکھ رہے ہو اسی ایک سوئی کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ تم صبح بیدار ہوکر میرے گھر جانا اور گھر والوں سے کہنا کہ الماری میں فلاں جگہ پر وہ سوئی رکھی ہوئی ہے۔ چنانچہ وہ شاگرد صبح اٹھ کر سیدھے استاد کے گھر پہنچے اور گھر والوں سے پوچھا کہ فلاں الماری میں فلاں جگہ پر کوئی سوئی رکھی ہے یا نہیں؟ گھر والوں نے دیکھ کر بتایا، ہاں رکھی ہے۔ اس نے پوچھا کہ تمہیں معلوم ہے یہ سوئی کس کی ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ہاں مرحوم فلاں پڑوسی سے لائے تھے اور ہم نے سوچا کہ ذرا آنے جانے والوں کا سلسلہ ختم ہو تو یہ سوئی ان کو واپس کر دیں گے۔

شاگرد نے بتایا کہ میں نے ان کو خواب میں دیکھا ہے کہ وہ اس سوئی کی وجہ سے

عذاب میں مبتلا ہیں اس لیے وہ سوئی تم مجھے دے دو تا کہ میں جلدی سے پڑوسی کو پہنچا دوں اور ان کی طرف سے تاخیر کی معافی بھی مانگ لوں۔ چنانچہ شاگرد نے وہ سوئی لے کر پڑوسی کو دی اور ان کو بتایا کہ اس سوئی کی وجہ سے ان کو عذاب ہو رہا ہے۔ وہ پڑوسی بھی سن کر رو پڑا کہ اتنی معمولی سی چیز کی وجہ سے ان کو عذاب ہو رہا ہے۔ میں نے اللہ کے لیے ان کو معاف کیا۔ یا اللہ! آپ بھی اپنی رحمت سے ان کو معاف فرما دیں اور ان کا عذاب دور فرما دیں۔

وہ شاگرد کہتے ہیں کہ جب رات کو میں سویا تو دوبارہ میں نے ان کو خواب میں دیکھا لیکن اب منظر بدلا ہوا تھا۔ اب حضرت ایک خوبصورت اور سرسبز وشاداب باغ کے بیچوں بیچ ایک مسہری پر آرام فرما ہیں۔ چاروں طرف حشم وخدم موجود ہیں۔ پھلوں اور پھولوں کے درخت لگے ہوئے ہیں اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہیں۔ میں نے قریب جا کر ان کو سلام کیا اور پوچھا کہ اب کیا حال ہے؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ جس وقت تم نے پڑوسی کو سوئی پہنچائی اور اس نے یہ کہا کہ میں اللہ کے لیے معاف کرتا ہوں بس اسی لمحے میرا وہ عذاب ٹل گیا تھا اور اب جو نعمتیں تم دیکھ رہے ہو، اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے خدمتِ دین کی جو توفیق عطا فرمائی تھی اسی کا صلہ وثمر ہیں۔

وراثت کی تقسیم، مفتی عبد الرؤف سکھروی مدظلہ العالی ص ۱۸۹

ایسے غلام کو سمندر میں ڈبو دیا جائے!

ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام، فرعون کے پاس ایک استفتاء (سوال نامہ) لیکر آئے جس میں درج تھا کہ اُس غلام کے بارے میں کیا فتویٰ ہے جو اپنے آقا کے مال ونعمت پر پلا پھر اس نے اپنے آقا کی نعمت کی ناشکری کی اور اس کا حق نہ مانا اور خود آقا ہونے کا دعویٰ کر دیا تو ایسے غلام کا کیا حکم ہے؟

فرعون نے اپنے ہاتھ سے اس کا جواب لکھا کہ ایسے غلام کی سزا یہ کہ اس کو سمندر میں ڈبو دیا جائے اور اس فتوے یا فیصلے پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرعون کے دستخط بھی لے لیے۔ فرعون نے اپنے قلم سے لکھ دیا کہ یہ وہ جواب ہے جو ولید بن مصعب یعنی فرعون نے لکھا ہے۔ جب فرعون غرق ہونے لگا اور اپنا ایمان ظاہر کرنے لگا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا فتویٰ اس کو دکھایا اور فرمایا کہ جو کچھ تیرے ساتھ ہو رہا ہے تیرے فتوے کے عین مطابق ہو رہا ہے۔

گلدستہ تفاسیر، ۳/ ۲۸۷، تالیفات اشرفیہ ملتان

دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کا ایک عجیب معاہدہ

ایک صحابی، حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ اور دوسرے، حضرت صعب بن شامہ رضی اللہ عنہ یہ دونوں صحابی آپس میں گہرے دوست تھے۔ ایک مرتبہ حضرت صعب رضی اللہ عنہ اپنے دوست حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے فرمانے لگے تم مجھ سے ایک معاہدہ کرو۔ انہوں نے پوچھا کس چیز کا؟ وہ بولے یہ معاہدہ کرو کہ ہم میں سے جس شخص کا پہلے انتقال ہو جائے وہ خواب میں دوسرے سے ضرور ملاقات کرے۔ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا ایسا ممکن بھی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں ممکن ہے۔ حضرت عوف بن مالک نے فرمایا کہ اگر ممکن ہے تو پھر ٹھیک ہے۔ چنانچہ یہ معاہدہ ہو گیا۔

دس دینار کی پرسش:

خدا کی شان پہلے حضرت صعب رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا جو خود معاہدہ کرنے والے تھے۔ انتقال کے بعد پہلی ہی رات خواب میں حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کے خواب میں آئے۔ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا بتاؤ کیا گزری؟ اللہ تعالیٰ کے سامنے کیسے پیشی ہوئی؟ حضرت صعب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا بڑی مشکل اور بڑی دشواری کے بعد اب نجات ہوئی ہے۔ بات کرتے کرتے حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ان کی گردن پر جلنے کا سیاہ داغ لگا ہوا ہے۔ انہوں نے حضرت صعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ یہ جلنے کا داغ کیسا ہے؟ حضرت صعب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ دراصل میں نے ایک ضرورت کے لیے ایک یہودی سے دس دینار قرض لیے تھے اور وہ قرض میں ابھی ادا نہیں کر سکا تھا کہ میرا انتقال ہو گیا۔ ان دس دیناروں کے ادا نہ کرنے کی وجہ سے وہ دینار مجھے داغے گئے۔ یہ سیاہ داغ جو تم دیکھ رہے ہو یہ اس کے داغے جانے کا نشان ہے۔ وہ دس دینار اب بھی میرے گھر میں میرے ترکش کے اندر رکھے ہوئے ہیں۔ تم صبح سویرے میرے گھر

جا کر گھر والوں سے ترکش لینا اور اس میں سے دس دینار نکال کر فلاں شخص کو ادا کر دینا تا کہ میری تکلیف ختم ہو جائے۔

اسی طرح حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے یہ بھی دیکھا کہ حضرت صعب رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں کی انگلیوں پر کپڑا لپٹا ہوا ہے اور ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ وہ انگلیاں اندر سے بہت زخمی ہیں۔ انہوں نے پوچھا کہ آپ کی انگلیوں میں کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جس تکلیف میں انتقال ہوا وہ تکلیف اتنی شدید تھی کہ اس کی شدت کی وجہ سے میں نے اپنی انگلیاں چبالی تھیں اور اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس چیز کو تم نے خود بگاڑا ہے ہم اس کو درست نہیں کریں گے۔ میں نے اس کو اس لیے چھپایا ہے کہ اگر آپ اس کو دیکھیں گے تو آپ کو بھی تکلیف ہو گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے معافی:

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صبح اٹھ کر سب سے پہلے میں ان کے گھر گیا اور ان سے ترکش مانگا تو اس میں واقعی دس دینار رکھے ہوئے تھے اور غالباً وہ دینار استعمال میں بھی نہیں آئے تھے۔ میں نے جا کر ان کا یہ قرض ادا کر دیا اور اس کے بعد میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور خواب کا سارا واقعہ بیان کیا اور بتایا کہ میں نے ان کا قرض تو ادا کر دیا ہے لیکن ان کو انگلیوں کی تکلیف بہت شدید ہے جو مجھ سے دیکھی نہ گئی۔ اس کے لیے آپ دعا فرما دیں۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک اٹھائے اور ان کے لیے دعا کی۔ یا اللہ! ان کو معاف فرما۔

صحابی فرماتے ہیں دوسری رات جب میں سویا تو حضرت صعب رضی اللہ عنہ پھر خواب میں آئے۔ اب ان کی گردن کا داغ بھی دور ہو چکا تھا اور ان کی انگلیاں بھی ٹھیک ہو چکی تھیں۔

عالم برزخ، ابن ابی الدنیا، بتصرف
وراثت کی تقسیم، مفتی عبدالرؤف سکھروی مدظلہ العالی ص ۱۹۱

ریت آٹے میں بدل گئی

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نمرود غلے کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ لوگ اس کے پاس آ رہے تھے کہ اپنے خاندان کے لیے غلہ لے جائیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ان لوگوں کے ساتھ وہاں گھر والوں کے لیے غلہ لینے تشریف لے گئے۔ آپ کا نمرود سے اسی دن آمنا سامنا ہوا تھا اور یہ مناظرہ بھی اس دن ہوا تھا۔ نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کھانا نہ دیا جیسا کہ وہ دوسرے لوگوں کو دے رہا تھا۔ آپ وہاں سے باہر نکلے تو خالی ہاتھ تھے۔ جب آپ اپنے اہل خانہ کی طرف جانے لگے تو ریت کے ایک ٹیلے کی طرف گئے اور وہاں سے دو بوریاں ریت کی بھر لیں۔ سوچا جب میں اپنے گھر والوں کے پاس پہنچوں گا تو وہ سمجھیں گے کہ میں کچھ لے آیا ہوں۔ آپ گھر آئے سامان رکھا ٹیک لگائی اسی حالت میں نیند آئی اور سو گئے۔

آپ کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ سلام اللہ علیہا اُٹھیں اور دونوں بوریوں کو دیکھا۔ دونوں بورے بہترین غلے سے بھرے ہوئی تھیں۔ انہوں نے کھانا تیار کیا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیدار ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ گھر والوں نے کھانا تیار کیا ہوا ہے۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا: یہ کھانا کہاں سے آیا؟ حضرت سارہ سلام اللہ علیہا نے بتایا جو آپ لے کر آئے ہیں اسی بوری سے نکال کر پکایا ہے۔ آپ سمجھ گئے کہ یہ اللہ کی خاص عطا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں نوازا ہے۔

قصص الانبیاء ابن کثیر اردو، صفحہ ۱۴۳، ادارالسلام لاہور

سلطان عالمگیر رحمۃ اللہ کی بیگم کا تقویٰ

معروف مغل بادشاہ، اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی بیگم جہاں زیب بانو کے سینے پر ایک پھوڑا نکل آیا۔ پھوڑا کسی طرح ٹھیک ہونے میں نہ آیا۔ اس زمانے میں ایک انگریز ڈاکٹر مارٹن ہندوستان میں تھا۔ اس سے اس سلسلے میں بات کی گئی۔ اس نے کہا پھوڑے کا معائنہ کرنا ہوگا۔ ملکہ کو یہ بات بتائی گئی تو انہوں نے کہا کسی خاتون ڈاکٹر کو بھیج دیا جائے۔

ڈاکٹر نے ایک عورت کو بھیج دیا۔ ملکہ نے پھوڑے کے معائنہ سے پہلے پوچھا تم شراب کی رسیا تو نہیں ہو؟ اس نے بتایا شراب تو میں پیتی ہوں۔

تب ملکہ نے کہا کوئی شرابی عورت میرے جسم کو ہاتھ نہیں لگا سکتی۔ وہ عورت شرمندہ ہو کر واپس لوٹ گئی۔ ڈاکٹر کے پاس کوئی اور عورت تھی نہیں جو پھوڑے کا معائنہ کر کے ڈاکٹر کو بتا سکے۔ چنانچہ ملکہ دو سال تک بیمار رہ کر اسی پھوڑے سے وفات پا گئی لیکن اس نے ایک شرابی عورت کو اپنے جسم کو چھونے نہ دیا۔

مختصر پُر اثر، حصہ دوم، ص ۷۸

شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ کی فراست کا عجیب واقعہ

حضرت شاہ عبدالرحیم سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے صاحب کشف و کرامات تھے۔ ان کا ایک واقعہ بہت مشہور ہے کہ پنجاب سے حکیم نور الدین بسلسلہ علاج معالجہ حضرت شاہ صاحب کے پاس آئے۔ حضرت نے اس سے فرمایا کہ حکیم صاحب پنجاب میں کوئی جگہ قادیان ہے۔ وہاں سے کسی نے نبوت کا دعویٰ تو نہیں کیا؟ حکیم صاحب نے کہا کسی نے نہیں کیا۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ وہاں سے ایک شخص نبوت کا دعویٰ کرے گا اور لوحِ محفوظ میں آپ کو اس کا مصاحب لکھا ہوا ہے۔

آپ کے اندر ایک مرض ہے (بحث کرنے اور اُلجھنے کا) یہ مرض آپ کو وہاں لے جائے گا اور آپ مبتلا ہوں گے۔ ہم تو اس وقت نہ ہوں گے مگر آپ کو (باذنِ الٰہی) پہلے سے مطلع کیے دیتے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کیا اور یہ حکیم صاحب اس سے مناظرہ کرنے کے لیے گئے اور اس کے دام میں پھنس گئے اور اس پر ایمان لے آئے اور پھر اس کے جانشین اوّل ہوئے۔ (العیاذ باللہ)

آپ بیتی از شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ، ج ۲، ص ۲۷۳، فصل ۱۵

مفتی عزیز الرحمن کی ملکوتی تلاوتِ قرآن

وہ قرآن کے حافظ تھے۔ میں نے سنا ہے کہ مغرب کے بعد اوابین والی نماز میں آٹھ پارے روزانہ پڑھتے تھے۔ اپنی مسجد میں امامت خود کرتے تھے۔ ان کی قرات پر ایک سیدھے سادے ہندوستان کے قصباتی مسلمان کے لب ولہجہ کا رنگ غالب تھا۔ اگرچہ اصولاً تجوید کے ہر قاعدے کی پوری رعایت کی جاتی تھی بلکہ تجویدی اصولوں کے مطابق قرأت ان کی عادت ہو گئی تھی لیکن مصنوعی قرأت سے دور کا سروکار بھی ان کی قرأت کو نہ تھا۔ کبھی کبھی کسی کسی وقت کی نماز کے پڑھ لینے کی سعادت اس کور بخت کو بھی اللہ کے اس ولی کے پیچھے میسر آجاتی تھی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب مولانا شبیر احمد مرحوم پر صوفیانہ مشاغل کا غلبہ تھا۔ مفتی صاحب کی مسجد کے حجرے میں وہ چلہ کش تھے۔ فقیر بھی تراویح کے وقت حاضر ہو جاتا اور چند ٹوٹے پھوٹے سننے والے مسلمانوں کے ساتھ یہ بھی ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جاتا۔ ایسا کیوں کرتا تھا نہ قرأت ہی میں کان کو کوئی خاص لذت ملتی تھی نہ کچھ اور تھا لیکن دل یہی کہتا تھا کہ شاید زندگی میں پھر ایسے سیدھے سادے لہجے میں قرآن سننے کا موقع نہ ملے گا اور دل کا یہ فیصلہ صحیح تھا۔ نمازیوں میں مولانا شبیر احمد رحمہ اللہ بھی شریک رہتے تھے۔

اسی زمانے میں ایک دفعہ جو واقعہ پیش آیا اب بھی اسے سوچتا ہوں تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، دل کانپنے لگتا ہے۔ مفتی صاحب قبلہ حسب دستور قرآن پڑھتے چلے جاتے تھے۔ اسی سلسلہ میں قرآنی آیت {وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ} (اور کھل کر لوگ سامنے آگئے اللہ کے جو اکیلا ہے اور سب پر غالب ہے) پر پہنچے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ مفتی صاحب خود کس حال میں تھے کان میں قرآن کے یہ الفاظ پہنچے اور کچھ ایسا معلوم ہوا کہ کائنات کا سارا حجاب سامنے سے اچانک ہٹ گیا اور انسانیت کھل کر اپنے وجود کے

آخری سرچشمے کے سامنے کھڑی ہے۔گویا جو کچھ قرآن میں کہا گیا تھا محسوس ہوا کہ وہی آنکھوں کے سامنے ہے۔اپنے آپ کو اس حال میں پا رہا تھا۔شاید خیال یہی تھا کہ غالباً میرا یہ ذاتی حال ہے۔مگر پتہ چلا کہ میرے اغل بغل جو نمازی کھڑے ہوئے تھے ان پر بھی کچھ اسی قسم کی کیفیت طاری تھی۔مولانا شبیر احمد صاحب کی بے ساختہ چیخ نکل پڑی۔یاد آرہا ہے کہ چیخ کر غالباً وہ تو گر پڑے تھے۔دوسرے نمازی بھی لرزہ براندام تھے۔چیخ و پکار کا ہنگامہ ان میں بھی برپا تھا لیکن مفتی صاحب کوہِ وقار بنے ہوئے امام کی جگہ اسی طرح کھڑے تھے۔

جدید کیفیت ان پر جو تھی وہ صرف یہی تھی خلافِ دستور بار بار اس آیت کو مسلسل دہراتے چلے جاتے تھے۔جیسے جیسے دہراتے نمازیوں کی حالت غیر ہوتی چلی جاتی۔آخر صف درہم برہم ہوگئی۔کوئی ادھر گرا ہوا تھا،کوئی ادھر پڑا ہوا تھا۔آہ آہ کی آواز مولانا شبیر احمد کی زبان سے نکل رہی تھی۔صف پر ایک طرف وہ بھی پڑے ہوئے تھے، کچھ دیر کے بعد لوگ اپنے آپ میں واپس ہوئے،تازہ وضو کر کے پھر نئے سرے سے صف میں شریک ہوئے۔جہاں تک خیال آتا ہے مفتی صاحب وارد گرد چیخ و پکار،صیحہ اور نعرہ کے ان تمام ہنگاموں میں اپنی جگہ کھڑے ہوئے۔اس آیت کی تلاوت میں مشغول رہے جب دوبارہ صف بندی ہوئی تب آگے بڑھے۔

احاطہ دار العلوم میں بیتے دن،مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ،ص ۱۹۰،مکتبہ حمادیہ کراچی

سوا لاکھ طواف کی منت

حضرت مولانا یوسف متالا صاحب مدظلہ العالی (خلیفہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ) فرماتے ہیں:

مفسر قرآن، ولیِ کامل، حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کے صاحبزادے مولوی حبیب اللہ رحمہ اللہ جب یہاں (مکہ مکرمہ) پہنچے تھے تو اس وقت ان کے پاس یہاں رہائش کی کوئی قانونی شکل صورت بھی نہیں تھی اور ظاہری معیشت کے اعتبار سے بھی یہاں قیام کی شکل نہ تھی۔ انہوں نے منت مانی تھی کہ الٰہی! میرا یہاں رہنے کا انتظام ہو جائے اور مجھے اقامہ مل جائے تو میں سوا لاکھ مرتبہ بیت اللہ کا طواف کروں گا۔

ان کے خدام فرماتے ہیں کہ جیسے نذر مانی اس کے ساتھ ہی انہوں نے فیصلہ کا انتظار کیے بغیر طواف شروع کر دیے۔ رات میں دن میں ہم جس وقت جاتے تو ان کو طواف میں مشغول پاتے تھے۔

مولانا غلام رسول صاحب بتاتے ہیں کہ ان کی طرح دوڑ کر طواف کرنے والا ہم نے نہیں دیکھا۔ جب انہوں نے طواف پورے کر لیے تو اس کے نتیجہ میں اسی وقت ہی حکومت کی طرف سے اِقامہ مل گیا یعنی ان کی یہ نذر اللہ تعالیٰ نے قبول فرما لی۔ ان کے متعلق آرڈر آیا کہ ان کو نہ صرف قیام کی اجازت دی جاتی ہے بلکہ حکومت ان کا سارا انتظام کرنے کے لیے تیار ہے۔ حکومت نے اپنی طرف سے وظیفہ کے لیے بھی پیشکش کی۔ مگر حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مجھے کوئی چیز نہیں چاہیے۔ مجھے بس اسی حرم شریف میں ایک کونہ مل جائے کہ یہاں پڑا رہوں۔

چنانچہ حرم شریف میں جو تہہ خانہ ہے اس وقت اس میں خالی کمرے بنے ہوئے تھے وہاں ایک کمرہ ان کو دیا گیا تھا اس میں وہ مقیم ہو گئے۔

جمالِ محمدی، ص ۲۰۸

ایک شخص کو اللہ نے اپنا خلیل بنالیا ہے

حضرت عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام لوگوں کی میزبانی فرمایا کرتے تھے۔ایک دن آپ کسی مہمان کی تلاش میں نکلے کہ کوئی ملے تو اس کی ضیافت کریں۔بہت پھرے لیکن کوئی نہ ملا، واپس گھر آ گئے۔دیکھتے ہیں کہ گھر میں ایک شخص کھڑا ہے۔آپ پوچھتے ہیں اللہ کے بندے! میری اجازت کے بغیر آپ میرے گھر میں کیسے آ گئے؟ اس شخص نے جواب دیا میں گھر میں گھر کے مالک کی اجازت سے آیا ہوں۔

حضرت ابرہیم علیہ السلام نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے بتایا میں موت کا فرشتہ ہوں مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کے پاس بھیجا ہے تا کہ میں اسے خوش خبری دوں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنا خلیل بنالیا ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا وہ خوش نصیب کون ہے؟ خدا کی قسم! اگر آپ مجھے اس کا پتہ بتا دیں تو وہ کتنی ہی دور ہو میں اسے لے آؤں گا اور ہمیشہ اسے اپنے پڑوس میں رکھوں گا۔حتیٰ کہ میرے اور اس کے درمیان موت ہی جدائی ڈالے گی۔فرشتے نے کہا (ابراہیم!) وہ آپ ہی ہیں۔آپ نے فرمایا میں......؟ فرشتے نے عرض کی جی ہاں۔آپ نے پوچھا مجھے میرے رب نے کس وجہ سے اپنا خلیل بنایا ہے؟ فرشتے نے عرض کی اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ لوگوں کو عطا کرتے ہیں لیکن ان سے لیتے کچھ نہیں۔

اسے ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے

پیغامِ ابراہیم علیہ السلام، چوکھٹ تبدیل کرلو!

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کا وصال ہو گیا تھا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی بھی ہو چکی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لائے آپ اپنی بیوی اور بچے کو ملنا چاہتے تھے۔ بچے سے ملاقات نہ ہو سکی۔ آپ نے ان کی بیوی یعنی اپنی بہو سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق پوچھا۔ اس نے بتایا کہ وہ ہمارے لئے رزق تلاش کرنے گئے ہیں۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس بہو سے بسر اوقات اور گھر کی حالت کے متعلق پوچھا۔ اس نے کہا کہ ہم بری حالت میں ہیں یعنی بہت مشکل سے گزارا کر رہے ہیں۔ ہماری مالی حالت اچھی نہیں ہے۔ الغرض انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے شکایت کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا جب تیرا خاوند آئے تو اسے میرا اسلام کہنا اور بتانا کہ اپنے گھر کی چوکھٹ تبدیل کرلے۔

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام واپس تشریف لائے تو روحانی طور پر نبوت کی خوشبو محسوس کی اور پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی آیا تھا؟ بیوی نے بتایا کہ ہاں اس شکل وصورت کے ایک بزرگ تشریف لائے تھے اور انہوں نے مجھ سے تمہارے متعلق پوچھا۔ میں نے انہیں بتایا۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ تمہاری گزر بسر کیسی ہے؟ تو میں نے انہیں بتایا کہ ہم بڑی مشکل اور تنگ دستی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا کیا ان بزرگوں نے کوئی وصیت بھی فرمائی تھی؟ بیوی نے کہا: ہاں۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ میں آپ سے ان کا سلام کہوں۔ نیز آپ کو ان کا یہ پیغام بھی دوں کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل لو۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا وہ میرے والد محترم تھے۔ انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تجھے اپنے سے الگ کر دوں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنی اس بیوی کو طلاق دے کر اچھے طریقے سے رخصت کر دیا اور اسی خاندان کی ایک اور عورت سے شادی کر لی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک عرصہ تک تشریف نہ لائے۔ ایک دن پھر آنا ہوا لیکن اس

بار بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ملاقات نہ ہو سکی۔ آپ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیوی کے ہاں تشریف لے گئے اور ان کے متعلق پوچھا۔ اس نے بتایا کہ وہ رزق کی تلاش میں تشریف لے گئے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے پرسش احوال اور گزر بسر کے بارے میں پوچھا تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیوی نے بتایا کہ ہم بالکل خیریت سے ہیں اور اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ اس نے اللہ کی حمد وثنا کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا تمہاری خوراک کیا ہے؟ اس نے بتایا: گوشت۔ آپ نے پوچھا: تمہارا مشروب کیا ہے؟ اس نے کہا پانی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی ”اے اللہ! انہیں گوشت اور پانی میں برکت عطا فرما۔“

حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ صرف گوشت اور پانی پر مکہ کے سوا کہیں کوئی شخص گزارا نہیں کرسکتا۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں اس کے مزاج کے موافق نہیں ہو سکتیں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بہو سے فرمایا جب تیرا خاوند آئے تو اسے میرا سلام کہنا اور بتانا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ قائم رکھو۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام تشریف لائے تو پوچھا کیا کوئی آیا تھا؟ بیوی نے بتایا کہ ہاں ہمارے گھر میں ایک بہت خوبصورت بزرگ تشریف لائے تھے۔ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بہت تعریف کی اور بتایا کہ انہوں نے مجھ سے گزر بسر کے بارے میں بھی پوچھا۔ میں نے انہیں عرض کی کہ ہم بالکل خیریت سے خوش حالی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کیا انہوں نے آپ کو کوئی وصیت بھی فرمائی؟ کہنے لگیں ہاں! وہ آپ کو سلام کہہ رہے تھے اور حکم دیتے تھے کہ اپنے دروازے کے چوکھٹ قائم رکھو۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بتایا وہ میرے والد گرامی حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے اور آپ دروازے کی چوکھٹ ہیں۔ انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ کو اپنے ساتھ رکھوں اور آپ کی رفاقت کو ترک نہ کروں۔

---

(۱) قصص الانبیاء اردو، علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۷۳، اسلامی کتب خانہ لاہور (۲) ایضاً

مچھلی کی زبان کیوں نہیں ہوتی؟

مولانا محمد عبدالحئی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''نفع المفتی والسائل'' میں تحریر فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور فرشتوں کو حکم دیا کہ سجدہ کرو تو بجز ابلیس تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو جنت سے نکال دیا اور زمین پر پھینک دیا۔

تب ابلیس سمندر پر گیا اس وقت سب سے پہلے مچھلی نے ابلیس سے ملاقات کی اور ابلیس نے مچھلی کو آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے کی خبر دی اور یہ کہا کہ آدم خشکی اور تری کے حیوانات کا شکار کرے گا۔ پس مچھلیاں آدم علیہ السلام کی پیدائش کی خبر ایک دوسرے کو دینے لگیں کہ اب ہمارے لیے امان نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے مچھلی کی زبان کو زائل کر دیا۔ جیسا کہ کتاب حید الحماویہ میں ''کتاب الظہیریہ'' کے حوالے سے لکھا ہوا ہے۔

کون سے حیوان جنت میں داخل ہوں گے؟

مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب نفع المفتی والسائل میں الاشباہ والنظائر کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں: غیر ناطق حیوانات میں سے پانچ حیوان جنت میں داخل ہوں گے۔ اصحاب کہف کا کتا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا دنبہ، حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی، حضرت عزیر علیہ السلام کا گدھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا براق۔

اور حاشیہ احمد بن محمد الحنفی الحموی جو شرعۃ الاسلام کی شرح پر ہے اس میں ہے کہ مقاتل نے کہا کہ جنت میں دس جانور داخل ہوں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی، حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بچھڑا، حضرت اسماعیل علیہ السلام کا دنبہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گائے، حضرت یونس علیہ السلام کی مچھلی، حضرت عزیر علیہ السلام کا گدھا، حضرت سلیمان علیہ السلام کی چیونٹی، بلقیس کا ہدہد، اصحاب کہف کا کتا اور بعض نے

کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا دلال (خچر) بھی منجملہ ان حیوانات کے ہے جو جنت میں جائیں گے۔

طلوعِ صبح کا علم مرغ کو کس طرح ہوتا ہے؟

اللہ تعالیٰ کے ہاں سفید رنگ کا ایک مرغ ہے جس کے دونوں بازو، زبرجد، موتی اور یاقوت سے مرصع ہیں۔ایک بازو مغرب میں اور دوسرا بازو مشرق میں ہے۔اس کا سر عرشِ الٰہی کے نیچے ہے۔اس کے پاؤں ہوا میں معلق ہیں، وہ ہر صبح کو اذان دیتا ہے، اس کی اذان آسمان اور زمین کی تمام مخلوقات سنتی ہے۔سوائے انس و جن کے یہ دونوں اس کی آواز کو نہیں سنتے۔اس کی اذان سن کر زمین کے تمام مرغ جواب دیتے ہیں۔جب قیامت کا دن قریب آئے گا تو اللہ تعالیٰ اس مرغ کو حکم دے گا کہ اپنے بازوؤں کو بند کر اور آواز کو پست کر، زمین اور آسمان کی تمام مخلوق سوائے جن وانس کے یہ جان لے گی کہ قیامت قریب آچکی ہے۔جیسا کہ اس کی تفصیل ”کتاب حیاۃ الحیوان“ میں کتاب ”تاریخِ اصبہان“ کے حوالے سے رقم ہے۔

ہمیں حضرت محمد ﷺ درکار ہیں

حنین و طائف کے معرکہ کے بعد حضور ﷺ نے مالِ غنیمت تقسیم کیا تو مؤلفۃ القلوب کی قرآنی مد کے تحت نومسلم رؤسائے مکہ کو اس میں سے بہت سا حصہ دے دیا تاکہ ان کے دل مزید نرم ہوں اور وہ احسان کے رشتے سے اسلامی ریاست کے ساتھ مربوط تر ہو جائیں۔ انصار میں کچھ لوگوں نے عجیب سے احساسات کی رَو دوڑا دی۔

کہا گیا کہ "رسول اللہ ﷺ نے قریش کو خوب انعامات دیے اور ہمیں محروم رکھا حالانکہ ہماری تلواروں سے اب تک خون کی بوندیں ٹپک رہی ہیں۔ مشکلات میں ہم کام آتے ہیں اور حاصل غنیمت دوسرے لوگ لے جاتے ہیں"

یہ چرچے حضور اقدس ﷺ کے کانوں تک بھی پہنچے۔ ایک چرمی خیمہ نصب کیا گیا اور اس میں انصار کا اجتماع بلایا گیا۔ حضور اقدس ﷺ نے دریافت فرمایا کہ "کیا تم لوگوں نے ایسی ایسی باتیں کہی ہیں؟" جواب ملا کہ "آپ ﷺ نے جو سنا وہ صحیح ہے مگر یہ باتیں ہم میں سے ذمہ دار لوگوں نے نہیں کہیں کچھ نوجوانوں نے ایسے فقرے کہے ہیں۔"

واقعہ کی تحقیق کے بعد آپ ﷺ نے یہ تقریر کی "کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم لوگ پہلے گمراہ تھے، اللہ نے میرے ذریعے سے تم کو ہدایت دی؟ تم منتشر اور پراگندہ تھے اللہ نے میرے ذریعے سے تم کو متحد اور متفق کیا؟ تم مفلس تھے اللہ نے میرے ذریعے سے تم کو آسودہ حال کیا؟ (ہر سوال پر انصار کہتے جاتے تھے کہ بلاشبہ ہم پر اللہ اور رسول ﷺ کا بہت بڑا احسان ہے۔)"

نہیں! تم یہ جواب دو کہ اے محمد ﷺ! تم کو جب لوگوں نے جھٹلایا تو ہم نے تمہاری تصدیق کی، تم کو جب لوگوں نے چھوڑ دیا تو ہم نے پناہ دی۔ تم جب بغیر مال کے آئے تھے تو ہم نے ہر طرح کی مدد کی۔ تم جواب میں یہ کہتے جاؤ اور میں یہ کہتا جاؤں گا کہ ہاں! تم

سچ کہتے ہو، لیکن اے گروہ انصار! کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے جائیں اور تم محمد ﷺ کو لے کر اپنے گھروں میں جاؤ۔"(۱)

کلامِ نبوت کا اُتار چڑھاؤ دیکھئے۔ پھر اس کی روانی دیکھئے، مطالب کے موڑ دیکھئے، حکیمانہ خطاب دیکھئے، پھر یہ غور کیجیے کہ کس طرح محبوبِ دو عالم ﷺ نے بالآخر مطلوبہ کیفیت سامعین میں پوری طرح اُبھار دی۔ حضورِ اقدس ﷺ کے مخلص جانثار "انصار" بے اختیار چیخ اُٹھے کہ "ہم کو صرف "محمد ﷺ درکار ہیں۔"(۲)

---

(۱) صحیح بخاری ۲/۶۲۰

(۲) از مقدمہ شرح صحیح مسلم جلد ۲، مولانا عبدالقیوم حقانی دامت برکاتہم

والدہ کی فرمانبرداری پر انعام کا عجیب واقعہ

ایک بار حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: یا اللہ! میرا جنت کا ساتھی کون ہے؟ تو اللہ تعالی نے فرمایا کہ فلاں قصائی۔ قصائی کا پتا بتایا، نہ کسی ابدال کا نہ کسی قطب کا نہ کسی شہید کا نہ محدث کا۔ کہا کہ فلاں قصائی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام حیران ہو گئے۔ پھر اس قصائی کو دیکھنے چلے گئے۔ قصائی بازار میں بیٹھا گوشت بیچ رہا ہے۔ شام ڈھلی اس نے دکان بند کی اور گوشت کا ٹکڑا تھیلے میں ڈالا اور گھر چل دیا۔

موسیٰ علیہ السلام بھی ساتھ ہو گئے۔ کہنے لگے بھائی میں بھی تیرے ساتھ جاؤں گا۔ اس کو نہیں پتا تھا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ کہنے لگا آ جاؤ...... گھر گئے۔ اس نے بوٹیاں بنا کر سالن چڑھایا۔ آٹا گوندھا، روٹی پکائی، سالن تیار کیا۔ پھر ایک بڑھیا تھی اسے اُٹھا کر کندھے کا سہارا دیا۔ سیدھے ہاتھ سے لقمے بنا بنا کر اسے کھلائے۔ جب اس کا پیٹ بھر گیا اس کا منہ صاف کیا اور اس کو لٹا دیا۔

وہ کچھ بولی اور بڑبڑائی۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا یہ کون ہے؟ اس نے کہا کہ میری ماں ہے۔ صبح کو اس کی ساری خدمت کر کے جاتا ہوں اور رات کو آ کر پہلے اس کی خدمت کرتا ہوں۔ اب جا کر اپنے بچوں کو دیکھوں گا۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: یہ کیا کہہ رہی تھی؟

وہ بولا: روزانہ ایک عجیب سے بات کہتی ہے۔ میں روزانہ جب اس کی خدمت کرتا ہوں تو کہتی ہے کہ اللہ تجھے موسیٰ علیہ السلام کا ساتھی بنائے۔ میں قصائی اور موسیٰ علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ پیغمبر، کہاں میں اور کہاں وہ؟ (اللہ اکبر)

بکھرے موتی جلد ۷، صفحہ ۶۸۲، مکتبہ عائشہ کراچی

اذان کا ادب اور ملکہ زبیدہ

زبیدہ خاتون ایک نیک ملکہ تھی۔اس نے نہر زبیدہ بنوا کر مخلوقِ خدا کو بہت فائدہ پہنچایا۔اپنی وفات کے بعد وہ کسی کو خواب میں نظر آئی۔اس نے پوچھا کہ زبیدہ! آپ کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا؟ زبیدہ نے جواب دیا کہ اللہ رب العزت نے بخشش فرما دی ہے۔

خواب دیکھنے والے نے کہا کہ آپ نے وہ عظیم الشان نہر بنوا کر مخلوقِ خدا کو فائدہ پہنچایا۔آپ کی بخشش تو ہونی ہی تھی۔زبیدہ خاتون نے کہا نہیں! نہیں! جب نہر زبیدہ والا عمل پیش ہوا تو پروردگارِ عالم نے فرمایا کہ یہ کام تو تم نے خزانے کے پیسوں سے کروایا۔ اگر خزانہ نہ ہوتا تو نہر بھی نہ بنتی۔مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے میرے لیے کیا عمل کیا؟

زبیدہ نے کہا کہ میں تو گھبرا گئی کہ اب کیا بنے گا مگر اللہ رب العزت نے مجھ پر مہربانی فرمائی۔مجھ سے کہا کہ تمہارا ایک عمل ہمیں پسند آ گیا۔وہ یہ کہ ایک مرتبہ تم بھوک کی حالت میں دسترخوان پر بیٹھی کھانا کھا رہی تھیں کہ اتنے میں اللہ اکبر کے الفاظ سے اذان کی آواز سنائی دی۔

تمہارے ہاتھ میں لقمہ تھا اور سر سے دوپٹہ سرکا ہوا تھا۔تم نے لقمے کو واپس رکھا۔ پہلے دوپٹے کو ٹھیک کیا پھر لقمہ کھایا۔تم نے لقمہ کھانے میں تاخیر میرے نام کے ادب کی وجہ سے کی اس لیے ہم نے تمہاری مغفرت فرما دی۔

نماز کے اسرار و رموز، پیر جی مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم ص ۵۵

نامِ اللہ کا ادب کرنے پر مغفرت

حضرت امام احمد بن حنبل ﷫ کے مکان کے سامنے ایک لوہار رہتا تھا۔ بال بچوں کی کثرت کی وجہ سے وہ سارا دن کام میں لگا رہتا۔ اس کی عادت تھی کہ اگر اس نے ہتھوڑا لوہا کوٹنے کے لئے ہاتھ میں اُٹھایا ہوتا اور اسی دوران اذان کی آواز آ جاتی تو وہ ہتھوڑا لوہے پر مارنے کی بجائے اسے زمین پر رکھ دیتا اور کہتا کہ اب میرے پروردگار کی طرف سے بلاوا آ گیا ہے۔ میں پہلے نماز پڑھوں گا پھر کام کروں گا۔

جب اس کی وفات ہوئی تو کسی کو خواب میں نظر آیا۔ اس نے پوچھا کہ کیا بنا؟ کہنے لگا کہ مجھے امام احمد بن حنبل ﷫ کے نیچے والا درجہ عطا کیا گیا۔ اس نے پوچھا کہ تمہارا علم اور عمل اتنا تو نہیں تھا؟ اس نے جواب دیا کہ میں اللہ کے نام کا ادب کرتا تھا اور اذان کی آواز سنتے ہی کام روک دیتا تھا تا کہ نماز ادا کروں۔ اس ادب کی وجہ سے اللہ رب العزت نے مجھ پر مہربانی فرما دی۔

بکھرے موتی، حصہ ہفتم، صفحہ ۷۶۰

غیبی نظامِ قدرت کیسے بچاتا ہے؟

خواجہ بختیار الدین کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں ہے کہ میں ایک جنگل میں تھا میں نے دیکھا ایک بڑا بچھو ایک طرف تیزی سے دوڑے جا رہا ہے۔ کہتے ہیں مجھے لگا کہ اس میں ضرور کوئی حکمت ہے چنانچہ اس بچھو کا تعاقب شروع کر دیا۔ آگے ایک ندی تھی بچھو نے اسے بھی عبور کر لیا۔ میں نے بھی تعاقب جاری رکھا۔ ندی سے پار کوئی شخص درخت کے نیچے شراب کے نشے میں بے ہوش پڑا تھا۔ درخت کے اوپر سے ایک خوفناک کالا ناگ اس شخص کو کاٹنے کے لئے آ رہا تھا جونہی سانپ اس آدمی کے قریب پہنچا بچھو نے سانپ کو کاٹ کھایا اور سانپ وہیں ہلاک ہو گیا اس کے بعد بچھو غائب ہو گیا۔

خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اللہ کی یہ قدرت دیکھ کر حیران ہو رہے تھے کہ وہ شخص بھی ہوش میں آ گیا اپنے قریب مردہ سانپ کو دیکھا اور سارا معاملہ سمجھ گیا کہ اللہ تعالیٰ نے کس تدبیر کے ساتھ اس کی جان بچائی ہے۔ حضرت خواجہ صاحب لکھتے ہیں کہ وہ شخص تائب ہوا اور اعمالِ صالحہ میں خوب آگے بڑھا یہاں تک کہ اس نے اپنی زندگی میں پچھتر حج پیدل چل کر کئے۔

الغرض اللہ تعالیٰ اس طرح اپنی کمالِ حکمت اور عمدہ تدبیر سے نظامِ کائنات چلا رہے ہیں اور یہ اللہ ہی کا کام ہے وہی چلا سکتا ہے۔

معالم العرفان، جلد ۲، ص ۴۹۳

جنت میں اجتماعِ خوشنودی

میمون بن مہران، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک دفعہ قحط رونما ہوا، بارش نہ ہوئی۔ لوگ مجتمع ہو کر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ آسمانی بارش نہ ہونے کی وجہ سے زمین نے کچھ نہیں اگایا لوگ بہت تنگی اور مصیبت میں گرفتار ہیں۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا صبر کرتے ہوئے واپس چلے جائیے اللہ تعالیٰ کریم ذات ہے شام تک شاید کشادگی کی کوئی صورت پیدا فرمادے۔

تھوڑی دیر کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے کارندے (جو غلے کی تجارت کے لئے شام کے علاقے میں گئے ہوئے تھے) مدینہ میں پہنچ گئے۔ ایک سو سواری (اونٹ) گندم کی لدی ہوئی ملکِ شام سے لے آئے۔ جس کی اطلاع ملنے پر مدینہ کے لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر جمع ہو گئے اور دستک دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے (دیکھتے ہیں کہ) ایک کثیر انبوہ مدینہ کے تجّار کا دروازے پر پہنچا ہوا ہے۔ سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کیا بات ہے؟ حاضرین نے عرض کی بارش نہ ہونے کی وجہ سے قحط پڑا ہوا ہے لوگوں میں خوراک کے باعث سخت اضطراب ہے۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ جناب کے ہاں غلہ آیا ہے آپ ہمیں فروخت کردیں تاکہ مسلمان فقراء کے لئے فراخیِ طعام کی کوئی صورت پیدا کی جاسکے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بہت اچھا! آئیے خرید کیجئے! مدینہ کے تاجر اندر آئے اندر غلہ موجود تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میری خرید پر آپ کس قدر منافع دے سکتے ہیں؟ بولے دس کی خرید بارہ روپے میں لے لیں گے۔ عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے اس سے زیادہ نفع مل سکتا ہے۔ انہوں نے کہا: دس کے عوض چودہ روپے۔ پھر

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے اس سے زیادہ منفعت حاصل ہو سکتی ہے۔وہ بولے دس کے عوض پندرہ لے لیجئے! سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے اس سے بھی زیادہ ملتا ہے۔ انہوں نے کہا مدینہ کے تاجر تو ہم ہیں آپ کو اس قدر زائد نفع کون دے رہا ہے؟

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کے بدلے میں دس مل رہے ہیں تم اس قدر دے سکتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم تو زیادہ نہیں دے سکتے۔ فرمایا: میں اس بات پر اللہ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے یہ سارا غلہ مدینہ کے فقراء پر اللہ کے لئے صدقہ کر دیا ہے اس کی کوئی قیمت وصول نہیں کی جائے گی۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں اسی رات میں دیدارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوا۔آپ ایک عمدہ ترکی ابلق گھوڑے پر سوار ہیں، نورانی لباس زیبِ تن ہے۔ جلدی تشریف لے جانے کی سعی فرما رہے ہیں۔میں نے عرض کی مجھے آپ کے دیدار کا بہت شوق تھا اور گفتگو کرنے کی تمنا تھا آپ کہاں عجلت فرما رہے ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابن عباس رضی اللہ عنہ!

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے صدقہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے قبولیت بخشی ہے اس سلسلہ میں جنت میں اجتماعِ خوشنودی ہو رہا ہے مجھے شمولیت کے لئے مدعو کیا گیا ہے۔

رحماء بینھم، مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، جلد ۳ ص ۹۸،۹۷

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا خواب اور خلفاءِ ثلاثہ

ایک دفعہ کوفہ میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا جس میں فرمایا:

اے لوگو!

آج رات میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر قائم ہے سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور عرش کے ایک پایہ کے پاس قیام فرما ہوئے پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوش مبارک پر اپنا ہاتھ رکھا پھر عمر رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کندھے پر ہاتھ رکھا پھر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور (بروایت دیگر) انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دوش پر ہاتھ رکھا، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنا کٹا ہوا سر اپنے ہاتھ پر رکھے ہوئے عرض کرتے ہیں:

یا اللہ! اپنے بندوں سے دریافت فرمائیے کس بنا پر انہوں نے مجھے قتل کر ڈالا؟

پھر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ آسمان سے زمین کی طرف خون کے دو میزاب (پرنالے) اترتے دکھائی دیے۔ کہا گیا کہ یہ خونِ عثمان ہے اس کا مطالبہ ہو گا۔

اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے کہا: آپ دیکھ نہیں رہے کہ حسن رضی اللہ عنہ کیا بیان کر رہے ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو کچھ دیکھا ہے وہی بیان کر رہے ہیں۔

رحماء بینھم، مولانا محمد نافع رحمہ اللہ ۳/ ۱۰۰ بحوالہ کتاب التمہید والبیان، ص ۲۳۵

عشقِ رسول ﷺ میں موت، ابدی زندگی

مجھے ایک بار ایک مغربی اسکالر نے کہا: ہمیں سمجھ نہیں آتی ایک مسلمان مغرب میں پیدا ہوتا ہے اس کا سارا لائف سٹائل مغربی ہوتا ہے۔ اس میں سارے شرعی عیوب بھی موجود ہوتے ہیں لیکن جب اسلام اور رسول اللہ ﷺ کا ذکر آتا ہے تو اس مغربی مسلمان اور کٹڑ مولوی کے رَدِ عمل میں کوئی فرق نہیں ہوتا کیوں؟

میں نے عرض کیا: یہ وہ بنیادی بات ہے جسے مغرب کبھی سمجھ نہیں سکتا یہ دلوں کے سودے ہوتے ہیں اور دلوں کے سودے کبھی بیوپاری کی سمجھ میں نہیں آسکتے۔ نبی اکرم ﷺ کی ذات، ایمان کی وہ حساس رگ ہوتی ہے، جو برف سے بنے مسلمان کو بھی آگ کا گولہ بنا دیتی ہے۔ مسلمان دنیا کے ہر مسئلے میں سمجھوتہ کر لیتا ہے لیکن وہ رسول اللہ ﷺ کی ذات پر کبھی سمجھوتہ نہیں کرتا۔ عشقِ رسول وہ مقام ہے جہاں سے مومن کی زندگی کا آغاز ہوتا ہے جہاں موت سے بڑی سعادت اور رفنا سے بڑی کوئی زندگی نہیں ہوتی۔ جہاں پہنچ کر انسان مرنے کے بعد زندہ ہوتا ہے۔

میں نے اس سے کہا: دنیا میں لوگ مرنے کے بعد گمنام ہو جاتے ہیں لیکن عشقِ رسول ﷺ میں آنے والی موت انسان کو اَبد تک زندہ کر دیتی ہے۔ یہ ایک ایسی آگ ہے جو انسان کو جلاتی نہیں، اسے بناتی ہے، اسے دوبارہ زندہ کرتی ہے اور تم اور تمہارے لوگ اس کیفیت، اس سرور کو کبھی سمجھ نہیں سکتے۔ تم لوگوں نے زندگی میں محبتِ رسول ﷺ کا ذائقہ چکھا ہی نہیں۔ تمہیں کیا پتہ کہ رسول اللہ ﷺ سے محبت کرنے والے شخص کے دل سے کون سی روشنی نکلتی ہے اور یہ روشنی کس طرح موت کے خوف کو مالٹے کے چھلکے کی طرح اتار کر دور پھینک دیتی ہے یہ اسے سارے دکھوں سے آزاد کر دیتی ہے۔ یوں ہم سب لوگ...... عامر چیمہ شہید رحمۃ اللہ علیہ جیسے لوگوں کا حقیقی مقام نہیں سمجھ سکتے۔

کتاب عامر عبدالرحمن چیمہ شہید رحمۃ اللہ علیہ محمد متین خالد، ص ۹۵، اقتباس از کالم جاوید چودھری

گمنام نہ جانے کتنے ہیں

میری خواہش تو یہ تھی کہ قدیم دارالعلوم دیوبند کی ایک ایک عمارت میں جا کر اپنے بزرگوں کی یادیں تازہ کروں لیکن ہجوم کی شدت میں اس کا بالکل موقع نہیں تھا محلے کے جن گھروں میں کل نہیں جاسکا تھا آج وہاں جانے کا موقع مل گیا۔ ان میں سے ایک گھر جس میں جانے کی مجھے شدید خواہش تھی وہ گھر تھا جس میں تتلائی ہوئی زبان میں میں نے قاعدہ بغدادی پڑھنا شروع کیا تھا۔

یہ ایک بزرگ خاتون محترمہ اَمَۃُ الحَنّان صاحبہؒ کا گھر تھا جو نہ صرف محلے بلکہ باہر کے بچوں کو بھی قرآن پڑھایا کرتی تھیں اور ان کا یہ گھر بچوں کی تلاوت سے گونجتا رہتا تھا وہ یہ رضا کارانہ خدمت ساری زندگی انجام دیتی رہیں یہاں تک کہ دیوبند کے بہت سے خاندانوں کی کئی کئی پشتوں نے انہی سے قرآن کریم پڑھا تھا اور یہ بات صرف قرآنِ کریم پڑھانے کی نہیں تھی ان کا یہ گھر اسلامی آداب و اخلاق سکھانے کے لئے بھی ایک تربیت گاہ کی حیثیت رکھتا تھا۔

پڑھنے والی بچیاں یہیں سے خانہ داری کے آداب بھی سیکھتی تھیں اس کے علاوہ نہ صرف ان بچوں اور بچیوں پر بلکہ ان کے والدین اور دوسرے گھر والوں پر بھی ان کا بڑا اثر و نفوذ تھا اور وہ اپنے ذاتی مسائل یہاں تک کہ شادی بیاہ کے معاملات میں بھی ان کی رائے کو بڑا وزن دیتے تھے۔ یہ محترمہ اپنے شاگردوں کے حالات سے پوری طرح باخبر رہتی تھی یہاں تک کہ ان کے جو شاگرد پاکستان چلے گئے تھے ان کی بھی خیر خبر رکھتی تھیں۔

میرے تمام بہن بھائیوں نے انہی سے پڑھا تھا اور میں نے بھی قاعدہ بغدادی کا غیر رسمی آغاز انہی کے گھر سے کیا تھا۔ وہ کئی مرتبہ پاکستان تشریف لائیں ان سے میری آخری ملاقات لاہور میں ہوئی اور میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ میری مصروفیات سے

بھی پوری طرح باخبر تھیں یہاں تک کہ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ مجھے جدہ کی مجمع الفقہ الاسلامی کا نائب الرئیس منتخب کیا گیا جس پر انہوں نے مجھے شاباش دی اور مسرت کا اظہار فرمایا۔

میں سوچتا ہوں کہ ان بزرگ خاتون کے ہاتھوں کتنے بچے تربیت پا کر علم وفضل کے بلند مقام تک پہنچے اور ان میں سے بہت سوں نے شہرت کے بام عروج کو چھوا۔ آج دنیا ان کو تو خوب جانتی ہے لیکن جس گمنام خاتون نے ایک گوشے میں بیٹھ کر ان کے دل میں ایمان اور علم کا بیج بویا تھا اس کے نام اور کام سے کوئی واقف نہیں۔ ان کی خدمات میں نام ونمود اور شہرت وجاہ کا کوئی شائبہ نہیں تھا اس لئے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ وہ کس اجرِ عظیم کی مستحق ہوں گی۔ نہ جانے ان جیسی کتنی خواتین ہیں جنہوں نے گمنامی کے عالم میں بڑی بڑی شخصیتوں کو تیار کیا ہے لیکن ان سے کوئی واقف نہیں۔

سفر در سفر، مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ ص ۳۶۶ مکتبہ المعارف کراچی۔

ایک سید کی دوسرے سید سے کیا بات ہوئی؟

ایک بار امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں دیکھا کہ مولانا سید محمد انور کشمیری رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور کہا آپ سے ایک بات کہنی ہے اتنے میں قاضی احسان الٰہی شجاع آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے آئے اور امیر شریعت سوئے ہوئے تھے ان کو جگا دیا۔ آپ کی آنکھ کھلی تو یہ سوچ کر پریشان ہو گئے کہ حضرت کشمیری نے کیا بات فرمانی تھی۔

آپ نے حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی تعبیر پوچھی تو حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ایک سید (حضرت مولانا محمد انور کشمیری رحمۃ اللہ علیہ) نے دوسرے سید (حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ) سے اپنے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کی ہی بات کہنی تھی اور کیا؟ یہ سن کر امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ جھوم اٹھے۔ اور فرمایا: بالکل انشراح ہو گیا، یہی بات کہنا چاہتے ہوں گے۔

حیاتِ نفیس، ص ۵۸، تالیفات اشرفیہ ملتان

میں آپ کو ایک خاص عطیہ دوں؟

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے چچا جان عباس! کیا میں آپ کو ایک عطیہ دوں؟ میں آپ کو کچھ عنایت کروں؟ کیا میں آپ کو ایک بہت مفید چیز سے باخبر کروں؟ کیا میں آپ کو ایسا عمل بتاؤں کہ جب تم اس کو کرلو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے سب گناہ، پہلے اور پچھلے، پرانے اور نئے، دانستہ کئے ہوئے اور نادانستہ، چھوٹے اور بڑے چھپ کر کئے ہوئے اور علانیہ کئے ہوئے سب معاف فرمادے گا۔ (انہوں نے آمادگی کا اظہار کیا تو)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ کام یہ ہے کہ چار رکعت نماز صلوٰۃ التسبیح (نفل) اس طرح سے پڑھو کہ جب الحمد شریف اور سورت پڑھ چکو تو کھڑے کھڑے رکوع سے پہلے سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر پندرہ مرتبہ کہو، پھر رکوع کرو تو رکوع میں ان کلمات کو دس مرتبہ کہو، پھر رکوع سے کھڑے ہو کر (قومہ میں) دس مرتبہ کہو، پھر سجدہ میں جا کر دس مرتبہ کہو، پھر سجدہ سے اٹھ کر (دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھ کر) دس مرتبہ کہو، پھر دوسرا سجدہ کرو، اور اس (دوسرے سجدہ) میں دس مرتبہ کہو، پھر سجدہ سے اٹھ کر بیٹھ جاؤ اور دس مرتبہ کہو، اسی طرح چار رکعتیں پڑھ لو۔ یہ ہر رکعت میں ۷۵ مرتبہ ہوئے۔ (اور چاروں رکعتوں میں ملا کر کل ۳۰۰ مرتبہ یہ تسبیح ہوئی۔)

یہ ترکیب بتا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ہوسکے تو روزانہ ایک مرتبہ اس نماز کو پڑھ لیا کرو، یہ نہ کرو تو جمعہ میں (یعنی ہفتہ بھر میں) ایک مرتبہ پڑھ لیا کرو، یہ بھی نہ کرسکو تو مہینہ میں ایک مرتبہ پڑھ لیا کرو، یہ بھی نہ کر پاؤ تو ہر سال میں ایک مرتبہ پڑھ لیا کرو، یہ بھی نہ ہو پائے تو عمر بھر میں ایک مرتبہ (تو) پڑھ ہی لو۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ یہ نماز ہر جمعہ کو پڑھا کرتے تھے اور تابعی ابو

الجوزاء رحمہ اللہ روزانہ ظہر کی اذان ہوتے ہی مسجد میں آجاتے تھے اور جماعت کھڑے ہونے تک پڑھ لیا کرتے تھے۔ حضرت عبدالعزیز بن ابی رداد رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ جسے جنت درکار ہو اسے چاہئے کہ صلوٰۃ التسبیح کو مضبوط پکڑ لے۔ ابو عثمان حیری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ مصیبتوں اور غموں کے دور کرنے کے لیے صلوٰۃ التسبیح جیسی بہتر چیز میں نے نہیں دیکھی۔

فائدہ: دوسرا طریقہ اس نماز کے پڑھنے کا یہ ہے کہ پہلی رکعت میں ثناء پڑھنے کے بعد الحمد شریف سے پہلے ان کلمات کو پندرہ مرتبہ پڑھے اور پھر الحمد اور سورۃ کے بعد دس مرتبہ پڑھے پھر رکوع میں ان کلمات کو دس مرتبہ پڑھے پھر رکوع سے کھڑے ہو کر (قومہ میں) دس مرتبہ، پھر سجدہ میں جا کر دس مرتبہ، پھر سجدہ سے اٹھ کر (دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھ کر) دس مرتبہ پڑھے، پھر دوسرے سجدے میں دس مرتبہ پڑھ کر دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہو جائیں۔ بعد ازاں باقی رکعات (دوسری اور چوتھی) میں کھڑے ہوتے ہی پہلے پندرہ بار پڑھ لیا کرے۔

علماء نے لکھا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ دونوں طریقوں پر عمل کر لیا کرے۔ حضرت عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد اور امام بخاری رحمہ اللہ کے استادوں کے استاد ہیں اس نماز کو اسی طریقہ سے پڑھا کرتے تھے جو ابھی بعد میں ہم نے ذکر کیا ہے۔ اگر کسی وجہ سے سجدہ سہو پیش آجائے تو اس میں یہ تسبیحات پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

تحفہ خواتین، مولانا عاشق الٰہی بلند شہری ثم مدنی رحمہ اللہ، ص ۱۳۴

تین لاشیں پھانسی پر لٹکادی گئیں

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ خلیفہ معتضد باللہ بڑا زیرک اور شجاع و بہادر تھا۔لڑائیوں میں اس کے کارنامے مشہور ہیں۔اس نے خلافت کا نہایت بہتر انتظام کیا۔لوگوں کے دلوں میں اس کا بڑا رعب تھا۔اس کی ہیبت کی وجہ سے سارے فتنے دب گئے۔اس کے زمانہ میں امن ورفاہیت اور ارزانی کا دور تھا۔اس نے بہت سے ٹیکس بند کردیئے۔وہ خلافت عباسیہ کی تجدید کی وجہ سے سفاحِ ثانی کہلاتا تھا۔

دولتِ عباسیہ کی تباہی کا سب سے بڑا سبب ترکی اُمراء اور افسران فوج تھے۔عباسی حکومت اس طرح ان کے پنجۂ اقتدار میں آ گئی تھی کہ خلفاء تک کو ان کی مرضی کا پابند رہنا پڑتا تھا ورنہ حکومت بلکہ جان تک سے ہاتھ دھونا پڑتا۔ان کے ہاتھوں رعایا کی جان ومال محفوظ نہ تھا۔معتضد کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ترکوں کا زور توڑ کر سلطنت اور رعایا دونوں کو ان کے پنجۂ ظلم سے آزاد کردیا۔ان کی قوت توڑنے کے لیے اس نے نہایت سخت پالیسی اختیار کی۔فوجی افسروں کو سرتابی پر زندہ دفن کرادیتا تھا۔گویہ سزا بظاہر سخت معلوم ہوتی ہے، لیکن اس وقت ترکوں کی خیرہ سری جس حد کو پہنچ چکی تھی اس کی اصلاح بغیر اس کے ناممکن تھی۔اس نے رعایا کے ساتھ عُمال کے ظلم وزیادتی کو نہایت سختی سے روکا اور ان میں عدل وانصاف کے قیام کی طرف پوری توجہ کی۔اس سختی کا یہ نتیجہ ہوا کہ اس کے مقربین خاص تک اس کے خوف سے ظلم وزیادتی کی جرأت نہ کرتے تھے۔

ایوانِ عدالت میں اُمراء وعمائد بلکہ خلیفہ تک کے سارے امتیازات اٹھ گئے اور سب کے ساتھ یکساں سلوک ہونے لگا۔عدالتوں کی آزادی کا ایک دلچسپ واقعہ کتابوں میں مذکور ہے۔ایک امیر نے مختلف آدمیوں سے قرض لے رکھا تھا۔انہوں نے قاضی ابوحازم کی عدالت میں دعویٰ دائر کیا۔معتضد کا بھی کچھ قرض اس کے ذمہ تھا۔اس نے قاضی ابوحازم

کے پاس کہلا بھیجا کہ اس شخص کے ذمہ میرا قرض بھی ہے۔ امید ہے کہ دوسرے قرض خواہوں کے ساتھ میرا قرض بھی عدالت سے دلایا جائے گا۔ قاضی ابو حازم نے جواب میں کہلایا کہ امیر المومنین اپنا وہ قول یاد کریں جو منصب قضا سپرد کرتے وقت مجھ سے کہا تھا کہ میں نے قضا کا عہدہ اپنی گردن سے نکال کر تمہاری گردن میں ڈال دیا ہے۔ اس لیے اب مجھے یہ اختیار نہیں ہے کہ محض دعویٰ پر بغیر کسی شہادت کے کوئی فیصلہ دوں۔ معتضد نے جواب میں کہلایا کہ فلاں فلاں دو ذی عزت آدمی میرے شاہد ہیں۔ ابو حازم نے پھر جواب میں کہلایا کہ شاہدوں کو عدالت میں آ کر شہادت دینی چاہیے۔ میں جرح کروں گا، اگر شہادت سچی ثابت ہوئی تو قبول کی جائے گی ورنہ جو ثابت ہو گا اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا لیکن قاضی ابو حازم کی جرح کے خوف سے دونوں شاہدوں میں سے کسی نے شہادت نہ دی۔ اس لیے معتضد کا دعویٰ مسموع نہ ہوا۔

اوصافِ جہانبانی کے ساتھ معتضد مذہبی حیثیت سے بھی دیندار تھا۔ فسق و فجور سے اس کا دامن کبھی آلودہ نہیں ہوا۔ عباسی عہد میں کم علموں کے عقائد و خیالات پر فلسفہ یونان کا بڑا برا اثر پڑا تھا۔ معتضد خود ایک راسخ العقیدہ خلیفہ تھا۔ اوہام و خرافات کے جتنے وسائل تھے، سب کو مٹا دیا، چنانچہ منجموں اور قصہ خوانوں کے شوارع عام پر بیٹھنے کی ممانعت کر دی۔ مجوسیوں کے اثر سے مسلمانوں میں آتش پرستوں کی بعض رسمیں رائج ہو گئی تھیں چنانچہ نوروز کے دن وہ بھی آگ جلاتے تھے۔ معتضد نے اس مشرکانہ رسم کو حکماً بند کر دیا۔

مفسر و مؤرخ، علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی سیاست کا ایک دلچسپ واقعہ نقل کیا ہے۔ کہ ایک مرتبہ معتضد کسی سفر میں جا رہا تھا۔ راستہ میں ایک گاؤں پڑا جس میں ککڑی کے کھیت تھے۔ معتضد کے سپاہیوں نے ککڑیاں توڑ لیں۔ کھیت کے مالک نے شور مچایا۔ معتضد کو خبر ہوئی تو اس نے اس کو بلا کر پوچھا کہ تم ککڑیاں توڑنے والوں کو پہچانتے ہو؟ اس نے اثبات میں جواب دیا۔ معتضد نے کہا ان کو پہچان کر بتاؤ۔ اس نے تین آدمیوں کو بتایا۔ معتضد نے

ان کو قید کرادیا۔صبح لوگوں نے تین لاشیں پھانسی پر آویزاں دیکھیں۔اس پر بڑی چہ میگوئیاں ہوئیں کہ ایک معمول جرم میں پھانسی پر لٹکا دینا بڑی زیادتی ہے۔ایک شخص نے دبی زبان سے ڈرتے ڈرتے معتضد کو یہ بات پہنچائی تو اس نے کہا کہ گگڑی کے چوروں کو پھانسی نہیں دی گئی ہے، وہ قید ہیں۔تین قاتل جن پر قصاص واجب تھا، قید تھے۔میں نے راتوں رات ان کو قید خانہ سے منگوا کر پھانسی دلوائی ہے اور فوجی سپاہیوں کو ڈرانے کے لیے مشہور کردیا کہ چوروں کو پھانسی دی گئی تاکہ ان کو رعایا کے مال پر دست درازی اور زیادتی کرنے کی جرأت نہ ہو اور ان تینوں آدمیوں کہ جنہوں نے گگڑیاں چرائی تھیں، قید سے نکلوا کر اسے دکھلا دیا۔

اس کی سخت گیری کے ساتھ اس کی نرمی کے واقعات بھی ملتے ہیں۔ایک مرتبہ چند آوارہ بدمعاش اس کے سامنے پیش کیے گئے، جو فسق و فجور میں منہمک رہتے تھے۔وزیر نے ان کو سولی پر لٹکانے اور آگ میں زندہ جلانے کا مشورہ دیا۔معتضد نے کہا تم نے اس سنگدلانہ مشورہ سے میرا غصہ ٹھنڈا کردیا۔رعایا حاکم کے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔اس کی اس سے باز پرس ہوگی۔یہ کہہ کر سزا کے بارے میں وزیر کے مشورہ پر عمل نہیں کیا۔

تاریخ اسلام، شاہ معین الدین ندوی رحمۃ اللہ علیہ ج ۲، ص ۳۷۲ تا ۳۷۹ بالاختصار)

مسجد کے لئے میرا مکان حاضر ہے

حضرت فاروقِ اعظم، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب مسجد نبوی کی توسیع کا ارادہ فرمایا تو آس پاس کے بعض مکانات خرید لئے، جنوبی طرف حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا مکان مسجد سے متصل تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا: اے ابوالفضل! مسلمانوں کی مسجد تنگ ہو گئی ہے توسیع کے لئے میں نے آس پاس کے مکانات خرید لئے ہیں آپ بھی اپنا مکان فروخت کر دیں اور جتنا معاوضہ کہیں میں بیت المال سے ادا کر دوں گا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا میں یہ کام نہیں کر سکتا۔

دوبارہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تین میں سے ایک بات مان لیں:

۱۔ اسے فروخت کر کے جتنا معاوضہ چاہیں لے لیں۔

۲۔ مدینہ میں جہاں آپ کہیں آپ کو اس کے بدلے میں مکان دلوا دیا جائے۔

۳۔ یا پھر مسلمانوں کی نفع رسانی اور مسجد کی توسیع کی خاطر اسے وقف کر دیں۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے اس میں سے کوئی بات منظور نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ مسئلے کا حل کسی صورت نہیں نکل رہا ہے تو فرمایا آپ جسے چاہیں فیصل مقرر کر لیں وہ ہمارے اس معاملے کا تصفیہ کرا دے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کو فیصل بناتا ہوں لہٰذا دونوں حضرات اٹھے اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے مکان پر پہنچے آپ نے انہیں آتا دیکھا تو ان کے اعزاز میں تکیہ وغیرہ لگوایا اور دونوں بزرگوں کو بٹھایا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بات شروع کرتے ہوئے کہا: ہم دونوں نے آپ کو اپنا فیصل مقرر کیا ہے۔ آپ ہمارے درمیان جو فیصلہ کریں گے ہمیں منظور ہو گا۔

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا: ابوالفضل! آپ اپنی بات

کہئے! حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا یہ زمین جس پر میرا مکان ہے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کردہ ہے۔ یہ مکان میں نے بنایا اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس اس کی تعمیر میں شریک رہے۔ بخدا یہ پرنالہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کا لگایا ہوا ہے اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی بات کہی۔ حضرت اُبی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ دونوں اجازت دیں تو میں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سناؤں؟ دونوں بزرگوں نے کہا: جی ہاں سنائیے!

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو حکم دیا کہ میرے لئے ایک گھر تعمیر کریں جس میں مجھے یاد کیا جائے اور میری عبادت کی جائے چنانچہ جہاں پر مسجد اقصیٰ واقع ہے وہاں منجانب اللہ زمین کی نشاندہی کردی گئی مگر وہ نشان مربع (چوکور) نہ تھا۔ ایک گوشہ پر ایک اسرائیلی کا مکان تھا حضرت داؤد علیہ السلام نے اس سے بات کی اور کہا: مکان کا یہ گوشہ فروخت کردو تا کہ اللہ کا گھر بنایا جاسکے، اس نے انکار کردیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے جی میں سوچا: یہ گوشہ زبردستی لے لیا جائے، اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی آئی: اے داؤد! میں نے تمہیں اپنی عبادت گاہ بنانے کے لئے کہا اور تم اس میں زور زبردستی کو شامل کرنا چاہتے ہو یہ میری شان کے خلاف ہے۔ اب میرا حکم یہ ہے کہ تم میرا گھر بنانے کا ارادہ ترک کردو!

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں جس ارادے سے آیا تھا آپ نے اس سے بھی سخت بات کہہ دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو مسجد نبوی میں لے کر آئے وہاں کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حلقہ بنائے بیٹھے تھے حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے کہا میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں اگر تم میں سے کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت داؤد علیہ السلام کے بیت المقدس تعمیر کرنے والی حدیث سنی ہو تو وہ اسے ضرور بیان کرے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے۔ ایک اور صحابی نے بھی کہا میں نے بھی سنی ہے۔

اب حضرت اُبی رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا: عمر! آپ مجھے

رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے بارے میں تہمت دیتے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بخدا اے ابو المنذر! میں نے آپ پر کوئی تہمت نہیں لگائی ہاں میں یہ چاہتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث بالکل واضح ہو جائے۔

فقال عمر للعباس: اِذْهَبْ فَلَا اَعْرِضُ لَكَ فِيْ دَارِكَ فقال العباس اما اذا فعلت هٰذا فانى قد تصدقتُ بها على المسلمين أُوَسِّعُ بها عليهم فى مسجدهم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہا: چلیے! اب میں آپ کو مکان کے بارے میں کچھ نہیں کہوں گا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: جب آپ نے یہ بات کہہ دی ہے تو اب میں بھی یہ کہتا ہوں کہ میرا مکان مسجد کی توسیع کے لئے حاضر ہے میں اسے بلا معاوضہ پیش کرتا ہوں لیکن آپ حکماً لینا چاہیں گے تو نہیں دوں گا۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں دوسری جگہ پر بیت المال کے خرچ سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے لئے ایک مکان بنوا دیا اور وہ مکان مسجد میں شامل کر کے مسجد کو وسیع کر دیا گیا۔

کاشانہ نبوت، مولانا روح اللہ نقشبندی، صفحہ ۲۰۱ بحوالہ طبقات ابن سعد، ج ۴، ص ۲۰

پادری لاجواب ہوگیا

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے دور میں ایک پادری تبلیغ عیسائیت کی غرض سے ہندوستان آیا اور ایک مجلس میں پہنچ کر لوگوں کو جمع کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا ثابت کرنے لگا۔ (نعوذ باللہ من ذالک) اسی مجلس میں دارالعلوم دیوبند کے ابتدائی درجوں کا ایک چھوٹا طالب علم بھی تھا اس طالب علم نے پادری سے بحث شروع کر دی لیکن پادری اس کے قابو میں نہ آیا۔

ابھی یہ بحث جاری تھی کہ اس کی خبر ایک نانبائی کو پہنچی جو کہ علمائے دیوبند کا سچا عقیدت مند تھا۔ نانبائی دکان چھوڑ چھاڑ کے بھاگم بھاگ اس مجلس میں پہنچا اور طالب علم کو یہ کہہ کر بھیج دیا کہ آپ صاحب علم ہیں اور یہ جاہل۔ یہ بھلا آپ کی بات کیسے سمجھ سکتا ہے۔ میں بھی جاہل اور یہ بھی جاہل لہٰذا میں اس سے بات کرتا ہوں۔ پھر پادری سے مخاطب ہو کر کہا: بتاؤ اللہ تعالیٰ کی عمر کتنی ہے؟ پادری نے جواب دیا اللہ کی کوئی عمر نہیں وہ تو ازل سے ہے۔ نانبائی نے کہا: نہیں، کچھ تو عمر ہو گی۔ سو سال، ہزار سال، کروڑ سال، کچھ تو ہو گی۔ پادری نے کہا: نہیں، وہ تو شروع سے ہے۔ نانبائی نے کہا: اچھا سنو! میری عمر چالیس سال ہے اور میرے درجن بھر بچے ہیں اور اللہ تعالیٰ ازل سے ہے تو اس کا ایک بچہ کیوں ہے؟ یہ بات سن کر پادری نے چپ سادھ لی اور مجمع میں شور مچ گیا کہ پادری جھوٹا ہے۔

اس بات کی خبر حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا: نانبائی نے اپنی بساط کے مطابق خوب جواب دیا لیکن اگر پادری کی بات کو علمی دلیل سے رد کیا جاتا تو وہ یوں پوچھتا کہ بتاؤ اولاد کا ہونا صفت ہے یا عیب؟ اگر پادری کہتا کہ عیب ہے تو اس کو جواب ملتا کہ اللہ کی ذات تو بے عیب ہے۔ تو وہ ضرور کہتا کہ صفت ہے تو پھر

اس کو جواب دیا جاتا کہ اللہ کی صفات تو لامحدود ہیں تو (تمہارے خیال کے مطابق) اللہ کی اولاد بھی لا محدود ہونی چاہیے۔ پھر ایک کیوں ہے؟ اس کے بعد پادری کے پاس کوئی جواب نہ رہتا۔ سچ ہے کہ علمائے حق سے محبت رکھنے والوں کے دل میں بھی اللہ تعالیٰ حق گوئی کی صفت ڈال دیتا ہے۔

(حضرت مولانا یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ نے اس واقعہ میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی جگہ حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کا نام لکھا ہے۔)

اصلاحی مواعظ، مولانا یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ، جلد ۶، صفحہ ۲۶۴

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ جواب پسند آیا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کچھ بچوں کے پاس سے گزرے جو کھیل رہے تھے، انہوں نے جب آپ کو اپنی طرف آتا ہوا دیکھا تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا باقی سب بھاگ گئے۔ حضرت نے ان سے فرمایا کہ آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کیوں نہیں بھاگے؟

انہوں نے جواب دیا:

"لم یکن لی جرم فافرّ منك ولا کان الطریق ضیّقاً فاوسع علیك"

''میرا کوئی جرم نہیں تھا کہ میں آپ سے ڈر کے بھاگ جاؤں اور نہ راستہ اس قدر تنگ ہے کہ میں (ایک طرف ہٹ کر) آپ کے لیے کشادہ کر دوں۔''

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ جواب سن کر خاموشی سے آگے بڑھ گئے۔ بعض کتب میں ہے کہ آپ نے انہیں دعا دی اور بعد ازاں فرمایا: یہ بڑا آدمی بنے گا۔

ربیع الابرار ونصوص الأخیار، جار اللہ زمخشری، ص: ۲/ ۷۴۴ موسسۃ الاعلمی بیروت

تجھ میں یہ عیب ہے کہ تو مٹ جائے گا

ایک بار خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نمازِ جمعہ کے ارادے سے نہایا اور بہت اعلیٰ قسم کی خوشبو لگائی، نہایت خوب صورت لباس زیبِ تن کیا اور پھر آئینے کے سامنے آ کر خود کو دیکھنے لگا اسے اپنا حسن و جمال اچھا لگا۔ بلاشبہ وہ تھا بھی بہت حسین و جمیل۔ اپنے جمال اور خوب صورتی سے متاثر ہو کر فخریہ انداز سے کہنے لگا:

انا الخلیفة الشاب

میں جوان و پُر شباب خلیفہ ہوں!

اس کی ایک لونڈی اس کے پاس سے گزری تو اس سے پوچھا: میں کیسا لگ رہا ہوں؟ جواب میں اس نے دو شعر پڑھے:

لیس فیما بدالنا فیك عیب
عابه الناس غیر انك فان
أنت نعم المتاع لو كنت تبقی
غیر أن لابقاء للانسان

(۱) لوگ جسے عیب سمجھتے ہیں ایسا کوئی عیب تجھ میں نظر نہیں آتا صرف اتنی بات ہے کہ (ایک دن) تو فنا ہو جائے گا۔

(۲) بلاشبہ تو (دنیا کا) بہترین سامان ہے، کاش! تو ہمیشہ رہتا لیکن (یہ بھی حقیقت ہے کہ) انسان کی قسمت میں بقاء کہاں لکھی ہے؟

یہ اشعار دل پر یوں لگے کہ سلیمان بن عبدالملک جمعہ پڑھ کر واپس لوٹا تو اسے بخار ہو چکا تھا اس نے مذکورہ باندی کو بلایا اور پوچھا کہ محل کے صحن میں جب میں نے تم سے

بات کی تھی تم نے اس وقت کیا کہا تھا؟

اس نے کہا:

خلیفہ عالی مقام!

محل کے صحن میں بھلا میرا کیا کام؟ نہ ہی وہاں جانے کی مجھے آپ کی جانب سے اجازت ہے۔ بادشاہ اس کا منہ تکتا رہا اور سوچتا رہ گیا کہ تو نہیں تھی تو پھر وہ تیرے لبادے میں کون تھا؟ تب ایک رات بھی اس پر نہیں گزری کہ اس کا انتقال ہو گیا۔

سمط النجوم العوالی، عبد الملک بن الحسین، ص ۳/ ۳۰۹، دار الکتب العلمیۃ بیروت

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس سند سے جو حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے شروع ہو کر سیدنا زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ پر ختم ہوتی ہے روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال مغرب و عشاء کے درمیان ہوا۔ انتقال کی خبر سن کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ جب جنازہ پڑھنے کے لیے لایا گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا آپ نماز جنازہ پڑھائیے۔ انہوں نے فرمایا: آپ کی موجودگی میں؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہاں! آگے بڑھیے! واللہ آپ کے سوا کوئی نماز نہیں پڑھائے گا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی اور رات ہی کو تدفین عمل میں آئی۔

طبقات ابن سعد میں مذکور ہے کہ مطرف بن عبداللہ الیساری نے خبر دی کہ ہم سے عبدالاعلیٰ بن ابی مساور نے حماد سے اور انہوں نے ابراہیم سے روایت کیا کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ چار تکبیروں کے ساتھ پڑھائی۔

المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، از سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ، ص ۱۴۶

تین حج کرنے کی برکت

علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الشفاء میں لکھا ہے کہ سعدون خولانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کچھ لوگ گئے اور یہ بتلایا کہ ہمارے عزیزوں نے ایک آدمی کو قتل کیا اور اس کو بعد میں آگ میں ڈال دیا۔ پوری رات آگ اس پر جلتی رہی مگر اس کا جسم بالکل سفید رہا، آگ نے اسے کالا سیاہ نہیں بنایا تو حضرت سعدون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا شاید اس مقتول نے تین حج کئے ہیں۔ آپ لوگ تحقیق کریں۔ انہوں نے کہا کہ بالکل اس نے تین مرتبہ حج کیا ہے۔

"قال حُدثت ان من حج حجة ادیٰ فرضه"

فرمایا مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ جس نے ایک حج ادا کیا اس نے اپنا فرض نبھایا اور جس نے دو حج کئے تو اس شخص نے اپنے رب کو قرض دیا اور کل قیامت کے دن ایک فرشتہ آواز لگائے گا کہ جس کا اللہ کے ہاں قرض ہے وہ کھڑا ہو جائے۔ (اللہ سے اجر وصول کرے۔)

"ومن حج ثلاث حجج حرم الله شعره وبشره علی النار"

اور جس نے تین حج کئے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کے بال اور جسم کو آگ پر حرام فرما دیں گے۔

تحفہ اللطیفہ فی تاریخ المدینہ الشریفہ از علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ /ص ۲۶/ ج ۱

حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ادبِ رسالت

ابوالفضل حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضور اکرم ﷺ کے چچا تھے اور عمر میں رسول اللہ ﷺ سے تین سال بڑے تھے۔ کسی نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ بڑے ہیں یا رسول اللہ ﷺ؟ آپ نے بڑا ایمان افروز جواب دیا۔

فرمایا: پیدائش تو میری پہلے ہوئی ہے مگر بڑے تو رسول اللہ ﷺ ہی ہیں۔ (۱)

آفریں ہو اس ادب واحترام پر۔ سبحان اللہ! یہ اصحابِ پیمبر کیسے عظیم لوگ تھے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے قُباث بن اشیم رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

کہ آپ عمر میں بڑے ہیں یا رسول اللہ ﷺ؟

تو انہوں نے بھی بڑے ادب سے یہ جواب دیا:

رسول اللہ ﷺ اکبر منی وانا اقدم منه فی المیلاد

پیدائش میری پہلے ہوئی لیکن بڑے تو اللہ کے رسول ﷺ ہی ہیں۔ (۲)

---

(۱) فراسۃ المومن ص ۵۴ / ج ا، س

(۲) سنن ترمذی، ابواب المناقب، باب ما جاء فی المیلاد

ایک طالب علم کی ذہانت

حمیدی سے روایت ہے کہ ہم لوگ سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھے کہ انہوں نے زمزم والی یہ حدیث پاک سنائی:

"مَاءُ زَمْزَمَ لِمَا شُرِبَ لَهُ"

زمزم کا پانی جس مقصد کے لیے پیا جائے وہ مقصد پورا ہوتا ہے۔

یہ حدیث سن کر ایک طالب علم مجلس سے اٹھا اور تھوڑی دیر بعد آ کر کہا کہ:

اے ابو محمد! (یہ حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت تھی)

جو حدیث زمزم کے بارے میں آپ نے سنائی ہے کیا وہ صحیح ہے؟

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہ حدیث بالکل صحیح اور ثابت ہے۔ طالب علم نے کہا کہ میں نے زمزم کے کنویں پر جا کر پانی اس نیت سے پیا ہے کہ آپ ہمیں سو احادیث سنائیں گے۔ حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے محظوظ ہو کر فرمایا بیٹھو! میں ابھی سناتا ہوں پھر آپ نے اس مجلس میں سو احادیث سنائیں۔ یوں حدیث و سنت سے شغف رکھنے والے طالب علم کا مقصد پورا ہو گیا۔

فراسۃ المؤمن، ج ۱، ص ۵۸

شاعر مرزا بیدل کا عشقِ رسول

ہندوستان میں ایک فارسی شاعر مرزا بیدل تھے، ان کا فارسی نعتیہ کلام بہت اونچا اور معیاری ہوتا تھا اور ان کا بڑا چرچا اور شہرت تھی۔ ایران سے ایک شخص ان کے نعتیہ کلام سے متأثر ہو کر ان کی ملاقات کے اشتیاق میں ہندوستان آیا۔ مرزا بیدل سے ملاقات ہوئی۔ اتفاق سے وہ اس وقت داڑھی مونڈ رہے تھے۔

ایرانی مسافر کو بڑا تعجب ہوا۔ دیکھ کر حیرت میں پڑ گیا کہ ایسا بلند پایہ اور عشقِ رسول میں ڈوبا ہوا کلام اور عمل یہ؟

اس نے بڑے افسوس اور دکھ سے کہا: ''آغا ریش می تراشی؟''

جناب والا! آپ داڑھی کاٹ رہے ہیں؟

مرزا بیدل نے کہا ''ریش می تراشم و لے دلے کسے نمی تراشم''

ہاں! میں داڑھی تو کاٹ رہا ہوں لیکن کسی کا دل نہیں دکھا رہا۔ (یعنی کسی کا دل دکھانا بڑا گناہ ہے میں ایسا تو نہیں کر رہا)

ایرانی مسافر نے برجستہ کہا:

''ارے! دِلے رسول اللہ ﷺ می تراشی''

(ارے! تم رسول اللہ ﷺ کا دل نہیں دکھا رہے ہو؟) اس جملہ سے مرزا بیدل کو ایسی چوٹ لگی کہ ہمیشہ کے لیے اپنی بے عملی سے توبہ کر لی اور قالاً یا حالاً کہا۔

جزاك الله كه چشمم باز كردی
مرا با جانِ جاں همراز كردی

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ آپ نے میرے دل کی آنکھ کھول دی اور مجھے میرے محبوب یعنی اللہ تعالیٰ سے ملا دیا۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس

اہم اور نورانی سنت پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ ا

ترے محبوب ﷺ کی یارب، شباہت لے کے آیا ہوں

حقیقت اس کو تو کر دے، میں صورت لے کے آیا ہوں

فائدہ: داڑھی سنتِ رسول ہے، داڑھی رکھنا واجب ہے، داڑھی منڈانا یا ایک مشت سے کم کرنا جائز نہیں۔ داڑھی ایک مشت کے برابر رکھنے پر چاروں مذاہب کا اتفاق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے سب بھائیوں کو داڑھی کا نور اور اتباعِ سنت کی توفیق عطا فرمائے۔

ا فتاویٰ رحیمیہ، مفتی سید عبد الرحیم لاجپوری، ص ۲۰۱ / ج ۴

ہارون الرشید اور احترامِ علماء

ہارون الرشید، علم دوست بادشاہ تھا اس کے دربار میں علماء و دینی زعماء بکثرت تشریف لاتے تھے۔ ایک روز اس نے حضرت معاویہ ضریر رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت کی۔ جب کھانے سے فارغ ہو گئے تو ہارون الرشید نے خود ہی حضرت معاویہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ دھلائے۔ چونکہ یہ نابینا تھے لہٰذا افضل نامی ایک وزیر نے آپ سے پوچھا: جناب! ابھی آپ کے ہاتھ کس نے دھلائے ہیں؟ حضرت معاویہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں تو بینائی سے معذور ہوں، معلوم نہیں کس نے یہ خدمت کی ہے۔ وزیر نے کہا: خود خلیفۂ وقت ہارون الرشید نے آپ کے ہاتھ دھلائے ہیں۔

حضرت معاویہ ضریر رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی پیاری دعا دی:

امیر المؤمنین!

أَكْرَمْتَ الْعِلْمَ أَكْرَمَكَ اللهُ

بادشاہ صاحب میں تو ایک ناتواں اور کمزور معذور آدمی ہوں آپ نے علم کا اکرام کیا اللہ پاک آپ کو عزت و اکرام نصیب فرمائے۔

روشنی، سید عبدالمتین ہاشمی، حصہ ۲، ۱۷۹

صحابہ کرام کی حضور ﷺ سے محبت

ایک عمر رسیدہ صحابی تھے جن کو عشاء کے بعد ان کا بچہ ہاتھ پکڑ کر گھر لاتا اور صبح ہاتھ پکڑ کر مسجد لاتا تھا۔ حیرت والی بات یہ ہے کہ وہ بزرگ اصل میں نابینا نہیں تھے۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ سارا دن تو محنت مزدوری کرتے ہیں اور سب سے ملتے ہیں، عشاء کی نماز کے لیے بھی خود آتے ہیں تو عشاء پڑھنے کے بعد کیا آپ کی بینائی جاتی رہتی ہے کہ بچہ پکڑ کر لے جاتا ہے اور صبح پھر بچہ لے آتا ہے؟ تو جواب میں فرمانے لگے کہ میری زندگی کا معمول یہ ہے کہ جب عشاء پڑھ کر حضور اکرم ﷺ حجرہ مبارک میں تشریف لے جاتے ہیں تو میں آنکھیں بند کر لیتا ہوں اور جب فجر کی نماز کھڑی ہوتی ہے تب میں آنکھیں کھولتا ہوں تاکہ میری پہلی نظر بھی رسول اللہ ﷺ پر پڑے اور آخری نظر بھی آپ پر ہی پڑے۔

ماشاء اللہ! کیا عشق و محبت ہے اور کیا محبت کی پیاری ادائیں ہیں۔

ماہنامہ المرشد، زیر ادارت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ، ستمبر ۲۰۰۲ء

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی بہن کا تقویٰ

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے صاجزادے حضرت عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں ایک دن اپنے والد صاحب (امام احمد رحمۃ اللہ علیہ) کے پاس گھر میں بیٹھا تھا کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ والد صاحب نے فرمایا دیکھو کون ہے؟ میں نے دروزاہ کھول کر دیکھا کہ ایک عورت کھڑی ہے اس عورت نے کہا میں آپ کے والد صاحب سے بات کرنا چاہتی ہوں۔

والد صاحب نے اسے اندر آنے کی اجازت دے دی چنانچہ وہ اندر آکر بیٹھ گئی۔ پہلے اس نے سلام کیا پھر مسئلہ دریافت کیا ''امام صاحب! میں رات کے وقت چراغ کی روشنی میں اون کاتتی (بناتی) ہوں بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ چراغ بجھ جاتا ہے تو میں چاند کی روشنی میں اون کات لیتی ہوں، آپ مجھے بتائیں کیا مجھ پر لازم ہے کہ میں یہ بیچتے وقت لوگوں کو چاند اور چراغ کی روشنی میں کاتی (بنائی) ہوئی اون کا فرق بتاؤں؟

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جواب دیا کہ ''اگر تم سمجھتی ہو کہ چاند کی روشنی میں کاتی ہوئی اون اور چراغ کی روشنی میں کاتی ہوئی اون میں فرق ہوتا ہے تو پھر اس فرق کو بیان کرنا تم پر لازم ہے۔'' عبد اللہ فرماتے ہیں کہ یہ فتویٰ سن کر عورت چلی گئی۔

اس کے جانے کے بعد والد صاحب نے فرمایا بیٹا میں نے کبھی کسی انسان کو اس عورت جیسا (شدید احتیاط و تقویٰ پر مبنی) سوال کرتے ہوئے نہیں سنا۔ تم اس عورت کے پیچھے جاؤ اور دیکھو یہ عورت کس گھر میں داخل ہوتی ہے۔ چنانچہ میں نے دیکھا کہ وہ مشہور بزرگ بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں داخل ہوئیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ عورت ان کی بہن ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تقویٰ اس گھر کی پہچان ہے۔

طبقات الحنابلہ، ابوالحسن ابن ابی یعلی، ص ۴۳۰، ج ۱

حضرت کشمیری ایک مناظرے میں

حضرت شاہ صاحب کا حافظہ ضرب المثل تھا۔ آپ کے حافظے کا بے مثال جوہر سب سے پہلے میرٹھ کے ایک مناظرے میں منظر عام پر آیا۔ مولانا اعزاز علی ؒ کی روایت ہے کہ میں میرٹھ شہر میں درسِ نظامی کی تعلیم میں مشغول تھا کہ اچانک ایک روز شہر میں اعلان ہوا کہ فلاں غیر مقلد (اہل حدیث) عالم سے مناظرہ کرنے کے لیے مولانا انور شاہ کشمیری ؒ دہلی سے آرہے ہیں۔ میرٹھ کے پرانے اہلِ علم جو اب تک آپ کے نام ومقام سے ناواقف تھے یہ اعلان سن کر سراسیمہ اور پریشان ہو گئے۔ اندیشہ تھا کہ ایک منجھے منجھائے مناظر کے مقابلہ میں غیر معروف شخصیت کا چلے آنا کہیں احناف کی رسوائی کا موجب نہ بن جائے۔ جمعہ کے بعد متعین مسجد میں طلباء علماء اور عوام کا بے پناہ ہجوم اس فیصلہ کن مناظرہ کو دیکھنے کے لیے دور دور سے سمٹ آیا۔ اچانک ایک جانب سے چند آدمیوں کے ساتھ ایک نوجوان آتا ہوا دکھائی دیا۔ معلوم ہوا کہ یہی مولانا انور شاہ صاحب ؒ ہیں جو مدرسہ امینیہ دہلی کے صدر مدرس ہیں۔

بوڑھے، تجربہ کار، سرد و گرم چشیدہ، مناظر کے مقابلہ میں اس نوجوان کو دیکھ کر دل دہل گئے۔ مناظرہ شروع ہوا تو حضرت مولانا انور شاہ صاحب ؒ نے حریف (مقابل) کو مخاطب کر کے فرمایا: ''آپ اہل حدیث ہیں اور حافظِ حدیث ہونے کے دعویدار، اگر یہ سچ ہے تو صحیح بخاری شریف کے کچھ صفحات آپ مجھ کو زبانی سنا دیجئے''۔

مناظر عالم نے جواب میں کہا کہ پہلے آپ ہی کچھ صفحات زبانی سنا دیجئے!

مولانا اعزاز علی ؒ کا بیان ہے کہ اس نوجوان یعنی شاہ صاحب نے کھڑے کھڑے...

''باب کیف کان بدء الوحی علی رسول اللہ ﷺ''

سے بسم اللہ پڑھ کر جو ابتداء کی تو بخاری شریف کے پچیس تیس صفحے مسلسل پڑھنے

کے بعد سراپا حیرت مجمع میں حریف سے یہ پوچھنے لگے کہ جو پڑھ چکا ہوں کافی ہے یا اور پڑھوں؟ حریف کی تلاش کی تو نہ جانے وہ بیچارے کدھر سے نکل کر جا چکے تھے۔ میرٹھ سے نکل کر اس مناظرہ کی شہرت دور دور تک پہنچ گئی۔ یہ پہلا دن تھا کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بے نظیر حافظہ کی لوگوں کو اطلاع ہوئی۔ آپ کے اعلیٰ دماغ اور حافظہ کو علماءِ کرام، پورے کتب خانے کا درجہ دیتے تھے۔

نقشِ دوام از مولانا انظر شاہ کشمیری ص ۱۲۷

اب تم اپنا ہُنر دکھاؤ!

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی شریف میں ایک حکایت بیان فرمائی ہے کہ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں شہر میں چوریاں زیادہ ہونے لگیں تو چوروں کو پکڑنے کے لیے بادشاہ نے یہ تدبیر کی کہ شاہی لباس اتار کر چوروں کی طرح پھٹا پرانا لباس پہن لیا اور شہر میں گشت کرنے لگا۔ ایک جگہ دیکھا بہت سے چور اکٹھے بیٹھے ہیں بادشاہ بھی جا کر وہاں بیٹھ گیا، چوروں نے پوچھا: تم کون ہو؟ بادشاہ نے کہا کہ میں بھی تم ہی جیسا ایک آدمی ہوں۔ چوروں نے سمجھا کہ یہ بھی کوئی چور ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم لوگ ماہرین فن ہیں تم میں بھی اگر کوئی ہنر ہے تو بتاؤ۔ اگر تمہارے اندر کوئی ہنر ہوگا تو تمہیں چوری میں شریک کرلیں گے ورنہ نہیں۔ بادشاہ نے کہا آپ لوگ کیوں گھبراتے ہیں آپ لوگوں سے میرا ہنر اگر زیادہ نکلا تو مجھے اپنے ساتھ شریک کرنا ورنہ الگ کردینا۔ چوروں نے کہا اچھا اپنا ہنر بیان کرو۔ بادشاہ نے کہا کہ میں بعد میں بتاؤں گا پہلے تم لوگ اپنا اپنا ہنر بیان کرو۔

تب ایک چور نے کہا کہ میرے پاس یہ فن ہے کہ میں اونچی سے اونچی دیوار پھاند کر مکان میں داخل ہو جاتا ہوں چاہے بادشاہ کا قلعہ ہی کیوں نہ ہو۔ دوسرے چور نے کہا کہ میری ناک میں یہ خاصیت ہے کہ جہاں خزانہ مدفون ہوتا ہے میں مٹی سونگھ کر بتا دیتا ہوں کہ یہاں خزانہ ہے۔ تیسرے چور نے کہا کہ میرے بازو میں ایسی طاقت ہے کہ چاہے کتنی ہی موٹی دیوار ہو، میں گھر میں گھسنے کے لیے اس میں سوراخ کرلیتا ہوں۔ چوتھے نے کہا کہ میں ماہر حساب ہوں، کتنا ہی بڑا خزانہ ہو، چند سیکنڈ میں حساب لگا کر تقسیم کر دیتا ہوں۔ پانچویں نے کہا کہ میری آنکھوں میں یہ خاصیت ہے کہ جس کو اندھیری رات میں دیکھ لیتا ہوں دن میں اس کو پہچان لیتا ہوں۔

اب سب چوروں نے بادشاہ سے پوچھا کہ اے چور بھائی! تمہارے اندر کیا خاص

بات ہے؟ بادشاہ محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بھئی میری داڑھی میں یہ خاصیت ہے کہ جب مجرموں کو پھانسی کے لیے جلاد کے حوالے کیا جاتا ہے اس وقت اگر میری داڑھی ہل جاتی ہے تو مجرم پھانسی کے پھندے سے چھوٹ جاتے ہیں۔ یہ سن کر چور مارے خوشی کے کہنے لگے کہ ماشاء اللہ آپ تو چوروں کے سردار واقع ہوئے ہیں۔ جب ہم کسی مصیبت میں پھنسیں گے تو آپ ہی کے ذریعے ہم کو خلاصی اور نجات ملے گی۔ لہٰذا فیصلہ ہوا کہ آج ہم زیادہ ہیں بادشاہ کے گھر چوری کی جائے۔

سب چور، بادشاہ کے محل کی طرف چل پڑے۔ راستے میں کتا بھونکنے لگا تو کتے کی آواز پہچاننے والے نے کہا کہ کتا کہہ رہا ہے کہ تمہارے ساتھ بادشاہ ہے لیکن لالچ نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال رکھا تھا لہٰذا بادشاہ کے گھر چوری ہوئی اور خزانہ چوروں نے لوٹ لیا باہر جنگل میں بیٹھ کر ماہرِ حساب نے چند منٹوں میں خزانہ تقسیم کر دیا۔ بادشاہ نے کہا کہ سب لوگ اپنا اپنا پتہ لکھوا دیں تا کہ آئندہ جب چوری کرنا ہو تو ہم لوگ آسانی سے جمع ہو سکیں۔ اس طرح بادشاہ نے سب کا پتہ نوٹ کر لیا۔ اگلے دن بادشاہ نے عدالت لگائی اور پولیس والوں کو حکم دیا کہ سب کو پکڑ کر لاؤ۔ جب سب لائے گئے تو بادشاہ نے سب کو پھانسی کی سزا سنائی۔

بادشاہ نے کہا کہ اس مقدمے میں کسی گواہ کی ضرورت نہیں کیونکہ سلطان خود چوری کے وقت موجود تھا۔ جب چھ کے چھ چور پھانسی کے تختہ پر کھڑے ہو گئے تو وہ چور جس نے رات کے وقت بادشاہ کو دیکھا تھا اس نے پہچان لیا کہ یہ تو وہی بادشاہ ہے۔ جو رات کو ہمارے ساتھ تھا۔ وہ تختہ دار سے چلایا کہ اے بادشاہ! ہم میں سے ہر ایک نے اپنا اپنا ہنر دکھا دیا لیکن ہمارے سب کے سب ہنر جن پر ہم کو ناز تھا انہوں نے ہمیں مصیبت میں ڈال دیا۔ اے بادشاہ! تم نے کہا تھا کہ جب مجرم پھانسی کے تختہ پر کھڑے جاتے ہیں اس وقت اگر مہربانی سے میری داڑھی ہل گئی تو سب نجات پاتے ہیں۔ اے بادشاہ! جلدی اپنا

ہنر ظاہر فرما تا کہ ہماری جان خلاصی پائے۔تب بادشاہ نے اپنا حکم چلایا اور ان سب کو توبہ کی شرط کے ساتھ معاف کر دیا۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں ہر شخص اپنے ہنر پر ناز کر رہا ہے لیکن قیامت کے دن ان کے ہنر کچھ کام نہ آئیں گے البتہ جن لوگوں نے اس دنیا کے اندھیروں میں اللہ کو پہچان لیا، نگاہِ معرفت پیدا کی تو قیامت کے دن یہ خود بھی نجات پائیں گے اور ان کی سفارش سے گنہگار بھی معاف ہوں گے۔

اللہ کے ساتھ راز و نیاز کا خاص وقت

ایک مرتبہ تہجد کی نماز میں کئی پارے تلاوت کرنے کے بعد جب آپ ﷺ کی روح مبارک حق تعالیٰ کے قربِ عظیم سے مشرف ہوئی تب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کسی بات کی غرض سے عرض کیا:

اے اللہ کے رسول ﷺ!

آپ نے فرمایا: مَن اَنتِ؟ (تم کون ہو؟)

عرض کیا: اَنا عائشہ (میں عائشہ ہوں)

فرمایا: مَن عائشہ؟ (کون عائشہ؟)

عرض کیا: بنتِ اَبی بکر (ابوبکر کی بیٹی)

فرمایا: من ابوبکر رضی اللہ عنہ؟ (کون ابوبکر؟)

عرض کیا: ابن اَبی قحافہ (ابوقحافہ کے بیٹے)

آپ ﷺ نے فرمایا: من ابوقحافہ؟ (ابوقحافہ کون ہے؟) میں نہیں جانتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خوف زدہ ہو کر خاموش ہو گئیں۔ بعد ازاں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سارا واقعہ آپ کو سنایا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ! (لِیْ مَعَ اللہِ وَقْتٌ) میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کچھ خاص اوقات ہوتے ہیں جہاں کوئی فرشتہ بھی پَر نہیں مار سکتا میں اس وقت اللہ پاک کے قرب کے اس مقام پر تھا جہاں جبرائیل علیہ السلام بھی نہیں جاسکتے۔

یہ حدیث صحیح ہے۔ محدثِ عظیم ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ شریف میں اس کی توثیق کی ہے۔

مواہب ربانیہ از حکیم محمد اختر صاحب

بادشاہ کا بیٹا بھیک مانگ رہا تھا

ایک مرتبہ عباسی بادشاہ ابو جعفر منصور نے حضرت عبدالرحمان بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ مجھے کچھ نصیحت کیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ وفات پا گئے تو انہوں نے اپنے پیچھے گیارہ لڑکے چھوڑے۔ آپ کا کل ترکہ (میراث) سترہ دینار تھے جن میں سے پانچ دینار سے آپ کو کفن کیا گیا، دو دینار سے قبر کے لیے جگہ خریدی گئی۔ باقی دس دینار گیارہ لڑکوں میں تقسیم کئے گئے۔ ہر لڑکے کو ایک دینار سے کچھ کم حصہ ملا۔

جب ہشام بن عبدالملک فوت ہوا تو اس نے بھی اپنے پیچھے گیارہ لڑکے چھوڑے۔ جن میں سے ہر لڑکے کو باپ کی میراث میں سے دس دس لاکھ درہم ملے۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد میں نے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے ایک کو دیکھا کہ اس نے ایک ہی دن میں سو گھوڑوں پر سامان لاد کر جہاد میں چندہ کے طور پر پیش کیا۔ جب کہ ہشام کی اولاد میں سے بھی میں نے ایک کو دیکھا کہ وہ جامع مسجد کے دروازے پر جمعہ کے دن بھیک مانگ رہا تھا۔

علامہ دمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ واقعہ کوئی تعجب خیز نہیں ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اولاد کو اللہ کے سپرد کیا تھا۔ اللہ ان کے لیے کافی ہو گیا اور انہیں غنی و مالدار کر دیا۔ اور اس کے برعکس ہشام نے اپنی اولاد کو دنیا کے سپرد کر دیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فقیر اور محتاج بنا دیا۔

حیاۃ الحیوان، علامہ دمیری رحمۃ اللہ علیہ، ص ۳۷۳، ج ۱

خاندانِ نبوت کے ساتھ نیکی کا صلہ

ربیع بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں حج کے لیے جا رہا تھا، میرے ساتھ میرے بھائی اور لوگوں کی ایک جماعت تھی جب ہم کوفہ میں پہنچے وہاں ضروریاتِ سفر خریدنے کے لیے میں بازار میں گھوم رہا تھا دیکھا کہ ایک ویران سی جگہ میں ایک خچر مرا ہوا تھا اور ایک عورت جس کے کپڑے بہت پرانے اور بوسیدہ تھے، چاقو لیے ہوئے اس کے گوشت کے ٹکڑے کاٹ کاٹ کر ایک زنبیل میں رکھ رہی تھی۔ مجھے یہ خیال ہوا کہ یہ عورت تو مردار گوشت لے جا رہی ہے اس پر میری خاموشی مناسب نہیں، عجب نہیں یہ کوئی بھٹیاری عورت ہے۔ یہی پکا کر لوگوں کو کھلا دے گی۔ میں چپکے سے اس کے پیچھے ہو لیا اس طرح کہ وہ مجھے نہ دیکھے، وہ عورت ایک بڑے مکان میں پہنچی جس کا دروازہ بھی اونچا سا تھا۔

اس نے جا کر دروازہ کھٹکھٹایا اندر سے آواز آئی: کون ہے؟ اس نے کہا دروازہ کھولو! میں کم نصیب ہی ہوں۔ دروازہ کھولا گیا تو اس میں سے چار لڑکیاں نظر آئیں جن کے چہرے سے بدحالی اور مصیبت کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ وہ عورت اندر گئی اور وہ زنبیل ان لڑکیوں کے سامنے رکھ دی۔ میں نے کواڑوں کی درزوں سے جھانک کر دیکھا وہ گھر بالکل برباد اور خالی تھا۔ اس عورت نے روتے ہوئے لڑکیوں سے کہا یہ لو اس کو پکا کر کھا لو اور اللہ کا شکر ادا کرو۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر اختیار ہے اسی کے قبضے میں سب کے قلوب ہیں۔ وہ لڑکیاں اس کو کاٹ کاٹ کر آگ پر بھوننے لگیں۔

مجھے بہت صدمہ ہوا میں نے باہر سے آواز دی۔ اے اللہ کی بندی! اس مردار کو مت کھاؤ۔ وہ کہنے لگی تم کون ہو؟ میں نے کہا کہ میں ایک پردیسی ہوں۔ کہنے لگی، اے پردیسی! تم ہم سے کیا چاہتے ہو؟ ہم خود ہی مقدر کے قیدی ہیں۔ تین سال سے ہمارا کوئی مددگار ہے نہ ہمدرد۔ تو ہم سے کیا چاہتا ہے؟ میں نے کہا مجوسیوں کے ایک فرقے کے سوا

مردار کھانا کسی بھی مذہب میں جائز نہیں۔ وہ کہنے لگی: ہم خاندانِ نبوت کے لوگ ہیں ان لڑکیوں کا باپ بڑا شریف آدمی تھا وہ انتقال کر گیا اور بچیوں کی شادی نہ کرا سکا جو ترکہ اس نے چھوڑا تھا وہ ختم ہو گیا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ مردار کھانا جائز نہیں لیکن ہم کسی سے سوال نہیں کرتے۔ بس یہ اضطراری حالت میں ہمارے لئے جائز ہے کیونکہ ہم چار دن سے بھوکے ہیں۔

ربیع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس کے حالات سن کر مجھے رونا آگیا اور میں روتا ہوا بے چین دل کے ساتھ وہاں سے واپس ہوا اور اپنے بھائی سے آکر کہا کہ میرا ارادہ تو سفرِ حج کا نہیں رہا۔ اس نے مجھے بہت سمجھایا حج کے فضائل بتائے کہ حاجی ایسی حالت میں لوٹتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں رہتا وغیرہ۔ میں نے کہا کہ بس لمبی چوڑی باتیں نہ کرو میں نہیں جا رہا۔ یہ کہہ کر میں نے نقد چھ سو درہم اٹھائے ان میں سے سو درہم کا آٹا خریدا، سو درہم کا کپڑا خریدا اور باقی درہم جو بچے وہ آٹے میں چھپا کر اس بڑھیا (سیدہ) کے گھر پہنچا دیا۔ بس یہی کچھ میرا حج کا ساز وسامان تھا جو میں نے ان بیکسوں کو دیا۔ اس عورت نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور میرے لیے ڈھیروں دعائیں کیں۔ ربیع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اس کے بعد میں کوفہ ہی میں رہا اور حج پر نہ جا سکا۔

حُجاج کے قافلے حج کر کے واپس کوفہ میں داخل ہوئے تو ان کے استقبال کے لیے اور ان سے دعائیں لینے کے لیے میں ان سے ملا اور انہیں مبارکباد دی تو وہ کہنے لگے کہ آپ خود تو ہمارے ساتھ تھے۔ مکہ میں فلاں محلے میں اکٹھے تھے، عرفات میں اور منیٰ میں بھی اکٹھے ہی تو تھے، پھر یہ مبارکباد کیسی؟ اتنے میں میرے اپنے شہر کے حاجیوں کا قافلہ آگیا، میں نے انہیں بھی مبارک باد دی، وہ بھی یہی کہنے لگے کہ کیا تو ہمارے ساتھ عرفات میں نہیں تھا؟ شیطان کو کنکریاں مارنے کے وقت نہیں تھا؟ فلاں فلاں جگہ تو ہمارے ساتھ تھا اور وہاں روضہ اطہر میں زیارت کے وقت جب ہم بابِ جبریل علیہ السلام سے

باہر کو آرہے تھے اس وقت ازدحام کی وجہ سے تم نے جو جو سر بمہر تھیلی میرے پاس امانت رکھوائی تھی، جس کی مہر پر یہ لکھا ہوا تھا "مَن عَامَلَنَا رَبِحَ" (جس نے ہم سے معاملہ کیا اس نے نفع پایا) یہ لو اپنی وہ تھیلی واپس لے لو۔

ربیع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: میں کچھ نہ بول سکا...... واللہ! اس تھیلی کو میں نے اس سے پہلے کبھی دیکھا بھی نہیں تھا۔ گھر لے آیا اور سوچتا رہا کیا ماجرا ہے؟ رات جب میری آنکھ لگی تو میں نے خواب میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی۔ میں نے آپ کو سلام کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرماتے ہوئے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: اے ربیع! آخر ہم کتنے گواہ اس پر قائم کریں کہ تو نے حج کیا ہے تو ہے کہ مانتا ہی نہیں۔

سن لو بات یہ ہے کہ جب تو نے اس عورت پر جو میری اولاد سے تھی، صدقہ کیا اور اپنا سارا سامان انہیں دے کر اپنا حج ان پر قربان کر دیا تو میں نے اللہ جل شانہ سے دعا کی کہ اس کا اچھا بدلہ تجھے عطا فرمائیں۔ تو حق تعالیٰ نے ایک فرشتہ تیری صورت میں بنا کر اس کو حکم دیا کہ وہ قیامت تک ہر سال تیری طرف سے حج کیا کرے اور دنیا میں تجھے یہ عوض دیا کہ چھ سو (چاندی کے) درہم کے بدلے چھ سو دینار (سونے کی اشرفیاں) تجھے عطا کیں۔ پس تو اپنی آنکھ کو ٹھنڈا رکھ۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی ارشاد فرمایا "مَن عَامَلَنَا رَبِحَ" (جو ہم سے معاملہ کرتا ہے نفع کماتا ہے) جب میں سو کر اٹھا تھیلی کو کھولا، اس میں پوری چھ سو اشرفیاں تھیں۔ سبحان اللہ

فضائل صدقات، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ ص ۲۲۱

ہر مسلمان سے خیر خواہی کا وعدہ

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح مسلم شریف میں ایک حدیث پاک ذکر فرمائی ہے کہ حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ اقدس پر اس بات کی بیعت کی کہ نماز پڑھتا رہوں گا، زکوٰۃ دیتا رہوں گا اور ہر مسلمان کی خیر خواہی (ہمدردی) کرتا رہوں گا۔ (۱)

اس حدیث شریف کی شرح میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے دل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر خواہی اور ہمدردی کا جو وعدہ کیا تھا پوری زندگی اسے دل وجان سے نبھایا۔

ایک دفعہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام کو ایک گھوڑا خریدلانے کا حکم دیا، وہ غلام تین سو درہم میں گھوڑا خرید لایا ساتھ ہی رقم دلانے کے لیے گھوڑے کے مالک کو بھی لیتا آیا۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ کو مقرر شدہ رقم بتلائی گئی اور گھوڑا بھی پیش کر دیا گیا۔ آپ نے اندازہ کیا کہ گھوڑے کی قیمت تین سو درہم سے کہیں زیادہ ہے۔ آپ نے گھوڑے کے مالک سے کہا کہ آپ کا یہ گھوڑا تین سو درہم سے زیادہ قیمت کا ہے۔ آپ چار سو درہم میں فروخت کریں گے؟ اس نے جواب دیا جیسے آپ کا جی چاہے۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ کے گھوڑے کی قیمت چار سو درہم سے بھی زیادہ ہے کیا آپ پانچ سو درہم میں فروخت کرنا چاہیں گے؟ اس نے کہا جی بہتر ہے۔ الغرض حضرت جریر رضی اللہ عنہ گھوڑے کی قیمت میں سو سو درہم کا اضافہ کرتے گئے اور آٹھ سو درہم میں (جہاں آپ کو اطمینان ہوا) گھوڑا خرید نا طے فرما کر رقم مالک کے حوالہ کر دی۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ جب مالک تین سو درہم پر راضی تھا تو آپ نے آٹھ سو درہم دے کر اپنا نقصان کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا کہ بات یہ ہے کہ گھوڑے کے مالک کو اس کی قیمت کا صحیح اندازہ نہ تھا میں نے اس کی خیر خواہی کرتے ہوئے اس کو پوری قیمت ادا کی ہے کیونکہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا تھا کہ ہمیشہ ہر مسلمان کی خیر خواہی کروں گا۔ (اور کسی کو دھوکہ نہیں دوں گا) میں نے الحمدللہ اس وعدہ کو پورا کیا ہے۔ (۲)

اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جو جذبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تھا کچھ ویسا ہی جذبہ تابعین میں بھی دیکھنے میں ملتا ہے چنانچہ امام عالی مقام حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تاریخ میں ایسے کئی واقعات ملتے ہیں۔ایک واقعہ ملاحظہ کیجئے۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کپڑے کا کاروبار کرتے تھے ایک شخص آپ کے پاس ایک ریشمی کپڑا بیچنے کے لئے لے کر آیا۔ امام صاحب نے اس سے پوچھا کتنے کا دو گے؟ وہ بولا ایک ہزار درہم میں۔

آپ نے کہا کہ اس کی قیمت اس سے زیادہ ہے۔میں دو ہزار درہم میں خریدتا ہوں۔وہ بولا ٹھیک ہے۔امام صاحب نے فرمایا اس کی قیمت اس سے بھی زیادہ معلوم ہوتی ہے۔آخر امام صاحب نے فرمایا مجھے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے اس کپڑے کی قیمت آٹھ ہزار درہم ادا کروں یہ کہہ کر آپ نے وہ آٹھ ہزار درہم میں خرید لیا۔ (۳)

(فائدہ) ان لوگوں کے قلوب بالکل صاف تھے وہ دھوکہ دینا نہیں جانتے تھے۔وہ کسی کی مجبوری سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھاتے تھے اور ایک ہم لوگ ہیں کہ دوسرے کو دھوکہ دینا کمال سمجھتے ہیں۔حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس لیے فرمایا تھا کہ مسلمان قبروں میں ہیں اور اسلام کتابوں میں ہے۔گویا ہمارا عمل نہیں ہے صرف دکھلاوا ہے۔

---

(۱) مسلم شریف، ج۱،ص ۵۵ (۲) شرح مسلم للنووی، ج۱،ص ۵۵، باب بیان ان الدین النصیحۃ
(۳) مناقب موفق،ص ۱۹۷

تین بندوں کا حساب

علامہ فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بادشاہ کو، غلام کو اور بیمار کو حساب کتاب کے لیے بلائیں گے تو بادشاہ سے پوچھیں گے کہ تو نے میری عبادت کیوں نہیں کی؟ وہ جواب دے گا کہ یا اللہ! آپ نے مجھے بہت سی ذمہ داریوں سے نوازا تھا؟ میرے پاس وقت نہیں تھا کہ آپ کی عبادت کرتا تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیں گے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو لے کر آئیں پھر اللہ تعالیٰ اس بادشاہ سے فرمائیں گے کہ دیکھیں یہ بھی بادشاہ تھے انسان، جنات، چرند پرند بلکہ ہوا پر بھی ان کی حکومت تھی مگر میری یاد سے غافل نہ رہے۔ اے بندے تو جھوٹا ہے۔

پھر ایک غلام (یا نوکر) کو بلائیں گے کہ تم نے میری عبادت کیوں نہیں کی؟ تو وہ کہے گا کہ یا اللہ! آپ نے مجھے دنیا میں غلام اور نوکر بنایا تھا؟ میں اپنے آقا اور مالک کی خدمت کرتا یا آپ کی عبادت کرتا؟ تو اللہ تعالیٰ، حضرت یوسف علیہ السلام کو بلائیں گے اور فرمائیں گے کہ دیکھیں یہ بادشاہِ مصر کے (زرخرید) غلام بھی تھے مگر میری یاد سے غافل نہ رہے۔ اے شخص تو جھوٹا ہے۔

پھر بیمار کو بلا کر پوچھا جائے گا کہ تم نے میری عبادت کیوں نہیں کی؟ وہ کہے گا یا اللہ! آپ نے مجھے بیمار بنایا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیں گے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو بلائیں وہ جب آئیں گے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے دیکھیں یہ میرے پیغمبر ہیں ان پر بیماریاں آئی تھیں ان کے اہل عیال ختم ہو گئے تھے مگر میری یاد سے تھوڑی دیر کے لیے بھی غافل نہ رہے۔ تو جھوٹا ہے پھر ان تینوں کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ (۱)

فائدہ: اس حدیث شریف میں کتنی وضاحت ہے کہ قیامت کے دن یہ بہانے کام نہیں آئیں گے۔ اس حدیث میں بادشاہ سے مراد ہر ذمہ دار آدمی ہے، غلام سے مراد ہر نوکر

ماتحت ہے، جو کسی کی خدمت یا ڈیوٹی میں لگا ہوا ہے۔ایک حدیث میں ہے کہ تین بندوں کو قیامت کے دن دگنا اجر ملے گا۔ان میں ایک وہ غلام بھی ہے جو حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں ادا کر رہا تھا۔ایک وہ شخص ہے جو پہلے انبیاء کرام پر ایمان رکھتا تھا یعنی اہل کتاب میں سے تھا اور وہ پھر رسول اللہ ﷺ پر بھی ایمان لے آیا۔اور تیسرا وہ ہے کہ جس نے ایک باندی (کنیز) کی صحیح تربیت کی۔اس کو تعلیم دی اور پھر اسے آزاد کر کے اس کے ساتھ شادی کی۔ (۲)

---

(۱) تفسیر کبیر از علامہ فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ، ۲۱ ر ۷۴ دار احیاء التراث العربی بیروت
(۲) مسند احمد، حدیث ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ، رقم الحدیث: ۱۹۱۶۳

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ امتحان میں کامران ہوئے

اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے جب ہجرت فرمائی اور مدینہ منورہ میں داخل ہو رہے تھے کہ ایک نوجوان آیا جس کا نام طلحہ بن براء رضی اللہ عنہ تھا۔ اس نے کہا کہ حضرت مجھے آپ سے محبت ہے اور بار بار یہ عقیدت ظاہر کر رہا تھا پھر کہا حضرت ! اگر آپ کو شک ہو تو میرا امتحان بھی لے لیں۔

اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: جاؤ اپنے والد کا سر کاٹ کر میرے پاس لاؤ!

وہ اٹھا، دوڑا اور تلوار میان سے نکال لی تاکہ تعمیل حکم کرے۔ رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا اسے واپس بلاؤ۔ (جب وہ واپس آیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: تمہیں مبارک ہو! تم اس امتحان میں کامیاب ہو گئے۔ صرف آپ کو جانچنا تھا۔) میں تو رحمت بن کر آیا ہوں، میں بندوں کو جوڑنے آیا ہوں نہ کہ توڑنے اور فساد پھیلانے۔

چند دن کے بعد وہ نوجوان سخت بیمار ہو گیا۔ رسولِ پاک ﷺ عیادت کے لیے تشریف لے گئے، جب نوجوان کی حالت دیکھی تو آپ نے ان کے گھر والوں سے فرمایا کہ اس کا بچنا مشکل ہے۔ جب یہ انتقال کر جائے مجھے بتلانا۔ میں نے اس کا جنازہ خود پڑھانا ہے۔ اس لیے کہ وہ اس دن امتحان میں کامیاب ہوا تھا۔ نوجوان رات کے وقت فوت ہوا اس نے یہ وصیت کی کہ میرا جنازہ ابھی پڑھا دیں اور پھر جلدی دفنا دیں۔ میری خاطر اللہ کے نبی ﷺ کو تکلیف نہ دیں کہ آپ کا گھر بھی دور ہے اور ابھی رات کا اندھیرا بھی ہے اور یہود کی جانب سے بھی آپ ﷺ کو نقصان کا اندیشہ بھی ہے۔

ہاں! صبح آپ ﷺ کی خدمت میں جا کر میرے لیے مغفرت کی دعا کروا دیجئے۔ صبح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ کو اطلاع دی کہ وہ نوجوان رات کے وقت فوت ہو گیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم نے مجھے کیوں نہیں بتلایا؟ میں اس کا جنازہ خود پڑھاتا۔ پھر

آپ ﷺ ان کی قبر پر گئے اور یہ دعا کی:

اَللّٰھُمَّ الْقَ طَلْحَةَ یَضْحَكُ اِلَیْكَ وَ تَضْحَكُ اِلَیْهِ

اے اللہ!

توطلحہ سے اس طرح ملاقات کرکہ وہ تجھے دیکھ کرمسکرائے اورتو اسے دیکھ کر مسکرائے۔

المعجم الکبیر للطبرانی، حصین بن وحوح الانصاری رضی اللہ عنہ، ۴ /۲۸، رقم الحدیث: ۳۵۵۴
الابانۃ الکبریٰ لابن بطۃ، باب الایمان باللہ عزوجل یضحک، ۷، ۹۹

مجھے تین چیزیں پسند ہیں

سید الاولین والآخرین حضرت محمد مصطفی ﷺ اپنے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم میں تشریف فرما تھے کہ لطیف سی باتوں کا ایک سلسلہ چل پڑا جس سے بہت سی قیمتی چیزیں سامنے آئیں اور حاضرین خوب محظوظ ہوئے۔

• رحمۃ للعالمین ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے دنیا میں تین چیزیں پسند ہیں:......

① خوشبو

② عورتیں (نیک بیویاں) ......اور

③ نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

سامنے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیٹھے تھے انہوں نے کہا آقا! آپ نے سچ فرمایا۔

مجھے بھی دنیا میں تین چیزیں محبوب ہیں:......

① آپ کے چہرۂ انور کا دیدار کرنا

② اپنا مال آپ کے حکم پر خرچ کرنا......اور

③ میری بیٹی کا آپ کے نکاح میں ہونا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ابو بکر! آپ نے سچ کہا ہے۔

پھر فرمایا: مجھے بھی دنیا میں تین چیزیں پسند ہیں:......

① نیکی کا حکم کرنا

② بری باتوں سے روکنا......اور

③ اور پرانا کپڑا زیب تن کرنا

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ پاس ہی بیٹھے تھے وہ بولے: عمر! آپ نے سچ کہا ہے۔

پھر فرمایا: مجھے بھی دنیا میں تین چیزیں محبوب ہیں:......

① بھوکوں کو کھانا کھلانا

② ننگوں کو کپڑا پہنانا......اور

③ اور تلاوت کلام اللہ کرنا

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ قریب ہی بیٹھے تھے انہوں نے فرمایا: عثمان! آپ نے سچ فرمایا۔ پھر بولے: مجھے بھی دنیا میں تین چیزیں پسند ہیں:......

① مہمان کی خدمت گزاری

② گرمیوں کا روزہ......اور

③ دشمنانِ دین پر تلوار چلانا

اتنے میں حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کی کہ مجھے رب العالمین نے بھیجا ہے اور حکم فرمایا ہے کہ میں بتاؤں اگر میں دنیا والوں میں سے ہوتا تو مجھے کون سی تین چیزیں پسند ہوتیں۔

رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بتایئے! کون سی چیزیں آپ کو محبوب ہیں۔

سیدنا جبرائیل علیہ السلام بولے:

① بھولے بھٹکے لوگوں کو سیدھا رستہ بتانا

② غربت کے باوجود اللہ کی خوب عبادت کرنے والے لوگ......اور

③ عیال دار مفلسوں کی مدد کرنا۔

پھر بولے: کہ خود اللہ تعالیٰ کو بھی دنیا میں اپنے بندوں کی تین چیزیں بہت پسند ہیں:

① اپنی توانائیوں (یعنی مال و جان) کو اللہ کی راہ میں لگانا

② گناہوں پر ندامت اختیار کرنا......اور

③ فقر و فاقہ پر صبر کرنا۔ (1)

(بعض کتب میں یہ اضافہ بھی موجود ہے جو سطورِ ذیل میں لکھا جا رہا ہے۔)

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو جب یہ حدیث پہنچی تو فرمایا مجھے بھی تین چیزیں پسند ہیں:

(۱) علم کا حصول لمبی راتوں میں

(۲) فخر کی باتوں سے اجتناب کرنا

(۳) اور دل کو دنیاوی امور سے خالی رکھنا

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو جب یہ حدیث پہنچی تو فرمایا مجھے بھی تین چیزیں پسند ہیں:

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر کا خادم بننا

(۲) علمِ دین کا اِحیاء کرنا

(۳) اور خلفاءِ راشدین کی اتباع و اقتدا کرنا

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو جب یہ حدیث پہنچی تو فرمایا مجھے بھی تین چیزیں پسند ہیں:

(۱) لوگوں سے پیار و محبت سے ملنا

(۲) تکلیف دہ باتوں سے لوگوں کو بچانا

(۳) احسان و تزکیہ کا اہتمام کرنا

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو جب یہ حدیث پہنچی تو فرمایا مجھے بھی تین چیزیں پسند ہیں:

(۱) احسان جتلائے بغیر عطا کرنا

(۲) دل کا اطمینان

(۳) اور اتباعِ سنت میں زندگی بسر کرنا۔

---

(۱) فضائل اعمال بحوالہ منبہات ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ، فضائل نماز، صفحہ: ۳۱۴۔ روح البیان ۶/ ۳۶۲، سورہ نمل آیت ۶۲

کشف الخفا، اسماعیل بن محمد العجلونی المقدسی، ۱/ ۳۴۱، حرف الحاء المہملۃ، رقم: ۱۰۸۹، مفصلا، مکتبۃ القدسی القاہرۃ مصر

عجیب نسخۂ شفاء

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ بڑے درجے کے بزرگ گزرے ہیں۔ تاریخ میں آپ کی شجاعت، علوم اسلامی سے محبت اور آپ کے تقویٰ کے بے شمار واقعات موجود ہیں۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے کہا کہ میرے گھٹنے میں سات سال سے ایک پھوڑا نکلا ہوا ہے۔ ہر طرح کا علاج کروا چکا ہوں، بہت سے اطباء سے رجوع کیا لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی بات سن کر فرمایا: جاؤ کوئی ایسی جگہ تلاش کرو جہاں پانی کی قلت ہو اور لوگ پانی کے ضرورت مند ہوں وہاں جا کر کنواں کھود دو۔ انشاء اللہ اس کی برکت سے تمہیں صحت و شفا مل جائے گی۔

اس شخص نے ان کے کہنے پر عمل کیا اور ایسی جگہ تلاش کر کے وہاں کنواں کھدوایا اور اللہ تعالیٰ نے اسے تندرستی بھی عطا فرما دی۔

علامہ منذری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ ابوعبداللہ امام حاکم (صاحب مستدرک) کے چہرے پر پھنسیاں (دانے) نکل آئیں تھیں۔ بہت علاج کروائے مگر فائدہ نہیں ملا۔ ایک دن درسِ حدیث میں تمام حاضرین سے دعائے صحت کی درخواست کی۔

ایک باپردہ خاتون بھی حدیث کے درس میں حاضر ہوتی تھیں۔ اگلے جمعہ کو اس خاتون نے آپ کو ایک رقعہ بھجوایا کہ گزشتہ جمعہ جب امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے لئے دعاءِ صحت کے بعد میں گھر گئی تو وہاں جا کر ان کے لیے رات تہجد میں بہت دعائیں کیں۔ خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور مجھ سے فرمایا:

قولی لأبی عبد اللہ یُوَسّع الماءَ علی المسلمین

کہ ابوعبداللہ، حاکم سے کہو کہ لوگوں کے لیے پانی کا وسیع انتظام کرے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو انشاء اللہ جلد صحت عطا فرمائیں گے۔ یہ بات جب آپ کو پہنچی تو آپ نے گھر کے دروازے کے قریب ایک کنواں کھدوا دیا۔ اللہ کے فضل و کرم سے چند دن میں ہی صحت نصیب ہوگئی۔ درحقیقت یہ صدقہ جاریہ کی برکت تھی۔

الترغیب والترہیب للمنذری/ص ۴۲ / ج ۲، دار الکتب العلمیہ بیروت

بینائی صرف تلاوت کے لئے

شیخ یمانی طرطوسی رحمۃ اللہ علیہ کی عمر کے آخری حصے میں بینائی ختم ہوگئی تھی۔ان کا ایک پرانا خادم ان کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ ان کے حجرے میں قرآن مجید ان کے پاس رکھا ہوا ہے۔دل میں یہ خیال آیا کہ حضرت شیخ تو نابینا ہیں پھر قرآن مجید رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ میں نے حضرت شیخ سے اس کی وضاحت چاہی تو فرمایا کہ یہ ایک راز ہے تم نے پوچھا ہے تمہیں بتا دیتا ہوں جب تک زندہ رہوں کسی پر ظاہر نہ کرنا۔

میں نے اس بات کا وعدہ کر لیا تو راز بھرے انداز میں بولے: میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کر رکھی ہے کہ اے رب العالمین! تلاوت کے لئے مجھے بینائی عنایت کر دیا کریں۔میری دعا اللہ کی بارگاہ میں قبول ہوگئی۔الحمدللہ اب تلاوت کے دوران مجھے بینائی مل جاتی ہے۔اور جب کلام پاک بند کر دیتا ہوں تو پھر بدستور بینائی ختم ہو جاتی ہے۔

تم نے اس کا ہدیہ قبول نہیں کیا؟

گھر میں ہر طرف حُسن بکھرا ہوا ہے فرشتے گویا قطار در قطار اس پاکیزہ گھر میں اتر رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ بھلائی کی باتیں ارشاد فرما رہے ہیں اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بڑی توجہ سے سماعت کر رہی ہیں۔

اسی اثنا میں ایک مسکین سی عورت گھر میں آتی ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے علیک سلیک کے بعد بات چیت کر رہی ہے پھر تھوڑی دیر کے بعد اس عورت کو اللہ کے رسول ﷺ نے کچھ کھانا اور سامان اٹھائے پریشانی کے عالم میں گھر سے نکلتے دیکھا تو پوچھا: تمہارا کیا ماجرا ہے اور یہ کیا سامان اٹھایا ہوا ہے؟ اس عورت نے بے چارگی کی انداز میں کہا: میں کچھ ہدیہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے لائی تھی لیکن انہوں نے لینے سے انکار کر دیا ہے تو واپس لے کر جا رہی ہوں۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عائشہ! اس سے یہ ہدیہ لے لیا ہوتا؟

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بولیں: مجھے اپنے سے زیادہ ان چیزوں کی خود یہ عورت ضرورت مند نظر آئی تو میں نے اس کا ہدیہ قبول نہیں کیا۔

حضور ﷺ نے فرمایا: بہتر یہ تھا کہ تم اس سے یہ لے لیتیں اور اسے اپنے پاس سے کچھ بہتر چیز دے دیتیں۔ یہ بہترین بات سن کر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فوراً آپ کے حکم کی تعمیل کر دی۔

سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد، ۹، ۲۷۔ د۔ البغوي في شرح السنة ۸، ۳۰۲

مصادر

- سیرت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم، مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ، کتب خانہ مجیدیہ ملتان
- سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم لابن ہشام، عبدالملک بن ہشام، شرکۃ و مکتبۃ حلبی بمصر
- تاریخ الاسلام للذہبی، بتحقیق تدمری، (کل ۵۲ جلدیں)
- سمط النجوم العوالی، عبدالملک بن حسین الملکی، دار الکتب العلمیہ بیروت
- احیاء علوم الدین، ابوحامد محمد الغزالی، دار المعرفۃ بیروت
- صحیح بخاری، محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ
- صحیح مسلم، مترجم اُردو، ادارہ اسلامیات لاہور
- جامع ترمذی، محمد بن عیسیٰ الترمذی رحمۃ اللہ علیہ
- سنن ابوداؤد، ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی رحمۃ اللہ علیہ
- سنن نسائی اُردو، مکتبۃ العلم لاہور
- صحیح ابن حبان، محمد ابن حبان، مؤسسۃ الرسالہ بیروت
- الزہد الکبیر للامام البیہقی، احمد بن الحسین ابوبکر البیہقی، مؤسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت
- معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم الاصبہانی، ابونعیم احمد بن عبداللہ، دار الوطن للنشر ریاض
- خصائص کبریٰ، علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، ممتاز اکیڈمی لاہور
- طبقات ابن سعد، دار الاشاعت کراچی
- حلیۃ الاولیاء لابی نعیم رحمہ اللہ، دار الکتاب العربی بیروت
- تذکرہ مجاہدین ختم نبوت، مولانا اللہ وسایا دامت برکاتہم
- ہفت روزہ "ختم نبوت" کراچی، جلد ۵، شمارہ ۳۸
- ریحانِ عترت، سید نفیس الحسینی رحمۃ اللہ علیہ
- دلائل النبوۃ مترجم اردو، دار الاشاعت کراچی
- تذکرہ و تاریخ خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ، کندیاں، محمد نذیر رانجھا

- معارف القرآن، مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ، مکتبۃ المعارف شہداد پور، سندھ
- معارف الحدیث، دارالاشاعت کراچی
- تحفۃ الاحوذی بشرح جامع الترمذی، محمد عبدالرحمن بن عبدالرحیم مبارک پوری
- مسند البزار، مسند ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ
- السیرۃ النبویہ لابن کثیر، ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی رحمہ اللہ
- ماہنامہ نورعلیٰ نور فیصل آباد، جمادی الثانی ۱۴۳۵ھ
- سنت کا مقام اور فتنہ انکار حدیث، مفتی محمد رفیع عثمانی دامت برکاتہم
- جنت کا آسان راستہ، مفتی محمد رفیع عثمانی دامت برکاتہم
- حرام کھانے کی نحوست، مفتی عبدالرؤف سکھروی دامت برکاتہم
- حلال روزی کی برکات، مفتی عبدالرؤف سکھروی مدظلہ العالی
- الامام الحسین رضی اللہ عنہ، عبدالواحد خیاری اندلسی، ترجمہ: نور محمد انیس، مکتبہ نفائس القرآن
- الفاروق رضی اللہ عنہ، مولانا شبلی نعمانی رحمہ اللہ المصباح لاہور
- اللطائف الاحمدیہ فی المناقب الفاطمیہ، مولانا سید احمد حسن سنبھلی رحمہ اللہ، مطبوعہ کانپور
- برأت عثمان رضی اللہ عنہ، مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ، مکتبہ صدیقیہ حضرو
- حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ، ڈاکٹر مولانا عمران اشرف عثمانی، بیت العلوم کراچی
- حیاۃ الصحابہ، مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمہ اللہ، مکتبہ الحسن لاہور
- أسد الغابہ، دارالکتب العلمیہ بیروت
- تہذیب تاریخ ابن عساکر
- سیرت انبیاء کرام علیہم السلام، ادارہ اسلامیات لاہور
- آئینہ جمالِ نبوت، ابراہیم بن عبداللہ الحازمی حفظہ اللہ، دارالسلام لاہور
- اسوہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمہ اللہ، مکتبہ عمر فاروق کراچی
- سوانح مولانا شیخ الحدیث عبدالحق خان رحمہ اللہ اکوڑہ خٹک
- فتوح الشام (صحابہ کرام کے جنگی معرکے) علامہ واقدی، المیزان لاہور
- سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے سو قصے، بیت العلوم لاہور

- حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سو قصے، شیخ محمد صدیق منشاوی، مترجم: مولانا خالد محمود
- امام ابوحنیفہ کے حیرت انگیز واقعات، مولانا عبدالقیوم حقانی حفظہ اللہ
- تابعین کے واقعات، ترجمہ مولانا عبدالمجید حنیف، دارالہدیٰ کراچی
- حیاتِ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، جانباز مرزا مرحوم
- حیاتِ طیبہ مولانا اللہ یار خان رحمہ اللہ، تالیف ابوالاحمدین
- سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ، شورش کاشمیری رحمہ اللہ
- سوانح وافکار سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا اسماعیل شجاع آبادی
- سوانح مولانا عبدالقادر رائے پوری، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ
- سیرت ائمہ اربعہ، مولانا قاضی اطہر مبارک پوری
- سیرت عمر بن عبدالعزیز، مترجم مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ
- خلیفہ غلام محمد دین پوری، المعرفہ آرگن
- سوانح میاں جی نور محمد جھنجھانوی رحمہ اللہ
- بیس بڑے مسلمان، عبدالرشید ارشد، مکتبہ رحمانیہ لاہور
- علمائے دیوبند کے واقعات وکرامات، حافظ مومن خان عثمانی
- فوائد الفوائد فارسی، حضرت امیر علاء سجزی رحمہ اللہ منظور بک ڈپو دہلی
- اشرف السوانح، تالیفات اشرفیہ ملتان
- آپ بیتی، شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ، مکتبہ عمر فاروق کراچی
- تاریخ ابن کثیر (اردو ترجمہ البدایہ والنہایہ) دارالاشاعت کراچی
- تاریخ دعوت وعزیمت، تاریخ اسلام للذہبی
- تاریخ اسلام، مولانا اکبر شاہ صاحب نجیب آبادی
- تاریخ ابن خلدون، دارالاشاعت کراچی
- بیانات مولانا محمد عمر پالن پوری، پرنٹ لائن پبلشرز لاہور
- ندائے منبر ومحراب، مولانا اسلم شیخوپوری شہید رحمہ اللہ
- تحریک ختم نبوت کی یادیں، طاہر عبدالرزاق، دفتر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان

- تحفظ ختم نبوت، اہمیت اور فضیلت، محمد متین خالد
- ماہنامہ دار العلوم ختم نبوت نمبر کامل، مکتبہ مدنیہ لاہور
- تدوین حدیث، علامہ سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ، مکتبہ المیزان لاہور
- محدثین عظام اور ان کی کتابوں کا تعارف، حضرت مولانا سلیم اللہ خان دامت برکاتہم
- آثار الحدیث، علامہ ڈاکٹر خالد محمود دامت برکاتہم
- کشف الباری، حضرت مولانا سلیم اللہ خان دامت فیوضہم، مکتبہ فاروقیہ کراچی
- مسند احمد مترجم، مکتبہ رحمانیہ لاہور
- ترجمان السنۃ، مکتبہ رحمانیہ لاہور
- ارشاداتِ اکابر، مولانا محمد اسحاق، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
- الطبقات الکبریٰ لابن سعد، دار الکتب العلمیہ بیروت
- تجلیاتِ جذب، الشاہ حکیم محمد اختر رحمۃ اللہ علیہ، کتب خانہ مظہری کراچی
- توکل کی حقیقت، مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم، بیت العلوم لاہور
- الزہد والرقائق، ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن مبارک، دار الکتب العلمیہ بیروت
- مصنف ابن ابی شیبۃ، ابو بکر بن ابی شیبہ، مکتبۃ الرشد ریاض
- غم نہ کریں، ڈاکٹر عائض القرنی، مترجم ظریف شہباز ندوی
- معارف مفتی اعظم، زمزم پبلشرز کراچی
- البدایہ والنہایہ، دار احیاء التراث العربی بیروت
- عرفانِ محبت شرح فیضانِ محبت، شاہ حکیم محمد اختر رحمۃ اللہ علیہ، خانقاہ امدادیہ اشرفیہ
- اجتہاد اور مذہب حنفی کی حقیقت، مفتی علی الرحمن فاروقی، ادارۃ العلوم والارشاد کراچی
- خالد رضی اللہ عنہ بن ولید از سید امیر احمد مرحوم
- سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، مولانا ضیاء الرحمن فاروقی شہید رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سو قصے، مولانا محمد اویس سرور، بیت العلوم لاہور
- حیاۃ الصحابہ مولانا یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، مکتبۃ الحسن لاہور
- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فتوحات، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

- جہانِ دیدہ، مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم، مکتبہ معارف القرآن کراچی
- الرحیق المختوم، صفی الرحمن مبارک پوری، المکتبۃ السلفیہ لاہور
- المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، سید ابوالحسن علی ندوی، مجلس نشریات اسلام کراچی
- تفسیر تیسیر القرآن، مولانا عبدالرحمن کیلانی رحمہ اللہ
- رحمۃ للعالمین، قاضی سلمان منصور پوری رحمہ اللہ، مرکز الحرمین الاسلامی فیصل آباد
- حضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت تاجر، حافظ عارف گھانچی، مکتبہ فیض القرآن کراچی
- سیرت المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ، الطاف سنز کراچی
- ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم، مولانا ولی رازی، ادارہ اسلامیات لاہور
- سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مولانا شبلی نعمانی رحمہ اللہ علامہ سید سلمان ندوی رحمہ اللہ، المیزان لاہور
- سفرنامہ رنگون و برما، شاہ حکیم محمد اختر رحمہ اللہ
- ۱۹۵۰ء والی جماعت کی ایمان افروز کارگزاری، مطبوعہ صدیقی کتاب گھر دہلی
- اکابر کا سلوک و احسان، شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ، ادارہ اسلامیات لاہور
- ماہنامہ علم و عمل لاہور، اکتوبر ۲۰۱۴
- تفسیر کبیر، علامہ فخر الدین الرازی رحمہ اللہ، دار احیاء التراث العربی بیروت
- خطبات فقیر، پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم، مکتبۃ الفقیر فیصل آباد
- مواعظ اشرفیہ، مکتبہ تھانوی کراچی
- درسِ ترمذی، از افادات مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی،
- مشاہیر علماء الامصار، ابو حاتم الدارمی، دار الوفاء للطباعۃ)
- گلدستہ تفاسیر، تالیفات اشرفیہ ملتان
- وراثت کی تقسیم، مفتی عبدالرؤف سکھروی مدظلہ العالی
- مختصر پُر اثر، حصہ دوم،
- احاطہ دار العلوم میں بیتے دن، مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ، مکتبہ حمادیہ کراچی
- قصص الانبیاء اُردو، علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ، اسلامی کتب خانہ لاہور
- نفع المفتی والسائل بجمع متفرقات المسائل، مولانا عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ

○ مقدمہ شرح صحیح مسلم جلد ۴، مولانا عبد القیوم حقانی دامت برکاتہم
○ بکھرے موتی، مکتبہ عائشہ کراچی
○ نماز کے اسرار و رموز، پیر جی مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم
○ معالم العرفان، صوفی عبد الحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ، دروس القرآن گوجرانوالہ
○ رحماء بینہم، مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، دار الکتاب لاہور
○ التمہید والبیان فی مقتل الشہید عثمان رضی اللہ عنہ، ابو عبد اللہ محمد بن یحیٰ اندلسی، دار الثقافیہ قطر
○ عامر عبد الرحمن چیمہ شہید رحمۃ اللہ علیہ محمد متین خالد، اقتباس از کالم جاوید چودھری
○ سفر در سفر، مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ، مکتبہ معارف القرآن کراچی
○ حیاتِ نفیس رحمۃ اللہ علیہ، تالیفات اشرفیہ ملتان
○ تحفہ خواتین، مولانا عاشق الٰہی بلند شہری ثم مدنی رحمۃ اللہ علیہ، مکتبہ الحسن لاہور
○ تاریخ اسلام، شاہ معین الندوی رحمۃ اللہ علیہ
○ کاشانۂ نبوت، مولانا روح اللہ نقشبندی، مکتبہ رحمانیہ لاہور
○ اصلاحی مواعظ، مولانا یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ، مکتبہ لدھیانوی کراچی
○ ربیع الابرار و نصوص الأخیار، جار اللہ زمخشری، مؤسسۃ الاعلمی بیروت
○ سمط النجوم العوالی، عبد الملک بن الحسین، دار الکتب العلمیۃ بیروت
○ المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، از سید ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ مجلس نشریات اسلام کراچی
○ تحفۃ اللطیفہ فی تاریخ المدینۃ الشریفہ از علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ
○ فتاویٰ رحیمیہ، مفتی عبد الرحیم لاجپوری، دار الاشاعت کراچی
○ روشنی، سید عبد المتین ہاشمی،
○ ماہنامہ المرشد، ستمبر ۲۰۰۲ء، زیر ادارت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ
○ طبقات الحنابلہ، ابو الحسین محمد بن محمد، دار المعرفہ بیروت
○ نقش دوام از مولانا انظر شاہ کشمیری، المیزان لاہور
○ مواہب ربانیہ از شاہ حکیم اختر رحمۃ اللہ علیہ
○ حیاۃ الحیوان، علامہ دمیری رحمۃ اللہ علیہ

- فضائل صدقات، شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ
- شرح مسلم للنووی، دار احیاء التراث العربی بیروت
- المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث حصین بن وحوح
- الابانۃ الکبری لابن بطۃ
- تفسیر در منثور، علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ
- فضائل اعمال بحوالہ منبہات ابن حجر، فضائل نماز، شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ
- روح البیان، علامہ اسماعیل حقی، دار الفکر بیروت
- کشف الخفا، اسماعیل بن محمد العجلونی المقدسی، مکتبۃ القدسی القاہرۃ مصر
- الترغیب والترہیب للمنذری، دار الکتب العلمیۃ بیروت
- اسلاف کے حیرت انگیز کارنامے
- سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، شیخ صالحی الشامی، دار الکتب العلمیہ بیروت

مصنف کی چند مقبولِ عام تصانیف

عشق رسول ﷺ اور علماء دیو بند

رسول اللہ ﷺ کی محبت اسلام کی شرطِ اول ہے۔ ہر صاحب ایمان آپ سے محبت کرتا ہے۔ یہ کتاب علماء دیو بند کے حضور ﷺ سے عشق ومحبت کے ایمان پرور تذکروں سے لبریز ہے۔ محبتِ رسول کے لازوال عملی نمونہ پیش کرتی ہے۔

حضور ﷺ کی بچوں سے محبت اور انکی تعلیم وتربیت

اس کتاب نے دو بار انعام جیتا ہے۔ ا۔ صدارتی ایوارڈ سال 2009ء۔ ۲۔ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، شعبہ بچوں کا ادب سے انعام یافتہ، سال 2008ء بچوں کی تربیت کے لحاظ سے انتہائی لاجواب کتاب ہے۔

ہر واقعہ بے مثال ۲ جلد

علم وادب کی سینکڑوں کتابوں سے کشید کیا ہوا ایسا دل آویز مجموعۂ انتخاب ہے کہ جس نے اس کتاب کو دیکھا دل سے پسند کیا۔ کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ مقبول ترین کتاب ہے۔ اب اس کی جلد دوم منظرِ عام پر لائی جارہی ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ کی 125 وصیتیں

امت کے لئے رسول اللہ ﷺ کے ارشاداتِ گرامی میں سے ایک قیمتی انتخاب، مبارک وصیتیں اور بے حد اہمیت کی حامل نصیحتیں۔ مختصر مگر جامع کتاب ہے۔ اپنے موضوع میں منفرد اور لاجواب ہے۔

اولیاء اللہ کے اصلاحی واقعات

بزرگانِ دین جو اپنے عمل سے اسلام کی سچی تعلیمات کا پرچار کرتے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں محبتِ الٰہی اور معرفت کا نور پیدا کرتے ہیں ایسے لوگوں کے پُرتاثیر تذکرے اور ایسے واقعات جو ہماری اصلاح کے ضامن ہیں۔

خوشبوئے مصطفیٰ ﷺ

یہ کتاب محکمہ اوقاف صوبہ پنجاب میں سال 2010ء میں انعام یافتہ قرار پائی۔ سیرت کے انمول موتیوں اور صحابہ کرام کے بابرکت تذکروں سے معمور، ایک نہایت عمدہ کاوش ہے جو کہ زندگی کے بہت سے امور میں راہنمائی کرتی ہے۔

سنہری کرنیں (بچوں کے لئے)

(نیشنل بُک فاؤنڈیشن اسلام آباد سے انعام یافتہ، سال 2008ء)۔ بچوں کی لئے اخلاقی قدروں پر مشتمل، تربیت کے سنہرے واقعات کا مختصر اور دلکش انتخاب۔

بچوں کی دانائی (بچوں کے لئے)

ذہانت و فطانت کے ایسے واقعات جو نہ صرف بچوں بلکہ بڑوں کے لئے بھی مفید و مؤثر ہیں۔ ایک خوب صورت دانش کدہ جو کہ دانائی کے اسباق سے مزین ہے۔

امن کا سویرا (بچوں کے لئے)

اس کتاب کو نیشنل بُک فاؤنڈیشن اسلام آباد سے سال 2010ء کے ادبی مقابلہ میں دوسرا انعام ملا۔ امن و آشتی، پیار و محبت، ہمدردی اور ایثار کے انمول واقعات کا بہترین ذخیرہ ہے۔

برکتِ رزق

اَلْفَقْرُ الْمُرّ عربی کتاب کا دلنشیں اور سلیس ترجمہ جو کہ ہر امیر و غریب کے لئے یکساں مفید۔ قرآن و سنت کے بیس راہنما اصول جو یقینی طور پر برکت لانے کے ضامن ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کی 125 مسکراہٹیں

اللہ کے لاڈلے پیغمبر کی مسکراہٹوں کی رونق لئے یہ مسکراتی کتاب آپ کی زندگی میں بھی خوشیاں اور مسکراہٹیں لے آئے گی۔ ایسے واقعات کا ذخیرہ جن میں آپ ﷺ خنداں و فرحاں نظر آتے ہیں۔

ایک دن حضور ﷺ کے ساتھ

رسول اللہ ﷺ کی دن بھر کی پاکیزہ مصروفیات، سلطانِ مدینہ کے شب و روز، ایک انوکھے اور منفرد انداز میں پیش کئے گئے ہیں جو پڑھنے والے کا دل موہ لیتے ہیں۔ اس کتاب کو دو ایوارڈ ملے ہیں۔ ا۔ صدارتی ایوارڈ، سال 2013ء۔
۲۔ پروفیسر عبدالجبار شاکر سیرت ایوارڈ، سال 2013ء)

مجھے حضور ﷺ سے محبت ہے

صحابہ کرام کی حضور ﷺ سے محبت جیسے پاکیزہ عنوان پر ایک نہایت قیمتی دستاویز۔ جسے پڑھ کر محبتِ رسول کا گلِ شاداب لہلہانے لگتا ہے اور فصلِ ایمان پر نکھار آ جاتا ہے۔ (صدارتی ایوارڈ یافتہ، سال 2014ء)

- دورِ نبوت اور خلفاءِ راشدین کے عہدِ زرّیں کے مبارک واقعات۔
- صحابہ، تابعین ائمہ دین اور اہلِ تقویٰ بزرگوں کے مفید اور مؤثر واقعات۔
- اللہ کی فرماں برداری اور رسول اللہ ﷺ کی محبت و اطاعت کا جوہر پیدا کرنے والے یادگار واقعات۔
- عملی زندگی کو سنوارنے اور خوشگوار بنانے والے بہترین واقعات۔
- ایک سو سے زائد دینی، اصلاحی اور تاریخی کتابوں سے کشید کیا ہوا ایسا خوبصورت انتخاب کہ جس کا ہر واقعہ بے مثال ہے۔

ابو طلحہ

مکتبۃ الحسن
۳۳ حق سٹریٹ اردو بازار لاہور پاکستان
042-37241355, 0307-3339699

دینی کتب خانہ
بلاک-1 جوہر آباد (خوشاب)
0454 72 29 54